غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کا جائزہ

مقالہ برائے ایم۔فل (اُردو)

مقالہ نگار

کومل سلام

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

جنوری ۲۰۱۹ء

غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کا جائزہ

مقالہ برائے ایم۔فل (اردو)

مقالہ نگار

کومل سلام

یہ مقالہ

ایم۔فل (اردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگوئجز

(اردو زبان و ادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

جنوری ۲۰۱۹ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگوئجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کا جائزہ

پیش کار: کومل سلام رجسٹریشن نمبر:1207/MPhil/Urdu/S16

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: شعبہ زبان و ادب اردو

ڈاکٹر روبینہ شہناز _____

نگران مقالہ

ڈاکٹر نازیہ یونس _____

معاون نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان _____

ڈین فیکلٹی آف لینگوئجز

بریگیڈئر محمد ابراہیم _____

ڈائریکٹر جنرل

_____

تاریخ

اقرار نامہ

میں کومل سلام حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز اسلام آباد کے ایم۔فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر روبینہ شہناز اور ڈاکٹر نازیہ یونس کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا اور نہ آئندہ کروں گی۔

کومل سلام

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

جنوری ۲۰۱۹ء

فہرست ابواب

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم		iii
اقرار نامہ		iv
فہرست ابواب		v
مقالے کا دائرہ کار		vii
Abstract		ix
مقالے کا مقصد		x
اظہارِ تشکر		xi
باب اول:	غلام الثقلین نقوی کی سوانح حیات اور ناولٹ نگاری کا مختصر تعارف	۱
الف)	موضوع کا تعارف	۱
ب)	غلام الثقلین نقوی مختصر تعارف	۴
ج)	ناولٹ نگاری کا مختصر تعارف	۶
د)	اردو ناولٹ نگاری کی روایت	۱۳
ہ)	غلام الثقلین نقوی کے عہد کا تعین	۲۴
۔	حوالہ جات	۳۰
باب دوم:	غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کا موضوعاتی جائزہ	۳۲
الف)	رومانوی موضوع	۳۴
ب)	دیہی زندگی کا موضوع	۶۱
ج)	جدوجہد کشمیر کا موضوع	۸۷
۔	حوالہ جات	۹۸

باب سوم:	غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کا فنی جائزہ	۱۰۲
	الف) پلاٹ	۱۰۲
	ب) کردار	۱۰۴
	ج) تکنیک	۱۲۴
	د) اسلوب	۱۲۶
	ہ) منظر نگاری	۱۵۱
	۔ حوالہ جات	۱۸۱
باب چہارم:	ناولٹ نگاری میں غلام الثقلین نقوی کے مقام کا تعین	۱۸۷
	الف) غلام الثقلین نقوی کے معاصرین ناولٹ نگار	۱۸۷
	ب) ناولٹ نگاری میں غلام الثقلین نقوی کے مقام کا تعین	۱۹۲
	۔ حوالہ جات	۱۹۸
باب پنجم:	ماحصل	۱۹۹
	۔ مجموعی جائزہ	۱۹۹
	۔ نتائج	۲۲۲
	۔ سفارشات	۲۲۳
	۔ کتابیات	۲۲۴

مقالے کا دائرہ کار

میرے اس ایم۔فل اردو کے مقالے کا موضوع غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کا جائزہ ہے۔ موضوع پر بحث کرنے کے لیے غلام الثقلین نقوی کے تینوں ناولٹ کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ یہ تینوں ناولٹ ان کے ایک ہی مجموعہ میں شائع کیے گئے۔ اس مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

باب اول غلام الثقلین نقوی کی سوانح حیات اور ناولٹ نگاری کا مختصر تعارف پر مبنی ہے۔ جس میں غلام الثقلین نقوی کا مختصر تعارف بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ناولٹ نگاری کا بھی مختصراً تعارف بیان کیا گیا ہے اور اردو ادب کے حوالے سے ناولٹ نگاری کی روایت کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جس میں اردو ادب میں ناولٹ نگاری جس طرح انگریزی ادب کے ذریعے فروغ پانے لگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب دوم غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کا موضوعاتی جائزہ پر مشتمل ہے جس میں غلام الثقلین نقوی کے تینوں ناولٹ "چاند پور کی نینا"، "شمیرا"، "شیر زمان" کا موضوعاتی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں پائے جانے والے موضوعات جن میں رومانی موضوع، دیہی زندگی کا موضوع اور جدوجہد کشمیر کے موضوع کے حوالے سے جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ان کا تیسرا ناولٹ کشمیر کے موضوع پر لکھا جانے والا ناولٹ ہے۔

باب سوم میں غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کا فنی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں ان کے تینوں ناولٹ کو فنی حوالے سے پرکھا گیا ہے۔ جس میں غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں کرداروں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس طرح کے کردار ان کے ہاں دکھائی دیتے ہیں انھیں سامنے لایا گیا ہے۔ اسلوب کو بیان کیا گیا ہے ان کی تحریروں کے اسلوب کے فن کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی منظر نگاری جس انداز میں اور جس خوبصورتی سے کی گئی ہے اس کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب چہارم میں ناولٹ نگاری میں غلام الثقلین نقوی کے مقام کا تعین شامل کیا گیا ہے۔ جس میں غلام الثقلین نقوی کے عہد کا تعین کرنے کے ساتھ ساتھ غلام الثقلین نقوی کے معاصرین ناولٹ نگاروں کا بھی جائزہ پیش کیا گیا ہے اس کے علاوہ ناولٹ نگاری کے حوالے سے غلام الثقلین نقوی کے مقام کو سامنے لایا گیا ہے۔

باب پنجم مجموعی جائزہ پر مشتمل ہے جس میں ان تمام ابواب کا مجموعی طور پر جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ نتائج اور سفارشات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

Abstract

The topic of my M.Phil Urdu article is reviewing the Novelette of the Ghulam-us-Saqlain Naqvi. The three Novelette of Ghulam-us-Saqlain Naqvi are discussed to argue the subjest. These three novelette were published in the same collection. This article is divided into five chapters.

Chapter one is based on the short introduction of the biography and Novelette of Ghulam-us-Saqlain Naqvi, the short introduction of Novelette and narrative tradition has also been reviewed in reference to Urdu Literature as inspired by English literature.

Chapter two contains subjective review of Ghulam-us-Saqlain Naqvi Novelette in which subject review of Ghulam-us-Saqlain Naqvi`s three Novelette “Chandpur ki Naina”, “Shamira” , “Sher Zaman” has been discussed , in which the topic found in the Ghulam Al-Naqvi Novelette, Spiritual theme, theme of the rural life and struggle regarding the issue of Kashmir are discussed. His third Novelette is written on Kashmir subject.

In Chapter three, a fictional review of the Novelette of Ghulam-us-Saqlain Naqvi has been presented in which his three Novelette have been cast out on fictional basis.The role of characters in the Novelette Ghulam-us-Saqlain Naqvi reviewed. The kind of characters portrayed in his Novelette are discussed. The statement has been described. The art of his writings has been reviewed. Apart from this, the scenario and beauty of their scenes were reviewed.

In Chapter four, determination of Ghulam-us-Saqlain Naqvi is included, in which determination of era of Ghulam-us-Saqlain Naqvi as well as his contemporary writers are discussed and also the work regarding Novelette of Ghulam-us-Saqlain Naqvi is discussed.

Chapter five contains overall review, in which collective analysis of these all chapters is discussed. Besides conclution and recommendations are also presented.

مقالے کا مقصد

افسانہ نگاری کی بدولت غلام الثقلین نقوی نے مقام و مرتبہ حاصل کیا جبکہ غلام الثقلین نقوی کے ہاں ناولٹ نگاری کا بھی اثر دکھائی دیتا ہے۔ تحقیقی مقالے کا موضوع غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری پر مبنی ہے جس میں ان کے تینوں ناولٹ کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس تحقیقی مقالے کا مقصد ہی یہی ہے کہ غلام الثقلین نقوی کو ان کی ناولٹ نگاری کے حوالے سے ادب میں متعارف کرایا جائے۔ ان کے معاصرین کے ساتھ ان کی ادبی فکر کی گہرائی جس طرح دکھائی دیتی ہے وہ سامنے آئے۔ چونکہ ان کی ناولٹ نگاری پر فی الحال کوئی تحقیقی کام سامنے نہیں لایا گیا۔ اس لیے ان کی ناولٹ نگاری کی صنف کو اس مقالے کے لیے چنا گیا۔ جس میں غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ نگاری میں موضوعات کے ساتھ ساتھ ان کے فن کا بھی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ناولٹ نگاری میں جس طرح انھوں نے بلند فکر کی عکاسی کرتے ہوئے وسیع موضوعات کو ناولٹ نگاری کے لیے چنا انھیں سامنے لایا جائے دیہات نگاری کا موضوع ان کے ہاں جس طرح دکھائی دیتا ہے ان کی عمر کا بہترین سفر چونکہ دیہات میں گزرا اس لیے ان کی تخلیقات میں بھی اسی کی پیروی دکھائی دیتی ہے۔ اس کے علاوہ رومانی موضوع اور کشمیر کا موضوع جس طرح انھوں نے ناولٹ میں مختصر کینوس کے باوجود ناولٹ میں بیان کیا اسے باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

مجوزہ تحقیقی کام میں ان مقاصد کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

۱۔ ناولٹ نگاری میں غلام الثقلین نقوی کے مقام کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

۲۔ غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کو متعارف کرانا۔

۳۔ غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ کے اسلوب اور موضوعات کا جائزہ لینا۔

اظہارِ تشکر

میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ جس نے مجھے اس قدر حوصلہ اور ہمت عطا کی کہ میں ایم۔فل کا مقالہ پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے جو مشکلات کو دور کرتی ہے جس نے میری مشکلات کو دور کیا اور میرا مقالہ مکمل ہوا۔

اس کے بعد میں اپنے تمام اساتذہ کرام کی شکر گزار ہوں جنھوں نے مجھے ہر معاملے میں بہترین مشوروں سے نوازا اور میری حوصلہ افزائی کی۔ اس کے علاوہ میں خصوصی طور پر ڈاکٹر روبینہ شہناز اور ڈاکٹر نازیہ یونس کی بے حد مشکور ہوں جن کی زیر نگرانی میرا یہ تحقیقی مقالہ پایہ تکمیل تک پہنچا اس دورانیے میں انھوں نے میری مدد کی موضوع کے انتخاب سے لے کر اس کو انجام تک پہنچانے میں میرا حوصلہ بڑھایا۔

اس کے بعد میں اپنے والدین کا شکر ادا کرتی ہوں جن کی دعاؤں کی بدولت اور شفقت کی بدولت میرا مقالہ مکمل ہوا۔ میری خدا سے دعا ہے کہ اللہ ان کی عمر دراز کرے اور ان کو صحت عطا فرمائے (آمین)۔ اس کے علاوہ میں اپنے بھائیوں کا بھی شکر ادا کرتی ہوں اور ہر اس شخص کا جس نے میری رہنمائی فرمائی اور اس مقالے کی تکمیل کے لیے میری مدد کی۔ میں ان سب کے لیے خدا سے دعا گو ہوں کہ اللہ انھیں صحت عطا فرمائے (آمین)

کومل سلام
ایم۔فل اردو
اسلام آباد

باب اول

غلام الثقلین نقوی کی سوانح حیات اور ناولٹ نگاری کا مختصر تعارف

الف) موضوع کا تعارف:

مجوزہ تحقیقی کام ''غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کا جائزہ'' پر مشتمل ہے۔ غلام الثقلین نقوی، ۱۲ مارچ ۱۹۲۲ء کو مقبوضہ جموں کشمیر کے گاؤں ''چوکی ہنڈن'' ضلع نوشہرہ میں پیدا ہوئے۔ غلام الثقلین نقوی اردو کے منفرد افسانہ نویس اور انوکھے ناول نگار تھے اور انھوں نے دیگر اصنافِ نثر کو بھی اپنایا۔ مضامین نگاری اور سفر نامے بھی لکھے۔ پھر ان کی دلچسپی ناولٹ کی طرف بڑھی اور تین ناولٹ بھی تحریر کیے۔

ناولٹ فنی لحاظ سے ''فکشن'' کی ایک مخصوص اصطلاح ہے۔ ہم ناولٹ کو ایک مختصر ناول کا نام دے سکتے ہیں۔ ناولٹ کو ایک الگ صنفِ ادب کا درجہ دیا گیا ہے۔ یہ ناول اور افسانے کے بیچ کی ایک کڑی ہے۔

اس طرح اس تحقیق کے ذریعے خاص طور پر غلام الثقلین نقوی کے تین ناولٹ کی فکر کو سامنے لایا گیا۔

موضوع کی اہمیت:

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ پر تحقیقی کام کرنا اس لحاظ سے اہم موضوع ہے کہ ناولٹ کو بھی ادب میں ایک صنف کا درجہ مل گیا۔ اس سے پہلے غلام الثقلین نقوی کے ناول اور افسانہ نگاری کو پرکھا گیا۔ اس کا فنی و فکری حوالے سے جائزہ لیا گیا مگر اس مقالے میں ان کے اس فن کو بھی مد نظر رکھا جائے گا اور ان کی ناولٹ نگاری کو دیکھا جائے گا اور مختلف پہلو سامنے لائے گئے۔

بیان مسئلہ:

غلام الثقلین نقوی نے بھی اپنے معاصرین کی طرح ناولٹ نگاری میں اپنا مقام قائم کیا۔ چنانچہ اس تحقیقی کام کے ذریعے ان کے ناولٹ میں جو فکر اور اسلوب اپنایا گیا ہے اسے سامنے لایا جائے گا۔ ان کے فن کی نئی پرتوں کو واضح کیا۔

مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق:

غلام الثقلین کی ''افسانہ نگاری اور ناول نگاری'' کے حوالے سے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں ایک مقالہ تحریر کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح ''غلام الثقلین نقوی کی افسانہ نگاری کا فنی و فکری جائزہ پر'' مقالہ نگار سلومی اشرف کا ۲۰۰۵ء میں تحریر ہو چکا ہے جو کہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز کا تحقیقی مقالہ ہے مگر غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری پر فی الحال کوئی تحقیقی کام نہیں کیا گیا۔ اس موضوع پر استفادے کے لیے غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔

تحدید:

مجوزہ تحقیقی کام غلام الثقلین نقوی کے تین ناولٹ ''چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زماں'' کے جائزہ پر مشتمل ہے۔

مقاصدِ تحقیق:

مجوزہ تحقیقی کام میں درج ذیل مقاصد پیش نظر ہوں گے:

۱۔ ناولٹ نگاری میں غلام الثقلین نقوی کا مقام سامنے لانا۔

۲۔ غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کو متعارف کروانا۔

۳۔ غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ کے اسلوب اور موضوعات کا جائزہ لینا۔

تحقیقی سوالات:

مجوزہ تحقیق کے دوران درج ذیل تحقیقی سوالات سامنے رکھے جائیں گے:

۱۔ ناولٹ نگاری کیا ہے اور یہ کیوں اہمیت کی حامل ہے؟

۲۔ ان ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے کس قسم کے موضوعات کو اجاگر کیا ہے؟

۳۔ غلام الثقلین نقوی کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں؟

پس منظری مطالعہ:

کسی بھی تنقیدی و تخلیقی کام کے لیے پس منظری مطالعہ کا ہونا از حد ضروری ہے۔ مجوزہ موضوع تحقیق کے لیے ان تمام کتب و مضامین کا مطالعہ کیا گیا جن سے متعلقہ مواد حاصل کیا۔ اس کے علاوہ رسائل و جرائد اور انٹرنیٹ سے استفادہ کیا گیا۔ غلام الثقلین نقوی کے فن اور شخصیت کے حوالے سے بھی کتب کا جائزہ لیا گیا اور نتائج اخذ کیے گئے۔

نظری دائرہ کار:

اس مقالہ کی مدد سے غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کے جائزہ سے ان کے ناولٹ میں جو اسلوب اپنایا گیا ہے اسے سمجھنے میں مدد ملی اور نئے پہلو سامنے لانے میں مدد ملی۔

تحقیقی طریقہ کار:

تحقیق کا موضوع چونکہ ''غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کا جائزہ'' پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس موضوع پر تحقیقی کام کے لیے دستاویزی طریقے سے استفادہ کیا جائے گا جس میں بنیادی ماخذ اور ثانوی ماخذ دونوں طریقوں سے استفادہ حاصل کیا گیا اور اس موضوع پر مواد کے لیے مختلف کتب اور رسائل سے مدد لی گئی ہے اور اس کے علاوہ مختلف لائبریریوں سے بھی استفادہ حاصل کیا گیا۔

ب) غلام الثقلین نقوی کا مختصر تعارف:

معاصر اردو افسانے میں غلام الثقلین نقوی ایک ممتاز افسانہ نگار کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں عصری صورتحال کی عکاسی واضح انداز میں نظر آتی ہے۔ غلام الثقلین نقوی اپنے معاصرین میں مفرد اسلوب کے باعث پہچانے جاتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی کی پیدائش ۱۲ مارچ ۱۹۲۲ء کو کشمیر میں ہوئی۔ اس حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> غلام الثقلین نقوی ۱۲مارچ ۱۹۲۲ء کو ریاست جموں کشمیر کے ایک گاؤں چوکی ہنڈن میں پیدا ہوئے۔ ۱

غلام الثقلین نقوی کے والد کا نام سید امیر شاہ تھا انہوں نے ضلع سماہنی آزاد کشمیر سے اپنا تعلق ظاہر کیا۔ ان کا خاندان پیری مریدی سے وابستہ ہے۔ اِن روایات پر عمل پیرا ہونے کی بجائے غلام الثقلین نقوی کے والد نے پٹواری کا پیشہ اختیار کیا پھر اس سے حالات میں بہتری نہ ہونے کی وجہ سے سید امیر شاہ نے پرائمری سکول میں مدرس کے فرائض انجام دینے شروع کر دیے۔ ان کی اس شعبے سے وابستگی ظاہر ہوتی ہے۔ اپنے کام کاج خود کرتے انھوں نے اپنا مقام محنت سے خود حاصل کیا اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے۔

غلام الثقلین نقوی کی والدہ محترمہ کا نام سیدہ امیر بیگم تھا اور وہ ضلع سیالکوٹ کے گاؤں بھڑتھ کی رہنے والی تھیں۔

غلام الثقلین نقوی نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں بھڑتھ سے حاصل کی اور پانچویں سے ساتویں جماعت تک کی تعلیم کے لیے سکاچ مشن سکول سیالکوٹ سے منسلک رہے۔ ڈاکٹر محمد عالم خان لکھتے ہیں:

> پرائمری تعلیم گاؤں (بھڑتھ) سادات کے سکول سے حاصل کی۔ ۲

غلام الثقلین نقوی نے دسویں جماعت کی تعلیم دیپالپور سے حاصل کی اور اعلیٰ نمبروں کے ساتھ امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ انھوں نے اپنے ضلع میں دوسری پوزیشن حاصل کرلی مگر وظیفہ حاصل کرنے میں ناکام رہے۔

اس کے بعد غلام الثقلین نقوی نے انٹر کا امتحان سیالکوٹ میں پاس کیا۔ اپنے والد کی آمدنی کم ہونے کے باعث اور دوسرے بہن بھائیوں کی تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کی وجہ سے انٹر کے بعد انھوں نے مزید تعلیم پرائیویٹ حاصل کی۔

بی۔اے اور ایم۔اے کے امتحانات انھوں نے ۱۹۴۵ء اور ۱۹۵۰ء کے دورانیے میں پاس کیے۔ غلام الثقلین نقوی نے گھر کے حالات دیکھتے ہوئے اپنی تعلیم گھر بیٹھ کر حاصل کی یعنی پرائیویٹ طالبعلم کی حیثیت سے حاصل کی اور اپنی ملازمت کے حصول کے لیے کوشاں رہے اور انھیں ملٹری اکاؤنٹس میں پہلی ملازمت ملی۔ ملازمت کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید کے الفاظ یہ ہیں:

> غلام الثقلین نقوی نے اپنی زندگی کی ابتداء ۱۹۴۷ء میں ملٹری اکاؤنٹس آفس سے کی تھی، یہ ملازمت انھیں راس نہیں آئی تو انہوں نے اپنی افتادِ طبع کے مطابق درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔۔۔ دسمبر ۱۹۵۰ء سے لے کر دسمبر ۱۹۶۲ء تک انھوں نے ہائی سکول میں مدرسی کی۔ ۳

پبلک سروس کمیشن کا امتحان پاس کرنے کی بدولت لیکچرار مقرر ہوئے۔ چار سال تک ٹریننگ کالج لاہور میں پڑھایا۔ ملازمت کے آخری پندرہ سال گورنمنٹ کالج میں گزارے۔ غلام الثقلین نقوی کو اپنے والد کی طرح درس و تدریس سے خاصا لگاؤ تھا اور اس سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔

غلام الثقلین نقوی کی شادی ان کی کزن سے ہوئی۔ ان کا نام غلام زہرہ تھا انھوں نے چون سال اپنی بیوی کے ساتھ گزارے پھر ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ غلام الثقلین نقوی کی بیوی نے ان کا ہر حال میں ساتھ دیا اور ہر ملازمت کے دوران ان کے ساتھ ہی رہیں۔ ان کا حوصلہ بڑھایا۔ دیپالپور، باماں، بالا، فیروزپور،

کہوٹہ، ڈسکہ، جھنگ اور بہاولنگر میں ملازمت کے حوالے سے غلام الثقلین کو جانا پڑا۔ ان کی شادی کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید رقمطراز ہیں:

> غلام الثقلین نقوی ۱۹۴۰ء میں مرے کالج کے دوسرے سال میں تھے کہ ان کی شادی۔۔۔ غلام زہرہ سے کر دی گئی۔۔۔ محترمہ غلام زہرہ سے شادی کے بعد انہوں نے اپنی زندگی کے چون سال گزارے۔ انہوں نے مختلف ملازمتوں کے دوران ان کا ساتھ دیا۔ ۴

غلام الثقلین نقوی کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ اِن کی تعلیم و تربیت میں غلام الثقلین نقوی اور ان کی بیوی نے خاصا اہم کردار ادا کیا اور انھیں اچھے مقام پر فائز کیا۔ غلام الثقلین نقوی کے بڑے بیٹے محکمہ انکم ٹیکس میں ملازم ہوئے، دوسرے بیٹے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب منتخب ہوئے۔ تیسرے بیٹے نصیر عباس نے سول انجینئرنگ میں بی ایس سی کا امتحان پاس کرنے کے بعد نیس پاک میں ملازمت کی۔ ان کی اکلوتی بیٹی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد شادی کر دی گئی۔

ان کی وفات ۲۰۰۲ء میں ہوئی ان کی تدفین ان کے آبائی گاؤں میں کی گئی۔ انہوں نے اس دنیائے فانی سے رخصت اختیار کر لی اور حقیقی دنیا میں چلے گئے:

> غلام الثقلین نقوی ۱۶ اپریل ۲۰۰۲ء کو لاہور پاکستان میں وفات پا گئے۔ وہ موضع بھڑتھ، ضلع سیالکوٹ، پاکستان میں سپرد خاک ہوئے۔ ۵

ج) ناولٹ نگاری کا مختصر تعارف:

ناولٹ اُردو ادب کی ایک اہم صنف ہے۔ اس کے لیے مختلف روایات میں لفظ چھوٹا ناول کہہ کر بات ختم کر دی گئی ہے۔ اس طرح یہ ناولٹ سے مشابہت رکھتا ہے مگر اس کے اندازِ بیان میں کچھ فرق لازم ہے۔ ورنہ اس کی اپنی پہچان ختم ہو جائے گی۔ علمی اردو لغت میں اس کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

> چھوٹا ناول، وہ قصہ جس میں زندگی کے چند نمایاں پہلو پیش کیے جائیں۔ ۶

فیروز الالغات میں اس کے معنی یہ بتائے ہیں:

ناولیٹ(Novelette) چھوٹا ناول، طویل افسانہ۔۷

لہذا اس سے بھی بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ناول سے چھوٹا اور افسانے سے تھوڑا لمبا ہوتا ہے یعنی دونوں کے درمیان کی کڑی ہے۔ جس میں دونوں کا عکس سمویا ہوا ہے۔

ایک اور تعارف ناولٹ نگاری کا ہمارے سامنے یہ آتا ہے کہ:

> ناولٹ (انگریزی:Novella) مختصر یا چھوٹا ناول، معتدل طوالت پر مبنی۔ نثر میں ایسی تحریر جو ناول سے چھوٹی اور افسانے سے بڑی ہوتی ہے۔ اسے چھوٹا ناول یا طویل افسانہ بھی کہا جاتا ہے۔۸

انگریزی اردو لغت میں اس کو یوں بیان کیا گیا ہے:

ناولٹ، مختصر ناول۔۹

ڈاکٹر انور سدید ناولٹ کے حوالے سے اپنی رائے اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ہم ناولٹ کو زیادہ سے زیادہ ایک مختصر ناول ہی کا نام دے سکتے ہیں۔ جیسے بلاواسطہ طریق کی ایک کہانی کو ہم زیادہ سے زیادہ مختصر افسانہ ہی کہہ سکتے ہیں۔۱۰

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناولٹ کی صنف کو ابھی تک وہ مقام نہیں ملا جو ادب کی دیگر اصناف کو حاصل ہے۔ ناولٹ ادب میں ایک خوبصورت صنف کے طور پر آیا ہے مگر اس کی قدر و قیمت ناول اور افسانے سے کم تر ہے۔ انیسویں اور بیسویں میں مختلف ادیبوں نے اس صنف کو اپنایا۔ ناولٹ ناول کی طرح ہی خوبیوں کا حامل ہے مگر یہ مختصر کہانی کے ساتھ تحریر ہوتا ہے۔ اس میں جو مسائل اور موضوعات اپنائے جاتے ہیں۔ انھیں مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں ترتیب اور تمام عوامل ناول کی طرح ہی ہوتے ہیں مگر طرزِ ادا

مختلف ہوتا ہے۔ جس میں زندگی کے مسائل پر مختصراً روشنی ڈالی جاتی ہے۔ گرائمر میں ناولٹ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

> گرائمر کی رو سے ناولٹ کی تصغیر سہی لیکن اسے مرد کی مشابہت پر بچہ نہیں سمجھا جا سکتا اسی حقیقت کا اس لیے ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ اس میں جو منطقی، مغالطہ پایا جاتا ہے۔ اس کے باعث اکثر لوگ مختصر ناول کو ناولٹ سمجھ لیتے ہیں۔ ۱۱

اب اگر ہم ایسا تصور کر لیں کہ ناول کا خلاصہ کر دینے سے ناولٹ بن جائے گا ایسا ہر گز نہیں بلکہ اس میں دیگر مفاہیم کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے۔ پلاٹ، کردار، مکالمہ، کہانی، دیگر عناصر سے مل کر ایک اچھا ناولٹ تحریر میں لایا جا سکتا ہے۔ ناولٹ میں مصنف اپنا ذہنی شعور سامنے لاتے ہوئے مختلف طرزِ ادا اختیار کرتا ہے اس میں نہایت مختصر شعوری کاوش کے ذریعے اس کے پلاٹ اور کرداروں کو سامنے لایا جاتا ہے اور اپنے فن کا اظہار کرتے ہوئے اس صنف کو مکمل بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جس سے اس کی ذہنی گریں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ وہ اپنے الفاظ کو نئے معنی اور صورت دے کر اس صنف میں طبع آزمائی کرتا ہے۔

ایسا ہر گز نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ الفاظ کی کمی کی بدولت یا کم وقت صرف کرنے کی وجہ سے ادیب ناولٹ تحریر کرتا ہے یا کسی کہانی کو پھیلاؤ سے بچانے کے لیے یا اس میں اتار چڑھاؤ نہ لانے کی وجہ سے وہ ناولٹ کا سہارا لیتا ہے۔ بلکہ ادیب تو اپنی محنت اور کاوش سے چند الفاظ کو چُن کر ان کو نیا پیرائیہ بیان دے کر ان الفاظ میں جان ڈالتا ہے اپنے تخلیقی عمل کے ذریعے اور اسلوبِ بیان سے اچھا ادب تخلیق کرنے کی کاوش کرتا ہے۔

اس طرح پھیلاؤ کی بجائے اختصار سے کام لیا جاتا ہے اور اس میں الفاظ کو محدود کر کے لطف پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ ادیب کے ذہنی شعور پر ہی منحصر ہوتا ہے کہ وہ کس طرح پھیلاؤ کی بجائے محدود کینوس سے کام لے کر اپنے فن کی جہت کو سامنے لاتا ہے اور فن پارے کو کس صنف کا روپ دیتا ہے آیا پھیلاؤ کے ذریعے افسانہ بناتا ہے یا پھر کم پھیلاؤ سے ناولٹ کا انداز اختیار کرتا ہے۔

ناولٹ نگار بھی اپنے فن کے اظہار میں بڑی چابکدستی سے کام لیتا ہے اور اپنے شعور سے ناولٹ کے فنی محاسن کو قاری کے سامنے لاتا ہے۔ تاکہ پڑھنے والا لطف اندوز ہو سکے۔ اس میں نہایت کم الفاظ کے ہیر پھیر سے قاری کو اپنی تحریر کے جال میں مقید کرتا ہے اور قاری اس کی تحریر پڑھ کر اس کے ثمر میں کھو جاتا ہے۔ اس میں تمام خوبیاں شامل ہوتی ہیں جو کسی فن پارے کو اچھا بناتی ہیں۔

اس میں ادیب کا ذہنی شعور اور پسند دکھائی دیتی ہے کہ وہ کس طرح کا ادب پارہ تخلیق کرتا ہے۔ اور مختصر مکالموں اور اسلوبِ بیان کے ذریعے تحریر میں نئے رنگ بھرتا ہے اور ناولٹ میں پوری کہانی بن جاتی ہے۔ جس میں تجسس بھی ہوتا ہے اور لطف بھی یہ ادیب کا حسنِ بیان ہے جو کہانی کو جس موڑ پر چاہے لے جائے۔

ناولٹ کا جہاں ذکر آتا ہے وہاں ناول بھی ساتھ ہے کیونکہ اس سے کسی حد تک جڑا ہوا ہے۔ ناولٹ میں کہانی کردار، پلاٹ سب اجزاء کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ یہ ادیب کی مرضی ہے کہ وہ کس طرح الفاظ کو بیان کرے کہ وہ ایک مکمل کہانی بن جائے اور قاری اس مختصر کہانی کو پڑھ کر ہی لطف اندوز ہو جائے چاہے اس میں گہرائی، وسعت یا پھیلاؤ موجود نہ ہو۔

ڈاکٹر سلیم اختر ناولٹ اور ناول کی روایتی خصوصیات اس طرح گنواتے ہیں:

> ناول کی روایتی (بلکہ اب تو درسی قسم کی خصوصیات گنوائی جائیں تو پلاٹ، کردار، مکالمہ اور ماحول کی تصویر کشی جس میں فطری منظر نگاری سے لے کر سماجی حقیقت نگاری تک سبھی کچھ آجاتا ہے) نمایاں تر نظر آتی ہیں۔ ناول کی مانند ناولٹ میں بھی یہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن ان کے بغیر بھی ناولٹ لکھا جاسکتا ہے۔۔۔ ناولٹ لکھنے والے کا دائرہ کیونکہ نسبتاً محدود ہوتا ہے اس لیے ان عناصر میں سے تین کو ختم کرتے ہوئے کسی ایک کی امداد سے بھی کامیاب ناولٹ لکھا جاسکتا ہے۔ ۱۲

مگر ناولٹ نگار کو اتنی آزادی نہیں کہ وہ طویل مکالمے، تصویر کشی اور کرداروں کی نفسیاتی الجھنوں سے کام لے۔ ناول میں تو یہ موقع و محل پر پورے اتر سکتے ہیں۔ مگر ناولٹ نگار کو کفایت شعاری سے کام لینا ہوتا ہے وہ تفصیلات سے گریز کرتا ہے۔ تب ہی اچھا ناولٹ سامنے آتا ہے۔

کردار نگاری کے حوالے سے اگر مطالعہ کیا جائے تو کردار کسی بھی کہانی کی تشکیل میں اہم عنصر گردانے جاتے ہیں۔ کردار نگاری جس قدر اچھی ہو گی اس قدر تحریر میں جان پیدا ہو گی یہ مصنف کے شعور پر میسر ہے کہ وہ کس طرح کے کرداروں کو اپنی کہانی میں لاتا ہے اور کس طرح کی شخصیت سے وہ متعارف کراتا ہے۔ کردار نگاری کی طرح مکالمہ نگاری کو بھی ناولٹ کی صنف میں ایک اہم جز کی حیثیت حاصل ہے۔ مصنف کو کس طرح کے مکالمے بیان کرنے ہوتے ہیں اس کے لیے کیا چیز ضروری ہوتی ہے تو ڈاکٹر سلیم اختر کے قول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ:

> مکالموں میں بے جا طوالت سے بھی احتراز کرنا چاہیے کیونکہ ناولٹ کی ساخت طویل بوجھل اور اکتاہٹ پیدا کرنے والے مکالموں میں مجروع ہوتی ہے کم الفاظ میں زیادہ مفہوم پیدا کرنے کے لیے ایمائی انداز اپنایا جا سکتا ہے۔ ۱۳

ناولٹ میں واقعات کا خوبصورت بیان، مکالموں کو طوالت کی بجائے اختصار سے بیان کرنا اہم خوبی گردانی جاتی ہے۔ ناولٹ سے اس کی خوبی خود بخود نکھر کر سامنے آجاتی ہے جب کوئی قاری اُسے پسندیدگی بخشتا ہے۔ وہ اپنے ادبی شعور اور ادب سے دلچسپی رکھنے کے باوجود طویل ناول یا کہانی نہیں پڑھ سکتے تو اس لحاظ سے بہترین ناولٹ ان کے لیے اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔ وہ اپنے کام کے ساتھ ادب سے بھی جڑے ہوئے رہ سکتے ہیں وہ اپنے کم وقت کے باوجود چند لمحوں میں اس کو پڑھ کر لطف اندوز ہو سکتے ہیں اور یہ جذبہ جو ان کے اندر پروان چڑھ رہا ہوتا ہے وہ بھی پورا ہو سکتا ہے۔

ناولٹ نگار اپنے فن میں طویل اسلوب سے کام لینے کی بجائے اختصار سے کام لیتا ہے اس کے لیے اس کے شعور میں یہ بات آنا لازم ہے کہ وہ کس طرح کے الفاظ کا استعمال کر کے اپنے فن میں اختصار کے ساتھ کام

لے گا۔ وہ اس طرح کا اسلوب اپناتا ہے جس سے فن میں الجھاؤ پیدا نہ ہو اور بات بھی واضح ہو جائے اسی لیے تو اس کا فن ہی اُسے عام قاری کی سطح سے اٹھا کر بالا تر مقام عطا کرتا ہے وہ اپنے فن کے اظہار میں قاری کی عام سطح تک بھی پہنچتا ہے اور اپنا نقطہ نظر بھی سامنے لاتا ہے دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے وہ تخلیق کی منزل تک پہنچتا ہے۔

ناولٹ کی جہاں خصوصیات کی بات ہوتی ہے تو اس میں وحدت تاثر کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔

ناولٹ کا فن قصہ گوئی کا ایک فن ہے جس میں بیان کی لطافتوں سے تمام مسائل پر بحث کی جاتی ہے انسانی نفسیات کے حوالے سے جائزہ لیا جاتا ہے سماجی حالات اور معاشرتی ناانصافیوں کے حوالے سے اور نفسیاتی اور جمالیاتی اقدار کے آئینے میں اس پر بحث کی جاتی ہے۔

بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی:

> ناولٹ کی اپنی ایک منفرد تکنیک اور ہیت ہے۔ مخصوص سماجی حالات نے اس کو پیدا کیا ہے۔ نئے عمرانی، نفسیاتی اور جمالیاتی شعور نے اس کی تخلیق کی ہے اور اس طرح وہ زندگی اور فن کی بدلتی ہوئی اقدار کا آئینہ ہے۔
>
> ناولٹ بھی قصہ گوئی کے فن میں ایک جدت طرازی اور تجربہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے نئے پیدا ہونے والے نئے فن کارانہ شعور نے اس کی تخلیق کی ہے۔۔۔ اِس کی تکنیک اور ہیت بدلتے ہوئے احساسِ جمال کی تسکین کا باعث بنتی ہے۔ وہ قصہ گوئی کے فن کی ایک ارتقائی منزل ہے۔ اس لیے اس کی حیثیت مستقل ہے۔ ۱۴

قصہ گوئی کا فن مختلف ادوار میں مختلف اصناف کی صورت میں سامنے آیا۔ مزید ترقی ہوئی تو یہ ناولٹ نگاری کی شکل اختیار کر گیا۔ بدلتے ہوئے حالات اور وقت کی بدولت اس میں ترقی اور اضافہ ہوتا گیا۔ سماجی شعور اور حالات کا اس فن کے ذریعے جائزہ لیا جاتا ہے۔ شروع میں داستان کہی جاتی تھی جس میں زیادہ وقت

صرف ہوتا تھا پھر اس کی جگہ ناول نے لی۔ ناول میں بھی طوالت پائی جاتی تھی۔ اس طرح یہ سفر اپنی منازل طے کرتا چلا گیا اور پھر افسانے بھی لکھے گئے جن میں مختصر کہانی بیان ہوئی تھی۔ ہر دور میں ادب اپنے چاہنے والوں کے لیے وسائل فراہم کرتا رہا۔ انسانی زندگی جس قدر وسیع ہے اس میں افراد کا دلچسپی لینا ایک اہم عمل ہے۔ کیونکہ یہ انسانی زندگی کی ایک تصویر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اس میں زندگی کی وسعتیں اور سچائیاں موجود ہوتی ہیں۔ مگر ناولٹ میں وسعت کی بجائے اختصار کے ساتھ واقعات کو بر محل سمویا جاتا ہے۔

ناولٹ کے لیے بنیادی اصول وہی ہیں جو ناول کے ہیں اس میں بھی کہانی پلاٹ، کردار، واقعات شامل ہیں جن کے بغیر یہ نامکمل گردانا جاتا ہے۔ اس میں بھی موضوعات کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کا موضوع بھی انسانی زندگی ہی ہے۔ مگر اس صنف میں اجمال اور اختصار کے ساتھ واقعات کو سمویا جاتا ہے۔ کرداروں سے ملاقات بھی کرائی جاتی ہے۔ اِن کے مختلف مکالموں کو دکھایا جاتا ہے۔ مگر مختصراً اظہارِ بیان کا ساتھ لیا جاتا ہے۔ اس کا پلاٹ ہوتا ہے مگر پیچیدہ پلاٹ سے گریز کیا جاتا ہے۔ ناولٹ میں سادگی اور لطافت موجود ہوتی ہے۔ مناظر کی تصویر کشی بھی موجود ہوتی ہے۔ مناظر کو خوبصورتی سے دکھایا جاتا ہے۔ مگر ناول کی طرح اتنی ضروری نہیں ہوتی۔ طرز ادا اور بیان ناولٹ کے لیے لازمی گردانے جاتے ہیں۔ اظہارِ بیان پر قدرت ہونا لازمی ہے۔ تاکہ لطافت پیدا ہو سکے۔ اس میں پھیلاؤ کی بجائے مخصوص طرزِ اظہار پر زور دیا جاتا ہے۔ تاکہ بات میں پھیلاؤ شامل نہ ہو مگر کہانی بیان بھی ہو جائے مگر اس صنف میں پھیلاؤ کی کسی قدر گنجائش نہیں ورنہ پھر وہ ناول کی زد میں آجائے گا۔ ناول اور ناولٹ کسی حد تک مطابقت رکھتے ہیں مگر ان میں فرق تب آتا ہے جب وسعت اور پھیلاؤ کی بات آتی ہے جس سے اس میں طوالت کی بجائے اختصار کو سامنے لایا جاتا ہے۔ اس میں واقعات اور مناظر کو جس طرح پیش کیا جاتا ہے وہ قدرے مختلف ہیں۔ اس میں منظر نگاری اس طرح طویل انداز سے نہیں کی جاتی بلکہ پس منظر کے طور پر سامنے لائی جاتی ہے۔

ناولٹ کی جس طرح وضاحت کی جاتی ہے کہ یہ ناول اور افسانہ کے درمیان کی کڑی ہے اس پہلو سے دیکھا جائے تو اس میں واقعات کا مختصراً بیان ہی کیا جاتا ہے۔ اگر اس میں تفصیل آجائے گی تو پھر اس کی اپنی

اہمیت کم ہو جائے گی اور اس کا علیحدہ صنف میں شامل ہونا نہیں مانا جائے گا۔ وہ پھر ناول یا افسانے کے زمرے میں آئے گا۔ ناولٹ کی اپنی الگ پہچان اسی صورت میں واضح ہو سکتی ہے جب یہ اپنی مکمل خصوصیات کے ساتھ سامنے آئے گا۔ کوئی بھی کہانی اُس وقت تک مکمل اور جامع نہیں ہو سکتی جب تک اس میں وہ تمام خوبیاں اور خصوصیات شامل نہ ہوں جو ایک کہانی کو عروج عطا کرتی ہیں۔ ناولٹ کی بھی یہی خاص خوبیاں اسے مکمل اور جامع بناتی ہیں اس میں وضاحت ہوتی ہے مگر اختصار کے ساتھ اور اس میں جامعیت کا عنصر شامل ہوتا ہے جو اُسے وقت اور زمانے کے حالات کے مطابق ڈھالتے ہیں۔ یہ قاری کی دلچسپی کے عین مطابق ہوتا ہے تاکہ افراد کی ذہنی گہرائیوں کو سامنے لاتے ہوئے اُسے مکمل بنایا جاتا ہے۔ بعض نقادوں کے خیال میں ناولٹ اور ناول میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ ناول پوری زندگی پر لکھا جاتا ہے جب کہ ناولٹ ناول کے مقابلے میں بہت مختصر ہوتا ہے۔

محمد حمید شاہد نے ناولٹ کی تعریف ایک مختلف انداز میں کی ہے جس میں حسن عسکری کے ناول، ناولٹ اور افسانے کے حوالے سے بیان کو اس طرح سامنے لایا ہے:

> افسانہ تو زندگی کی ایک پھاٹک ہے، ناولٹ ایک آدمی کی زندگی، جب کہ ناول اسی فرد کی تہذیبی زندگی ہے۔ ۱۵

د) اردو ناولٹ نگاری کی روایت:

ناولٹ نگاری کا آغاز مغربی ادب سے شروع ہوا۔ اس کا آغاز نشاۃ الثانیہ سے میلان کے تحت سامنے آیا جس میں ناولٹ، ناویلہ اور ناویلے کی صورت میں سامنے آیا لیکن مغربی ادب میں ناولٹ کا نام تو پہلے سامنے آتا ہے مگر اسے مختصر ناول کی حدود میں ہی شمار کیا گیا۔ ناولٹ جدید دور کی پیداوار ہے اس حوالے سے ڈاکٹر وضاحت حسین رضوی رقم طراز ہیں:

> عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ناولٹ جدید دور کی پیداوار ہے اس کا مطلب یہ قطعی نہیں ہے کہ ناول سے قبل ناولٹ کا وجود ہوا بلکہ اس کے بعد اس حقیقت کا

انکشاف ہوتا ہے ناول سے پہلے ناولا، ناویلے کی ابتدائی نقوش دھندلے ہی سہی ظہور میں آچکے تھے۔۔۔ آج ناولٹ کے لیے جو فنی ہیتی لوازم اور اصول متعین کیے گئے ان سے منکر ہونا سراسر غلط ہو گا۔۱۶

چودھویں اور سولہویں صدی میں اٹلی میں ناویلا لکھے گئے۔ اس دور کا اہم ادیب لوکاشیو گردانا جاتا ہے۔ اس کی اصل شہرت Decamer کی بدولت سامنے آئی۔ اس کے بعد Ser Giovanni کا ذکر آتا ہے۔

اٹلی کے بعد فرانس میں بھی ناولٹ نگاری کی صنف نے فروغ حاصل کیا۔ جس میں Margrette No Valle کا نام ناولٹ نگاری "No vella" میں سامنے آیا۔ اطالوی ادب میں بھی ناولٹ نگاری کا چرچا ہوا۔ امریکی ادب میں بھی اور انگلینڈ میں بھی اور روس میں ادب میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی۔ ناولٹ نگاری نے بھی اپنا اثر قائم کیا۔ وہیں کے ادباء جہاں ناول نگاری میں مصروف تھے۔ وہیں اس صنف میں بھی اپنی فنی پختگی کا ظہار کیا جس میں وسیع کینوس کی بجائے مختصر انداز کو اپنایا اور زندگی کی حقیقتوں کو فنی نقطہء نظر سے ناولٹ میں قلم بند کیا۔ مغربی ادب میں جن جن فنکاروں نے اپنے کارنامے پیش کیے ان کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

اطالوی اور فرانسیسی ادب میں بھی ناولٹ کی داغ بیل پڑ چکی تھی یہ الگ بات ہے کہ اشاعت مختلف ناموں کے ساتھ ہوئی۔ کبھی اس صنف کو Novel کبھی Novelette کے نام سے موسوم کیا گیا انگریزی ادب پر اطالوی اثرات پڑنے کے باعث انگلینڈ کے فنکاروں نے بھی مختصر کینوس پر۔۔۔ مخصوص پہلوؤں کے ساتھ نمایاں کرنے کی بھرپور کوشش کی Thomas وغیرہ کی تخلیقات کو ناولٹ کے زمرے میں داخل کیا۔۔۔ Henry James نے اس صنف کو عام کرنے میں اہم رول ادا کیا۔۱۷

الغرض اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جدید دور میں قصہ کو جو روپ ملے ان میں ناولٹ نگاری کو بھی شہرت حاصل ہوئی۔ افسانے میں جو کمی باقی رہ جاتی ہے۔ اس کو پورا کرنے کے لیے یعنی قارئین کو نئے حوالے سے کہانیوں کی طرف متوجہ کروانے کے لیے ناولٹ نگاری کا سہارا لیا گیا۔ جس سے ایک نئی قسم کے پلاٹ سے کہانی کو پرویا گیا اور ناولٹ نگاری کا بھی باقاعدہ آغاز ہوا۔ ۱۸۵۷ء کا عہد اہم ترین تھا جس میں جنگ آزادی ایک قابل ذکر واقع ہے۔ اس جنگ سے سماجی اور سیاسی حالات میں جو تبدیلیاں ہوئیں انھیں زیادہ استحکام بیسویں صدی میں ملا۔ ان انتشار کو دیکھتے ہوئے ادباء نے ادبی تحریروں نئے روپ سے کہانیوں کو تخلیق کرنا شروع کیا۔ پہلے مافوق الفطرت عناصر کے تحت قصے لکھے گئے مگر جب سیاسی و سماجی حالات کو سامنے لایا گیا تو ادیبوں کی نظر میں نئے موضوعات سامنے آئے اور انھوں نے ادب کو زندگی سے قریب کر کے تخلیق کرنا شروع کیا۔ حقیقت نگاری کو موضوعِ بحث بنایا۔ چنانچہ یوں انیسویں صدی میں ناولٹ نگاری کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

ناول نگاری کے حوالے سے مولوی نذیر احمد اہم تخلیق کار کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ انیسویں صدی میں انھوں نے ناول "مراۃ العروس اور بنات النعش" لکھے تو انھیں شہرت حاصل ہوئی۔

جن افسانہ نگاروں نے دورِ اول میں ناولٹ نگاری کی راہ اپنائی ان میں عبدالحلیم شرر، ڈپٹی نذیر احمد، نیاز فتح پوری، سرشار، صدیق محی الدین کے نام لیے جاتے ہیں۔ بقول نقاد:

> ظ انصاری نے عبدالحلیم شرر کے ، بدرالنساء" کی مصیبت کو۔۔۔ حسین رضوی نے نیاز فتحپوری کے "شہاب کی سرگزشت" کو اولین ناولٹ گردانا۔۔۔ سرشار کے دوناولٹ "پی کہاں" اور رہشو کو اردو ناولٹ نگاری کے نقوش میں شمار کیا گیا۔۱۸

ان تمام افسانہ نگاروں اور ناول نگاروں نے ناولٹ نگاری کی صنف میں بھی خوبصورتی کے ساتھ اپنی تخلیقات میں پیش کیا اور مختصر کینوس اور کم کرداروں کے ساتھ کہانی کو مربوط بنایا۔

چونکہ ناولٹ نگاری کا آغاز انیسویں صدی کے آخر میں ہوا اس لیے فکشن نگاروں نے بیسویں صدی میں ناولٹ نگاری کو بھی اپنی فنی بصیرت کا حصہ بنایا اور اس صنف کو بھی عروج تک پہنچانے کی کوشش کیں۔

ان میں سجاد ظہیر، عزیز احمد، قراۃ العین حیدر، عصمت چغتائی، ڈاکٹر احسن فاروقی، قاضی عبد الستار، شوکت صدیقی، اے حمید، انور سجاد، حفیظ احسن، ستیہ پال آنند، اقبال متین، کرشن چندر، حیات اللہ انصاری، سعیدہ افضل، ہنس راج رہبر، شرون کمار ورما، امراؤ طارق، بلراج ورما، سعید شیخ، سائرہ ہاشمی، پروین سرور، فاطمہ ثریا، ڈاکٹر انور نسیم، ضمیر الدین احمد، نجم الحسن رضوی، قدرت اللہ شہاب، انتظار حسین اور غلام الثقلین نقوی شامل ہیں۔ جنھوں نے ناولٹ نگاری میں زندگی کے مسائل کو پرویا اور اس کے علاوہ حقیقت نگاری اور رومانیت کا اظہار اپنے ناولٹ میں کیا۔

اِن میں سے بعض لکھاریوں نے بیسویں صدی کے دورِ اول میں لکھنا شروع کیا اور انھوں نے ترقی حاصل کرلی اور بعض کا تعلق جدید نسل کے لکھاریوں سے ہے۔ جنھوں نے ابتدا میں آنے والوں سے اثرات قبول کیے اور ترقی پسند مصنفین کی صف میں شامل ہو کر اسی ادب کو اپنایا۔

ان ناولٹ نگاروں کا تفصیلاً جائزہ لیا جائے تو ان کے جو ناولٹ سامنے آئے ہیں وہ ذیل میں بیان کیے گئے ہیں۔

پریم چند اہم لکھنے والوں میں شمار ہوئے ہیں حقیقت پسندی کی بنیاد پریم چند کے ہاں سے بڑھی۔ پریم چند نے دیہات نگاری پر زور دیا اور متوسط طبقے کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا۔ پریم چند کے ناولٹ "روٹھی رانی" اور "بیوہ" اہم مقام کے حامل ہیں۔ جن میں روٹھی رانی تاریخی ناولٹ کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے۔ پروفیسر قمر رئیس پریم چند کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

> انھوں نے نہ صرف ماضی کو اس کے حسین و خوشگوار پہلوؤں کے ساتھ آدرش بنا کر رومانی انداز میں پیش کرنے کا کام کیا، بلکہ خود کو بدلتے ہوئے وقت کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کر کے اپنے لیے الگ راہ بنا لی، حقیقت نگاری کا رویہ اپنایا۔۔۔ حقیقت نگاری کی روایت پریم چند کے ہاتھوں پروان چڑھی۔۱۹

سہیل عظیم آبادی نے اپنی تخلیقات میں گاؤں کی زندگی کو بیان کیا ہے۔ ان کی تحریروں میں طبقاتی کشمکش کا اظہار ملتا ہے۔ انہوں نے اپنی کہانیوں میں پریم چند سے اثرات قبول کیے ہیں۔ ان کا ناولٹ "بے جڑ کے پودے" شائع ہوا۔

حیات اللہ انصاری بیسویں صدی کے نمایاں تخلیق کاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنی ذہنی کاوش کو ناولٹ نگاری میں بھی شامل کیا۔ اِن کا ناولٹ "پرانے کوہِ صحرا" شائع ہوا۔ جس میں رومانی موضوع کے تحت کہانی کی بُنت کاری کی گئی ہے۔ حیات اللہ انصاری ترقی پسند ادب کے حامل ادیب گردانے جاتے ہیں۔ وہ ترقی پسند ادب سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ انسانیت کے مسائل کو دیکھتے، پرکھتے اور بیان کرتے ہیں۔

عزیز احمد کا نام جہاں دوسری اصناف میں سامنے آتا ہے وہاں ناولٹ نگاری میں بھی ان کا نیا انداز دکھائی دیتا ہے۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں عزیز احمد کا ناولٹ "مرمر اور خون" منظر عام پر آیا۔ عزیز احمد نے جزو کو ہی پہلو بنا کر کل کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔ بقول ممتاز احمد خان:

> تہذیب کی شکستگی اور زوال ہمارے ناول نگاروں کا محبوب موضوع رہا ہے۔ اس لیے عزیز احمد کا نام نمایاں ہے۔ ۲۰

کرشن چندر کا مقام اور مرتبہ ادبی افق میں نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ انھوں نے دیہاتی رنگ کو اپنایا اور زیادہ سے زیادہ گاؤں کے مناظر کی تصویر کشی کی۔ ان کے ناولٹ انسانی کردار کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کا ناولٹ "دس روپے کا نوٹ" ان کی ناولٹ نگاری کی فکر کو سامنے لانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ جس میں معاشرتی مسائل کو قلم بند کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ رشوت خوری، جعل سازی اور معاشرتی برائیوں کو بھی سامنے لایا گیا ہے۔

ہنس راج رہبر کا ناولٹ "ایتا" کے نام سے شائع ہوا۔ انھوں نے حقیقت اور رومان کے امتزاج سے کہانیوں میں گھلاوٹ پیدا کی اور معاشی حالات کو بھی بیان کیا ہے۔

احسن فاروقی بھی بیسویں صدی کے ادباء میں شمار ہوتے ہیں انھوں نے جہاں دوسری اصناف میں طبع آزمائی کی وہاں ناولٹ کی صنف میں بھی اپنا ادبی مقام بنایا ہے۔ انھوں نے زندگی کے حقائق کو انتہائی قریب سے دیکھا ان کے انداز فکر میں فلسفیانہ نقطہء نظر دکھائی دیتا ہے۔ ان کا ناولٹ "جہنم" ان کی اس صنف میں کارفرمائی کی عمدہ مثال ہے۔ ان کا دوسرا ناولٹ "کالی دیکھی اور لوٹ گئے "اور تیسرا ناولٹ "سرآب" شائع ہوئے۔

عصمت چغتائی اپنی بصیرت کے اعتبار سے صداقت شعار ہیں۔ انھوں نے زندگی کی حقیقتوں اور اپنے سماج کے ماحول سے دیکھا ہے۔ ان کا ناولٹ "سوری ممی" شائع ہوا۔ جس میں جنسی نفسیات کا ذکر ملتا ہے۔ عصمت نے جس طرح کے ماحول اور حالات کو دیکھا جس میں پرورش پائی انھیں وہ اچھی طرح سمجھتی ہیں اور انھوں نے اپنی دیگر تخلیقات میں بھی حقیقت پر مبنی معاشرتی سچائیوں کو پیش کیا ہے۔ صرف افسانوی ادب میں ہی نہیں بلکہ ناولٹ نگاری میں بھی اپنی فنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ ایک اور ناولٹ "ضدی" کے عنوان سے شائع ہوا۔ ان کا ناولٹ حقائق پر مبنی ہے۔ معاشرتی برائیوں کو لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ ظلم، زیادتی اور جبر سے متعلق ہے۔

راجندر سنگھ بیدی کا نام بھی اردو ناولٹ نگاروں کی صنف میں شامل ہوتا ہے۔ ان کا ناولٹ "ایک چادر میلی سی" کے روپ میں سامنے آیا جس میں حقائق پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ اس ناولٹ میں معاشرتی نا انصافیوں اور معاشرتی برائیوں کو زیر بحث لایا گیا۔ ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی اپنی کتاب میں راجندر سنگھ بیدی کے ناولٹ کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> راجندر سنگھ بیدی کا یہ پہلا ناولٹ پنجاب کے مخصوص معاشرے کے ساتھ ساتھ سکھ گھرانے کے افراد کی معاشی اور معاشرتی زندگی، ان کی سوچ کے محور ان کے رسم و رواج اور ذہنی نفسیات کا گہرا جائزہ ہے۔ ۲۱

شوکت صدیقی کا نام بھی ناولٹ نگاری کی روایت کو آگے بڑھانے میں آتا ہے۔ انھوں نے غربت اور استحصال کے خلاف بات کی ۔ ان کا ناولٹ "وہ اور اس کا سایہ" کے عنوان کے شائع ہوا۔ شوکت صدیقی بیسویں صدی کے تخلیق کاروں میں شامل ہوتے ہیں انھوں نے ترقی پسند تحریک میں نمایاں خدمات حاصل کیں۔ اس ناولٹ میں سماج کو زیر بحث لایا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ جرائم اور معاشرتی برائیوں کو زیر بحث لایا گیا ہے:

> وہ اور اس کا سایہ" لکھنوی سماج سے تعلق رکھتا ہے جس میں جرائم کی دنیا اور استحصالی نظام پر شدید وار کیا گیا ہے۔ استحصال اور بے انصافی معاشرہ کے لیے تباہ کن اثرات رکھتے ہیں اس سے معاشرہ ناہمواری کا شکار ہوتا ہے۔ ۲۲

غلام الثقلین نقوی تک جو ادبی روایت پہنچی اس میں ناول، افسانہ، ڈراما، سفر نامہ، مضامین اور ناولٹ سبھی کچھ شامل تھا۔ غلام الثقلین نقوی نے بھی ہر صنف میں طبع آزمائی کی اپنا منفرد طرزِ اظہار اپنایا۔ اپنے معاصرین میں افسانہ نگاری کی بدولت اپنا مقام حاصل کیا۔ دیہاتی پس منظر اور گاؤں کے مناظر کی عکاسی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ ترقی پسند تحریک کے افسانہ نگاروں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کے ناولٹ کا مجموعہ "تین ناولٹ" کے عنوان سے سامنے آئے۔

اشفاق احمد کا مقام ناولٹ نگاری کی صنف میں بھی سامنے آیا ہے۔ انھوں نے دیگر اصنافِ نثر میں بھی طبع آزمائی کی۔ ان کا ناولٹ "مہمان بہار" کے عنوان سے سامنے آیا اس میں انھوں نے مختصر کہانی ترتیب دی ہے جس میں ناولٹ کی طرز پر کہانی کو مربوط انداز میں تخلیق کیا گیا۔ ان کی کہانیوں میں رومانی طرز فکر اور حقیقی انداز یعنی حقیقت نگاری بخوبی ملتی ہے۔

انتظار حسین بھی بیسویں صدی کے جدید ناولٹ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی تخلیقات میں پرانے ملفوظات، پرانے قصے، پرانی روایات کا اظہار ملتا ہے۔ ان کا ناولٹ "بستی" کے عنوان سے شائع ہوا۔ انتظار حسین قیام پاکستان کے بعد لکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں ہجرت کا دکھ، یاس اور مسائل کی

پیش کش دکھائی دیتی ہے ان کا تعلق ماضی سے جڑا ہوا ہے۔ داستانوی اور مافوق الفطری عناصر سے اپنی کہانیوں کا تار میل جوڑتے ہیں۔ تہذیب اور ثقافت کے حوالے سے انسانی عمل کو بیان کیا ہے۔ بقول ڈاکٹر فاروق عثمان:

> انتظار حسین نے ۔۔۔ جس چیز کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا وہ انسان کا تہذیبی اور ثقافتی گرد و پیش ہے۔ گویا انھوں نے انسانی اعمال اور شخصیت کی تشکیل میں تہذیبی ماحول، عقائد اور تصورات کو ایک زیادہ توانا عنصر کی شکل میں دیکھا۔ ۲۳

انتظار حسین کے ساتھ ہی جوگندر پال کو بھی جدید ناول نگاروں کی صنف میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ انھوں نے ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۴۔۱۹۴۵ء سے کیا۔ انھوں نے زندگی میں ناول، افسانچہ، ناولٹ، آپ بیتی، سفر نامہ، مکالمہ پر مبنی کتب پر اپنی تخلیقی بصیرت کو ظاہر کیا۔ اپنی کہانیوں کے موضوعات میں معاشرتی ناانصافیوں اور سیاسی مسائل کو سامنے رکھا۔ عام انسانیت کے دکھ، درد کو بیان کیا۔

قراۃ العین حیدر کا نام اس عہد کی اہم لکھاریوں میں ہوتا ہے۔ نامور ناول نگار کے طور پر سامنے آئی ہیں۔ ان کے ہاں بھی ناولٹ کی صنف کو اپنانے کا شعور ملتا ہے۔ ان کی کہانیوں میں حقیقت پر زور دیا گیا ہے۔ ان کا ناولٹ، "دلربا" کے عنوان سے شائع ہوا۔ ان کی تحریروں میں زندگی کی رنگینی ملتی ہے اور ماحول کی عکاسی منفرد اسلوب میں ملتی ہے۔ اس خوبصورتی سے الفاظ کا استعمال کرتی ہیں کہ ان میں اور نکھار اور گہرا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ ان کے ہاں رومانیت کا عنصر بھی شامل ہے۔

ان کے ناولٹ دلربا میں سماج کو المیہ بنایا گیا جس میں معاشرتی برائیوں اور شکست کو زیر بحث لایا گیا۔ حقیقت پر مبنی تکنیکی انداز اپنایا گیا۔ قرۃ العین حیدر کے بارے میں ڈاکٹر محمد یسین لکھتے ہیں:

> ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی آزادی کے بعد قراۃ العین حیدر کو جو زمانہ ملا وہ سیاسی، ثقافتی اور معاشرتی اعتبار سے ہنگامہ خیز تھا۔ پاکستان کے مہاجرین کے ساتھ ناروا سلوک کے پس منظر میں قراۃ لعین حیدر نے اپنا تخلیقی سفر شروع کیا۔ ۲۴

ضمیر الدین احمد کے ہاں جس طرح کے موضوعات ملتے ہیں ان میں بھی سماجی اور معاشرتی مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ ان کا ناولٹ "پہنچ کے منزلِ جاناں پہ آنکھ بھر آئی" شائع ہوا جس میں ان کا فنی شعور ابھرتا ہے۔ کہانی میں کچھ اس طرح کا انداز اپنایا گیا ہے کہ جس کا موضوع اور کہانی اسی محور کے گرد گھومتی ہے۔

ناولٹ نگاروں کی فہرست میں بانو قدسیہ بھی انفرادیت کی حامل ہیں۔ ان کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواتین لکھاریوں نے جس طرح خود کو منوایا اس طرح انھوں نے بھی اپنے ادبی ذوق کی تربیت کی اور پیچھے نہیں ہٹیں۔ بانو قدسیہ کا ناولٹ "پروا" ہے جس میں ایسی کہانی تحریر ہوئی ہے۔ اس میں انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے معاملات اور انسانوں کی فریب کاری کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ جو کہ ناولٹ کے کینوس پر پورا اترتی ہے۔

جہاں پر جمیلہ ہاشمی کی باقی تخلیقات کا تذکرہ ملتا ہے وہاں پر ان کی ذہنی کار فرمائی ناولٹ میں دکھائی دیتی ہے۔ ان کا ناولٹ "روہی" ادبی افق پر ناولٹ نگاری کی روایت میں شامل ہوا۔ ان کی کہانیوں میں سکھ معاشرت کا نقشہ کھینچا گیا۔ ان کے ہاں ماضی پرستی، منظر نگاری بخوبی ملتی ہے ان کا اندازِ بیان فطری حسن اور رومان پر مبنی ہے۔ حقائق کو نمایاں کرتی ہیں۔

قاضی عبدالستار کا شمار بھی اہم ترین ناولٹ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کا ناولٹ "دارشکوہ" انھیں ناولٹ نگاروں کی صف میں شمار کرتا ہے۔ اِن کے ناولٹ میں ماضی پرستی کو جدید خطوط پر استوار کیا گیا ہے۔

بیسویں صدی میں ناولٹ نگاری کی روایت کو آگے بڑھانے میں کافی حد تک اردو ادباء نے کوششیں کیں جن میں حفیظ احسن کا شمار بھی ہوتا ہے انھوں نے ناولٹ نگاری کی صنف کو اپنا کر قارئین کی توجہ حاصل کی۔ حفیظ احسن بھی ترقی پسند فکر کے حامل ادیب ہیں۔ ان کے ہاں پرانی اور فرسودہ رسومات اور روایات کے خلاف بحث ملتی ہے۔ ان کا ناولٹ "پورٹریٹ کی تکمیل" شائع ہوا جس میں ناولٹ کی ہی مختصر کہانی کو سمویا گیا ہے۔ پرانی روایات کو چھوڑ کر نئے مسائل کے حوالے سے اپنے جذبات کو سانچے میں ڈھالا۔

عوض سعید کا ناولٹ "بھیڑ بھیڑ آگ" شائع ہوا جس میں عورت کے حوالہ سے کہانی بیان کی گئی ہے ان کے اسلوب میں سادگی پائی جاتی ہے اور ان کے موضوعات کا چناؤ معاشرتی ناانصافیوں سے ہی ہوتا ہے اور حقیقت پسندی کی عمدہ مثالیں ان کی کہانیوں میں ملتی ہیں۔

جیلانی بانو ناولٹ کے نام "جگنو اور ستارے" ۱۹۵۸ء اور نغمے کا سفر ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئے۔ ان کی کہانیوں کے موضوعات میں سیاسی و سماجی ماحول اور حیدر آباد کی تہذیب دکھائی دیتی ہے۔ حقیقی شعور ان کے فن کا خاصا ہے۔

اُم عمارہ اردو ناولٹ نگاری کی صنف میں دور جدید کی مصفنہ ہیں یہ حساس لکھاریوں میں شامل ہوتی ہیں۔ معاشرے میں امتیازی مسائل پر ان کی گہری نظر ہے۔ انھوں نے ان مسائل کو دل سے محسوس کیا اور انھیں تحریر کے قالب میں ڈھال کر اپنی کہانیوں میں ترتیب دیا۔ ان کی کہانیوں کے اسلوب میں ان سے اول درجے کے جو ادباء ہیں۔ ان کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ ان سے گہرے اثرات قبول کرتی ہیں۔

الغرض ناولٹ نگاری کی روایت کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جتنے بھی ناولٹ نگار انیسویں صدی کے آخر میں یا بیسویں صدی میں ہمارے سامنے آئے ان کے ہاں جن موضوعات پر زور دیا گیا ان میں رومانوی موضوع، ترقی پسند نظریات اور دیہی معاشرت کی عکاسی ملتی ہے۔ حقیقت نگاری پر زور دیا گیا۔ بیسویں صدی کے دور اول کے اہم تخلیق کاروں میں کرشن چندر، احمد ندیم قاسمی حیات اللہ انصاری، عصمت چغتائی کے نام سامنے لائے جاتے ہیں۔ جنھوں نے ترقی پسند نظریات کو اپنایا ان کی تخلیقات میں ترقی پسند تحریک کی روایت سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

ان اہم تخلیق کاروں سے گزر کر جب ناولٹ نگاری کی روایت غلام الثقلین نقوی تک پہنچتی ہے تو ان کے ہاں ہمیں جن موضوعات پر بحث ملتی ہے ان میں دیہی معاشرت کی عکاسی اہمیت کی حامل ہے۔ ان کے جذبات و احساسات عام انسانیت کے لیے ابھرتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی کا اسلوب تمام معاصرین سے منفرد ہے۔ ان کا لب و لہجہ اور ان کے موضوعات انھیں دوسروں سے الگ کرتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی کا رومانوی

انداز اور ترقی پسند تحریک سے وابستگی انھیں اپنے دور کے اہم افسانہ نگاروں میں شمار کرتا ہے۔ کرداروں کے ساتھ انھی کا روپ اپنا لیتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہنستے مسکراتے ہیں جس سے قاری ان کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی جدت طرازی اور علامتی پیرائیہ اظہار اختیار کرنے کی بجائے وطن پرستی اور وطن کی مٹی سے محبت کی داستانیں بیان کرتے ہیں۔ جو حقیقت دیکھتے ہیں وہی بیان کرنے کا جذبہ بھی رکھتے ہیں اور حقائق کو بیان کرنے میں کسی قسم کے اندیشے کا شکار نہیں ہوئے۔ الفاظ کا عمدہ استعمال تخلیق کی خوبی کو بڑھا دیتا ہے۔

یہ تخلیق کاروں کی ہی خوبی ہے کہ وہ ایسے اسلوب اور موضوعات کو سامنے لاتے ہیں اور ایسی کہانیوں کا چناؤ کرتے ہیں کہ قاری اسی میں محو ہو جاتا ہے۔ ہر کہانی دوسری سے ممتاز اور منفرد دکھائی دیتی ہے۔ یہی فن کسی بھی ادیب کو دوسرے ادیبوں سے ممتاز کرتا ہے۔

پریم چند اپنے عہد کے مانے ہوئے ادیب ہیں جنھوں نے دیہی معاشرت کی عکاسی کی اور ترقی پسند تحریک سے ناطہ جوڑا جن سے دوسرے ادباء نے اثرات قبول کیے اور فنی پختگی حاصل کی دیہات نگاری کی روایت آگے چل کر دوسرے ادیبوں تک بھی پہنچی۔

غلام الثقلین نقوی نے بھی زیادہ تر وطن پرستی اور دیہات نگاری پر ہی زور دیا۔ اپنے فن میں دیگر اصناف کو شامل کرنے کے ساتھ ناولٹ نگاری میں بھی اظہار خیال کیا۔

ناولٹ نگاری کی روایت کو جس طرح بیسویں صدی میں زیادہ ترقی ملی۔ اس دور کے ادیبوں نے دیگر ادبی روایات کے ساتھ اس صنف میں بھی اپنے خیالات کا اظہارر کیا۔ اس سے ناولٹ نگاری کی صنف متاثر ہوئی اور اسے الگ پہچان ملی۔ عمدہ موضوعات کا چناؤ حقیقت نگاری، رومان پرستی اور معاشی و معاشرتی حالات کو پیش نظر رکھا۔ کم کرداروں اور چھوٹے کینوس سے مربوط پلاٹ بنایا جس سے ناولٹ کو افسانے اور ناول کے مقابلے میں الگ روپ ملا۔ ناولٹ نگاری کا ایک فائدہ قارئین کو یہ ہوا کہ جو لوگ وقت کی کمی کی وجہ سے ادب

سے دور ہو رہے تھے۔ وہ لوگ کم وقت میں مختصر قصے سے لطف اٹھا سکتے ہیں اور ادب میں دلچسپی رکھنے والے ادب سے بغیر کوئی فاصلہ رکھے۔ فیض یاب ہو سکتے ہیں۔

الغرض اردو ادب میں ناولٹ نگاری کی روایت بیسویں صدی میں بھی اپنے جوہر دکھاتی رہی اور اس میں نئے آنے والے ادیبوں نے بھی اظہار خیال کی لطافتوں سے ناولٹ کو سیر اب کیا۔ جس میں ادب میں نئی روایت کا اضافہ ہوا ادب میں وسعت ہوئی۔

ہ) غلام الثقلین نقوی کے عہد کا تعین:

غلام الثقلین نقوی ترقی پسند ادب سے تعلق رکھنے والے ادیب ہیں۔ ان کا شمار تقسیم کے بعد کے لکھاریوں میں کیا جاتا ہے۔ اس عہد کے لکھنے والوں میں زیادہ تر ہجرت کے مسائل اور معاشی مسائل کو واضح کرنے کے موضوعات ملتے ہیں۔ دیہات نگاری بھی بعض کے ہاں دکھائی دیتی ہے۔ اس عہد کے ادباء میں بھی نثر کی مختلف اصناف کو اپنانے کی لگن دکھائی دیتی ہے۔ زیادہ تر نے ناول، ناولٹ، افسانے، افسانچہ، مضامین، سفر نامہ اور ریپو تاژ لکھیں۔

ان ادیبوں میں ترقی پسندی سے تعلق اور اس سے متاثر ہونے کا جذبہ موجود ہے۔ ترقی پسند ادیبوں کے ہاں حقیقت نگاری بھی دکھائی دیتی ہے۔ جس میں سماجی اور معاشی حقیقت نگاری کا شعور ابھرتا ہے۔ پاکستان کے نئے افسانہ نگار جنھوں نے ترقی پسندی سے فائدہ اٹھایا اور اس پر اپنی کہانیوں کو بیان کرنے کی سعی کی ان کے ہاں جس طرح کے موضوعات کا بیان ملتا ہے اس حوالے سے نقادوں نے یوں بیان کیا ہے کہ استحصالی نظام اور جاگیر دارانہ نظام کے خلاف قلم اٹھایا گیا:

> پاکستان کے زیادہ تر نئے ترقی پسند افسانہ نگاروں سے ترقی پسند افسانے کی بنیاد روایات مثلاً انسان دوستی، طبقاتی استحصال اور سماجی ناانصافیوں کے خلاف احتجاج، عقلیت پسندی، خرد افروزی، جمہوریت پسندی اور روشن خیالی وغیرہ کو اختیار کرتے ہوئے

وضاحتی طرز کے ساتھ ساتھ علامتی اور استعاراتی اسلوب کو بھی ذریعہ اظہار بنالیا ہے
اور یہ پاکستان کے معروضی حالات کا تقاضا بھی ہے۔ ۲۵

آزادی کے بعد ادیبوں کی تحریروں میں جس بات پر زور دیا گیا اور ادیبوں کی تخلیقات پر ان فسادات کے اثرات نے جو نقش چھوڑے ان کو بخوبی قمر رئیس نے بیان کیا ہے:

آزادی کے بعد برصغیر میں سیاست، معیشت، معاشرت اور تہذیب کے ہر شعبے میں
جو دوررس تبدیلیاں آئیں فسادات اور ہجرت کے مصائب اور مسائل نے جو ہیجانی
صورت حال پیدا کی اس نے مدت تک ادیبوں کو ذہنی اور تخلیقی تعطل کا شکار بنائے
رکھا۔ ۲۷

غلام الثقلین نقوی کے عہد کے ادیبوں کا ذکر کرنے سے پہلے ہم غلام الثقلین کے بارے میں دیکھیں تو غلام الثقلین نقوی نے اپنے عہد کی مختلف روایات سے فائدہ اٹھایا اور ترقی پسند ادب سے فیض اٹھایا ان کے افسانوں میں بھی متوسط طبقے اور دیہات میں زیادہ تر زندگی گزارنے کے باعث دیہات کی عکاسی ملتی ہے۔ ان کا شمار منفرد افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے فن کی نئی راہیں استوار کیں اور اپنا منفرد اسلوبِ بیان اختیار کیا۔

غلام الثقلین نقوی کا ناول اس سلسلے کی عمدہ مثال ہے۔ "میرا گاؤں" جس میں گاؤں کے خوبصورت مناظر کی تصویر کشی ملتی ہے۔ اپنا تخلیقی شعور افسانوں میں دکھایا اور افسانوں میں بھی دیہات کے رنگ دکھائے ہیں۔ جس طرح پریم چند، احمد ندیم قاسمی اور سدرشن کی تحریروں میں دیہات کی عکاسی ملتی ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے چونکہ ادب کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی جس میں ناول، ناولٹ، افسانہ، مضامین، سفر نامہ شامل ہے لیکن ان کی وجہ شہرت افسانے کو قرار دیا گیا۔ ترقی پسندی میں ان کے ہاں حقیقت پسندی کے حوالے سے تحریریں ملتی ہیں۔ ڈاکٹر اے۔ بی اشرف غلام الثقلین نقوی کی تخلیقات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان کے ہاں ادبی مسرت کا سامان بھی ہے۔ روح کی غذا بھی، درد مندی، اور اخلاص
کی دولت بھی۔۔۔اور زندگی کے حقائق کی تصویر بھی پیش کرتے ہیں۔۲۸

غلام الثقلین نقوی کے عہد کے ادیبوں میں جن کا شمار ہوتا ہے ان میں کچھ ترقی پسند ادب سے متاثر دکھائی دیتے ہیں اور بعض کے ہاں منفرد اسلوب دکھائی دیتا ہے۔ اس دور کے ادیبوں میں اشفاق احمد، انتظار حسین، قراۃ العین حیدر، ابراہیم جلیس، بلراج منیرا، جمیلہ ہاشمی، بلونت سنگھ، جیلانی بانو، انور عظیم، اے حمید، جوگندر پال، رضیہ فصیح احمد، عابد سہیل، الطاف فاطمہ، شوکت صدیقی، حفیظ احسن، سریندر پرکاش وغیرہ کے نام بھی شامل ہیں جن کا ذکر ذیل میں درج کیا گیا ہے۔ نئی ادبی نسل سے تعلق رکھنے والوں میں ان کا شمار کیا جاتا ہے۔

بلونت سنگھ کے ہاں پریم چند کے اسلوب کی عکاسی ملتی ہے۔ بلونت سنگھ نے دیہی معاشرت کی عکاسی کی ہے۔ دیہی معاشرت میں پنجاب کے دیہات کو موضوع بحث بنایا ہے۔ جذبات نگاری اور جزئیات نگاری کو جس خوبی سے بیان کیا ہے۔

شوکت صدیقی کے ہاں ہمیں متوسط طبقے کی کہانیاں ملتی ہیں۔ معاشرتی مسائل، نفسیاتی الجھنوں کو بڑی عمیق نگاہی سے دیکھا اور پرکھا اور انھیں اپنی کہانیوں میں متعارف کرایا۔ شوکت کے دو ناول خاص اہمیت کے حامل ہیں جو کہ "خدا کی بستی" اور "جانگلوس" ہیں۔ ان میں دیہی معاشرت کی عکاسی ملتی ہے اور انسانیت کے حقوق کی بربادی ہوتی رہی اُسے بیان کیا گیا۔

جوگندر پال نے ادبی سفر کا آغاز ۱۹۴۴۔۱۹۴۵ء سے کیا۔ انھوں نے ناول، افسانہ، افسانچہ اور ناولٹ سبھی میں اپنی کارفرمائی دکھائی۔ ہر فن میں اپنے اسلوب سے حسن پیدا کیا۔ روایت کو قائم رکھنے کے باوجود ان کے ہاں اپنا منفرد طرزِ بیان نظر آتا ہے سماجی، معاشرتی اور معاشی مسائل کا تذکرہ کرتے ہیں۔ پروفیسر رئیس کے الفاظ میں ان کی تخلیقات میں جن موضوعات کا بیان ملتا ہے۔ ان میں درد مندی اور انسانیت کے دکھ درد کو بیان کیا گیا ہے۔

ان کی تخلیقات میں "دھرتی کا کام" ۱۹۶۱ء، "مٹی کا ادراک" ۱۹۷۰ء، آمد و رفت ناولٹ شامل ہیں۔ جن سے ان کے فن کا بخوبی ادارک کیا جا سکتا ہے۔

رضیہ فصیح احمد کا شمار حقیقت پسند لکھاریوں میں کیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کے ہاں بھی حقیقت کا واضح امتزاج ملتا ہے۔ اسلامی فکر کی عکاسی ملتی ہے اور معاشرتی ناانصافیوں کے بارے میں ان کی کہانیوں کے موضوعات بنے جاتے ہیں۔ ان کے حوالے سے جو آراء پیش کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے:

> آبلہ پا میں جہاں رضیہ فصیح احمد نے معاشرتی کشمکش کو موضوع بنایا ہے وہاں انھوں نے اسلام کے بارے میں بھی چھوٹے چھوٹے مسائل پر بحث کی ہے کیونکہ فسادات کے باعث جب مختلف علاقوں کے لوگ جمع ہونے لگے تو ان کے درمیان مختلف عقیدوں پر بھی باتیں ہونے لگیں۔۲۸

اشفاق احمد نے بھی ناول، ناولٹ اور افسانہ نگاری کی طرف قدم بڑھایا ان کے ہاں شامل موضوعات میں حقیقت پسندی اور جذبات نگاری دکھائی دیتی ہے۔ انسان کی داخلی کیفیات کا اظہار ملتا ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے مسائل کو بڑی چابکدستی سے بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ خوبصورت مناظر کی تصویر کشی جو قاری پر ایسے اثرات چھوڑتی ہے کہ قاری اسی دنیا میں کھو جاتا ہے۔ قدرتی مناظر کی عکاسی کرتے ہیں تو پنجاب کے دیہات کی تصویر کشی کو ابھارتے ہیں۔ معاشرے کے دکھی افراد اور ان کی داخلی کیفیات کو واہ کرتے ہیں۔ رومانوی طرزِ فکر ان کی تحریروں کا خاصا ہے۔

ابراہیم جلیس ایک ترقی پسند ادیب تھے۔ ان کے ہاں رپورتاژ ملتی ہیں اور افسانے بھی ملتے ہیں۔ ان کی کہانیوں کے موضوعات میں معاشی بدحالی اور معاشرتی مسائل کو قلم بند کیا گیا ہے۔

> پاکستان کے مہاجرین کے ساتھ ناروا سلوک کے پسِ منظر میں قراۃ العین حیدر نے اپنا تخلیقی سفر شروع کیا۔۔۔ قراۃ العین حیدر کے دو ابتدائی ناول "میرے بھی صنم خانے" اور "سفینہ غمِ دل" تقسیم ہند کے چند سالوں کے اندر منظر عام پر آئے۔ ان

دونوں ناولوں میں اودھ کے ایک مخصوص طبقہ یعنی جاگیر داروں اور تعلقہ داروں
کی خانگی، خاندانی، معاشرتی اور ثقافتی زندگی کا احاطہ کیا گیا ہے۔

خدیجہ مستور ناول نگاروں کی فہرست میں شامل ہوتی ہیں۔ ان کی کہانیوں کا موضوع عورت ہے۔ عورتوں کے مسائل کو موضوع بحث بناتی ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد ہونے والے مسائل کا تذکرہ کرتی ہیں۔ حقیقت پر مبنی انسانیت کے مسائل کو چانتی ہیں اور بیان کرنے کا سلیقہ رکھتی ہیں۔ خدیجہ مستور کا ناول "زمین" ہمارے سامنے آتا ہے جس میں تقسیم کے بعد کے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔

الطاف فاطمہ اس جدید نسل کی جنھوں نے قیام پاکستان کے بعد کے مسائل کو موضوع بنایا اہم مقام رکھتی ہیں اور ناول ہو یا افسانہ دونوں میں طبع آزمائی کی۔ ان کے ہاں بھی عورت کو مرکزی حیثیت بنایا گیا۔ ان کے ہاں حقیقت نگاری کے جذبات ابھرتے ہیں۔ کہانیوں میں تقسیم ہندو پاک کے متعلق واقعات کو زیر بحث لاتی ہیں۔ ہندوستان کے مسائل، مسلمانوں پر کیے جانے والے مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔ ڈاکٹر ملک حسن اختر لکھتے ہیں:

تقسیم مُلک کو باقاعدہ موضوع "چلتا مسافر" میں بنایا گیا ہے۔ اس ناول میں مصنفہ نے
ان مظالم کو موثر انداز میں بیان کیا ہے جو ہندوؤں نے مسلمانوں پر ڈھائے۔ ۲۹

اے حمید کے ہاں فطرت نگاری کے جذبات، رومان سے لبریز ہیں۔ زندگی کا حسین تصور، اے حمید کی کہانیوں میں دلکش اسلوب، فطرت کی رنگینی ، محبت، عورت اور رومان کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ ان کے افسانوں کے موضوعات میں داخلی اور خارجی کیفیات ملتی ہیں۔ ان کی تحریروں کے مجموعات میں خزاں، گیت، منزل منزل نیا ادارہ، کچھ یادیں کچھ آنسو وغیرہ شامل ہیں۔

عابد سہیل کا تعلق ترقی پسند تحریک سے ہے۔ ان کی کہانیوں کے مجموعات "سب سے چھوٹا غم "۱۹۷۵ء اور دوسرا" جینے والا" ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئے۔ زندگی کو انتہائی قریب سے دیکھا اور اسے اپنی کہانیوں میں سمویا۔ انھوں نے اپنے عہد کے بڑے افسانہ نگاروں بیدی، کرشن، چندر اور عصمت چغتائی کے اثرات کو قبول کرنے کی بجائے اپنا علیحدہ مقام سامنے لایا۔

بلراج منیرا اردو کے نمائندہ ادیب گردانے جاتے ہیں۔ ان کی کہانیوں میں بھی حقیقت پر مبنی موضوعات ملتے ہیں۔ علامت نگاری اور فکر کی گہرائی ملتی ہے۔

جیلانی بانو کا شمار معروف لکھاریوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے بہت سی تخلیقات کیں جن میں ناول، افسانہ، ناولٹ وغیرہ شامل ہے۔ انھوں نے جس معاشرے میں پرورش پائی وہ جاگیر دارانہ ماحول تھا۔ انھوں نے اپنے دور کے سماجی او سیاسی حالات کو قبول کیا۔ عورت کا مقام ان کے ہاں ملتا ہے۔ عورتوں کے حقوق کے حوالے سے بحث کرتی ہیں۔

الغرض غلام الثقلین نقوی کے عہد کا جائزہ لینے سے ثابت ہوتا ہے ان کے بعد میں جس طرح کا ادب پروان چڑھ رہا تھا اس میں قیام پاکستان کے بعد کے ادیبوں کو شامل کیا جاتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد جن مسائل کا سامنا عوام کو درپیش رہا۔ ادیبوں نے اسے ادب کا حصہ بنایا۔ غلام الثقلین کو ترقی پسند تحریک سے بھی وابستہ قرار دیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں حقیقت پسندی اور رومانوی دونوں طرح کے موضوعات دکھائی دیتے ہیں۔ زندگی کی سچائی اور لطافتوں کو بیان کرنے کا ڈھنگ ان کا دوسرے ادیبوں سے منفرد ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے چونکہ دیہات میں تمام عمر گزاری۔ اس لیے ان کے ہاں عوام کے مسائل اور عام انسانیت کا دکھ بھرا ہوا ہے۔ دیہات نگاری اور منظر نگاری میں عبور رکھتے ہیں۔ رومانوی انداز میں حقیقت اور رومان کے امتزاج سے کہانیوں کی بنت کرتے ہیں۔ داستانوی انداز کو بیان کرتے ہیں۔ اپنے کرداروں کو عزت بخشتے ہیں۔ ان کے دور کے ادیبوں میں حقیقت نگاری، رومان، دیہات نگاری اور سماجی مسائل واضح دکھائی دیتے ہیں۔ ہجرت کے موضوعات پر بہت سے ادیبوں کے ہاں دکھ بھرا ہوا ہے۔

ان سب تخلیق کاروں کے ہاں موضوعات کو دیکھتے ہوئے جب غلام الثقلین نقوی کے ہاں موضوعات کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کے ہاں بھی حقیقت پسندی اور رومانوی پہلو موجود ہے مگر ان کا رومان حقیقت کے ساتھ جڑا ہے۔ انھوں نے زیادہ تر دیہات کے طبقے کی بات کی ہے اور کسان کے حالات کو سامنے لایا ہے اور وطن کی مٹی سے والہانہ لگاؤ کو پیش کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان ۲۰۱۰ء، ص ۲۷

۲۔ محمد عالم خان، ڈاکٹر، اردو افسانے میں رومانی رجحانات، علم و عرفان پبلشرز، س ن، ص ۴۵۸

۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص ۳۴

۴۔ ایضاً، ص ۴۲

۵۔ غلام الثقلین نقوی/www.urm.Wikipedia.org

۶۔ وارث سرہندی، محمد احسن خان، علمی اردو لغت جامع، ۱۹۹۶ء، ص ۱۴۹۴

۷۔ فیروز اللغات اردو جدید، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، س۔ن، ص ۶۷۶

۸۔ ناولٹ /www.urm.wikipedia.org

۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول، ۱۹۹۲ء، ص ۱۳۲۹

۱۰۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان ۲۰۱۰ء، ص ۱۲۳

۱۱۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، افسانہ حقیقت سے علامت تک، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۷۴ء، ص ۱۲۳

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۲۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۳۱

۱۴۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، افسانہ اور افسانے کی تنقید، ادارہ ادب و تنقید لاہور، س۔ن، ص ۳۶

۱۵۔ حمید شاید، محمد، اردو افسانہ صورت و معنی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۳۶

۱۶۔ جوگندر پال کی ناولٹ نگاری www.lib.bazmeUrdu.net

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ قمر رئیس، پروفیسر، سید عاشور کاظمی، معاون ارتضیٰ کریم، ترقی ادب، پچاس سالہ سفر، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۳۷۷

۲۰۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے بدلتے تناظر، ویلکم بک پورٹ، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۲۰۵

۲۱۔ عبدالحق حسرت کاسگنجوی، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ادب، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، بارِ اول، ۱۹۸۸ء، ص ۵۴

۲۲۔ تحقیق نامہ، شمارہ ۷، ۲۰۱۰ء، جی سی یونیورسٹی، لاہور، ص ۸۴

۲۳۔ فاروق عثمان، ڈاکٹر، اردو ناول میں مسلم ثقافت، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۲ء، ص ۴۱۴

۲۴۔ محمد یٰسین، ڈاکٹر، ناول کا فن اور نظریہ، فضلی بک سپر مارکیٹ، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۲۰۱

۲۵۔ قمر رئیس، پروفیسر، سید عاشور کاظمی، ارتضیٰ کریم، ترقی پسند ادب کے پچاس سالہ سفر، مکتبہ عالیہ، لاہور ۱۹۹۴ء، ص ۳۷۰

۲۶۔ ایضاً، ص ۴۰۷

۲۷۔ اے۔بی اشرف، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی کی افسانہ نگاری، مشمولہ "روشنائی"، ص ۲۵۱

۲۸۔ نعیم مظہر، ڈاکٹر، فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو ناول، تفہیم و تنقید، ادارہ فروغ قومی زبان پاکستان، طبع اول، ۲۰۱۲ء، ص ۳۷۶

۲۹۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، ابلاغ پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص ۴۵۷

باب دوم

غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کا موضوعاتی جائزہ

ہر عہد اپنے مخصوص سیاسی و سماجی حالات سے عبارت ہوتا ہے۔ سماج کی یہی صورتیں ادب میں موضوعاتی حوالہ بن کر سامنے آتی ہیں۔ اردو ادب میں مختلف موضوعات پر نظر دوڑائی جائے تو اردو ادب میں مختلف ادوار میں مختلف موضوعات سامنے آتے رہے ہیں اس حوالے سے جن میں مختلف مصنفین کے ہاں ان موضوعات کا اپنے خیالات و جذبات کا اظہار مختلف پیرائے میں ہوتا رہا ہے۔ غلام الثقلین نقوی کے معاصرین ناولٹ نگاروں کے ہاں بھی ہمیں رومانی موضوعات کے اثرات دکھائی دیتے ہیں اور ان سے پہلے بھی مصنفین کے ہاں رومانی موضوعات کا بیان ملتا ہے۔ بعض کے ہاں حقیقت نگاری دکھائی دیتی ہے۔ حقیقت نگاری کا رجحان ادیبوں کے ہاں سچائی کی پرکھ کا ثبوت دیتا ہے۔ یہ رجحان ترقی پسندوں کے ہاں زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے بھی حقیقت پسندی کا سامنا کیا ہے۔ ترقی پسند ادیبوں میں ہوتا ہے۔ بعض کے ہاں حقیقت اور رومان کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ جو فرد کے داخلی اور خارجی جذبات کی فکری اساس ہیں۔

بعض کے ہاں معاشرت، سماج، نفسیات، معاشیات کے حوالے سے موضوعات ملتے ہیں اور معاشرے کے حالات کے تحت پیدا ہونے والی ناانصانیوں کا رجحان دکھائی دیتا ہے۔

حقیقت نگاری اور رومانی موضوعات کا چناؤ ۱۹۴۷ء تک دکھائی دیتا ہے۔ اس کے بعد فسادات کے موضوع پر لکھے جانے والے افسانے، ناول، ناولٹ وغیرہ میں ہنگامی سوچ اور فکر دکھائی دیتی ہے جن میں آزادی سے پہلے اور بعد کے حالات وواقعات کو بیان کیا گیا ہے۔

اردو ادب میں دیگر موضوعات کی پیشکش کے ساتھ ساتھ تو دیہات نگاری کا موضوع بھی اہمیت کا حامل ہے یہ اردو ادب کا ایک بڑا اہم موضوع شمار کیا جاتا ہے۔ جن مصنفین کا تعلق زیادہ تر دیہی معاشرت سے

تھا ان کے ہاں دیہاتی فکر خوب ابھرتی ہے۔ جن میں عام طبقے کی بات ملتی ہے۔ غربت، افلاس، استحصال اور جابرانہ نظام کی کھیپ دکھائی دیتی ہے۔ طبقاتی نظام اور پھر ان سے پیدا ہونے والے مسائل کا تذکرہ ملتا ہے۔

ظلم اور زیادتی کے خلاف آواز بلند کی گئی اور معاشرتی ناانصافیوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ عورت کے مسائل اور اس کے جذبات کی عکاسی کی گئی۔ ظلم و جبریت کا نشانہ جس طرح اسے بنایا گیا اس کو ثابت کیا گیا۔ بعض کے ہاں جنس نگاری دکھائی دیتی ہے۔ جنسی موضوعات کا چناؤ ملتا ہے۔

علامتی اور تجریدی انداز ملتا ہے۔ علامتی پیرائے میں اظہار خیال کی پیچیدگیاں ملتی ہیں۔ جنس اور نفسیات دونوں طرح کے رجحانات بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح اردو ادب میں مختلف ادوار کا جائزہ لیا جائے تو ہر ادیب کے ہاں اس دور کے حالات و واقعات کے مطابق موضوعات کا چناؤ ملتا ہے۔ جس دور کا ادیب ہوتا ہے وہ اپنے گہرے مشاہدے کے ذریعے حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے انھیں موضوعات کے پہناوے میں ڈھال کر ادب کا حصہ بناتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے بھی اپنے دور کے ادیبوں سے ہی اثرات قبول کیے اور اپنے مشاہدے کی فکر کے اثرات کو سامنے رکھتے ہوئے معاشرے کی تلخیوں کو بھی سامنے لاتے ہیں اور ترقی پسند ادباء سے بھی اثرات قبول کیے۔ فسادات کے بھی اثرات کا چناؤ ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دیہی معاشرت کی بھی عکاسی ملتی ہے۔ دیہی معاشرت کی عکاسی اس صورت میں دکھانے کی سعی کی کہ ان کا تعلق اسی سے تھا۔ اور وہاں کے مسائل سے گہری واقفیت بھی رکھتے تھے۔

حقیقت اور رومان کا امتزاج جن ادیبوں کے ہاں ابھرتا ہے اس طرح ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے اس امتزاج سے ہی اپنی کہانیوں کے موضوعات کو سامنے لایا۔ حقائق کی پردہ پوشی کی بجائے اس حقیقت کو سامنے لانے کی بھرپور کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی نے اس کے علاوہ جدوجہد کشمیر کے موضوع کو بھی شامل بحث لایا ہے۔ اردو ادب کے دوسرے ادیبوں کے ہاں بھی اس موضوع کی گرفت دکھائی دیتی ہے۔ اب یہاں پر غلام الثقلین نقوی

کے ناولٹ میں دیہی، رومانی اور کشمیر کے موضوع کے حوالے سے جائزہ لیا جائے گا۔ جس طرح انھوں نے ان موضوعات کو ناولٹ میں شامل کیا۔

الف) رومانوی موضوع:

ادب و فن میں رومانیت کا استعمال تخیلات کے اظہار و بیان اور عشق و محبت کی واردات و کیفیات کو بیان کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ ادبی دنیا میں عشقیہ داستانوں کو تخلیقات کے ذریعے پایہ تکمیل تک پہنچانا اس موضوع کے زمرے میں آتا ہے۔ رومانیت کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے:

> رومانیت زندگی کے مخصوص طرزِ احساس کا نام ہے۔ جس کو فن وادب میں مختلف مفاہیم میں استعمال کیا گیا ہے۔ زندگی اور معاملات زندگی کو دیکھنے اور پرکھنے کے بہت سے معیارات ہیں اور رومانیت ان میں سے ایک پیمانہ ہے۔ ا

رومانیت کی اس تعریف کو سامنے رکھتے ہوئے یہ وضاحت بخوبی ملتی ہے کہ رومانیت ایک ایسا پیمانہ ہے۔ جس کے ذریعے معاملاتِ زندگی کی بحثیں کھلتی ہیں اور اس میں سمٹتی رہتی ہیں۔ ادب میں رومانیت مختلف جذبات و کیفیات کو سامنے لاتی ہے۔ جو عام زندگی میں انسان کی ذات کا حصہ ہیں۔ رومان کے حوالے سے علی عباس حسینی لکھتے ہیں:

> رومان لفظ رومانس کی بگڑی ہوئی صورت ہے، چودھویں اور پندرھویں صدی میں رومانس اس زبان کو کہتے تھے جو اسپین اور فرانس کے عوام بولتے تھے۔۔۔ اس لفظ کا اطلاق ان قصوں، کہانیوں، گیتوں اور نظموں پر ہونے لگا جو اس زبان میں کہی اور گائی جاتی تھیں۔ ۲

رومانی موضوع بھی ادب میں دیگر موضوعات کی طرح خوب اثرات لیے ہوئے سامنے آیا اور ایک بہترین موضوع کی حیثیت سے اپنی جڑیں ادب میں گاڑھنے لگا۔ ادیب مختلف موضوعات پر عمل پیرا ہونے

کے ساتھ ساتھ اس موضوع کو بھی گرفت میں لینے لگے۔ اپنی کہانیوں کا مرکز و محور اس موضوع کو نبھانے کے لیے سامنے لاتے رہے۔

حقیقت اور رومان غلام الثقلین نقوی کے ہاں ملتا ہے۔ وہ سچائی کو دیکھتے ہیں، پرکھتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ فطرت نگاری ان کے ہاں رومان پرستی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے اپنی کہانیوں میں چاہے وہ افسانہ ہو، ناول ہو یا ناولٹ ہو، اس میں رومانیت کا عمل پیرا دکھایا ہے۔ انھوں نے اپنے تینوں ناولٹ میں رومانی موضوع کو جگہ دی ہے اور تینوں میں منفرد انداز اختیار کیا ہے۔ کسی میں شاعرانہ لب ولہجہ اور کسی میں سادگی پیدا کی ہے۔ حقائق سے قریب تر رہ کر معاملات کو قید کیا ہے۔ ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جن سے قاری کی دلچسپی زیادہ سے زیادہ سامنے آئی اور وہ خیالات بھی جن سے حقیقت اور رومان کا ہی تار میل ملتا ہے۔ کسی بھی تخلیق کا حسن اسی وقت سامنے آتا ہے جب اس میں دلچسپی واقع ہو اور پڑھنے والے کو اپنے سحر میں لے سکے۔

غلام الثقلین نقوی نے اپنے ناولٹ "چاند پور کی نینا" میں اس طرح کی کہانی پیش کی ہے جس میں محبت کی ایک ایسی داستان ملتی ہے جو بچپن سے لے کر جوانی تک ان کے ساتھ مزید بڑھتی رہتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں شدت بھی پیدا ہوئی ہے اور ایک دوسرے کو کھونے کے خوف سے وہ ایک دوسرے کو اپنے سے دور نہیں ہونے دیتے مگر وہ آسمانوں کی بلندیوں تک پہنچ کر اپنی محبت کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے جو تین ناولٹ تحریر کیے ان میں مختلف پیرائے سے رومانیت کو جگہ دی۔ ان کا فن غلام الثقلین نقوی کی فکر کا آئینہ ہے۔ وہ کرداروں کو کہانی میں اس طرح سے سامنے لاتے ہیں جیسے خود اس کہانی کا حصہ ہوں۔ ان کی یہی دلی وابستگی انھیں دوسروں سے محبت کا جذبہ رکھنے پر آمادہ کرتی ہے اور قاری بھی اس سحر میں کھو جاتا ہے اور کہانی کے تکمیل تک پہنچ جانے کے بہت بعد تک واپسی ممکن ہوتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے اپنے ناولٹ چاند پور کی نینا میں ایک رومانوی موضوع پر مبنی کہانی تخلیق کی۔ جس میں اس ناولٹ کا کردار خورشید ایک کسان جو کہ چاند پور کے رہنے والا تھا اس کا بیٹا تھا۔ جس نے میٹرک

کے بعد اپنے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے گاؤں چھوڑ دیا۔ اس کا باپ اسے پٹواری بنانا چاہتا تھا جو کہ خورشید کی مرضی کے خلاف تھا۔

جب خورشید گاؤں دوبارہ واپس آتا ہے تو اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہوتی ہے اور اس کی ماں بھی "نینا" جس کا نام ہے۔ "خورشید" اور نینا ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور نینا ایک امیر گھر کی لڑکی بتائی گئی ہے۔ اس کے خوابوں کو خورشید پورا کرنا فرض سمجھتا تھا کہ نینا ایک ستارہ ہے جو آسمان کی بلندیوں پر ہے اس کو حاصل کرنے کے لیے خورشید بھی کسی اعلیٰ منصب پر فائز ہونا چاہتا تھا۔ اپنے خوابوں اور آرزوؤں کو پورا کرنے کے لیے خورشید گاؤں چھوڑ کر شہر بھی گیا تاکہ تعلیم حاصل کر کے کسی بلندی کو پا سکے لیکن نینا اس حق میں نہیں تھی۔

کہانی میں ایک نیا موڑ اس وقت آتا ہے جب لال محل کا رہنے والا پرویز نینا کو خورشید کی غیر موجودگی میں اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور پھر نینا کے لوٹنے پر پورا گاؤں نینا کو چاند پور کی عزت ماننے کو تیار نہیں ہوتا۔ جو گاؤں کے لوگ پہلے بھی نینا کو گاؤں میں رکھنے سے انکاری تھے۔ وہ اب بھی قائم تھے۔ خورشید نینا کو اپنی آنکھوں سے گاؤں کے سامنے رسوا ہونے سے نہ بچا سکا۔

نینا اور خورشید کے خواب ٹوٹ گئے۔ چاچا سیدو جو نینا کا اور خورشید کا ساتھ دینے میں آگے آگے تھا وہ بھی بے بس اور مجبور ہو گیا۔ نینا جو کہ اپنے باپ سے اس کی بے وفائی کی وجہ سے بچپن میں دور ہو گئی نینا کے باپ نے اس کی ماں کو چھوڑ کر دوسری عورت سے شادی کر لی جس کی وجہ سے نینا چاند پور میں آکر مقیم ہو گئی۔ جب چاند پور کے لوگوں کا رویہ اس کے لیے بدل گیا اور وہ بے یار و مددگار ہو گئی۔ اس لمحے نینا کا باپ گاؤں میں آیا اور اس نے اپنی بیٹی کا ہاتھ تھام لیا اور اس لمحے جس وقت وہ اکیلی رہ گئی تھی، نینا نے نفرت کے باوجود اپنے باپ کا ہاتھ تھام لیا اور چاند پور کو سزا دے دی۔ جس خوبصورتی کے ساتھ نینا اس گاؤں میں آئی تھی اور چاند پور نے بڑے چاؤ سے نینا کو اپنا لیا تھا۔ اپنے باپ کے ساتھ جانے پر چاند پور کا خواب مٹی میں مل گیا اور نینا کا انتقام بھی ختم ہو گیا۔

یہ ایک ایسی کہانی ہے جہاں پر رومانیت بھی، جاگیر داری پہلو کا سامنا اور گناہ کے بعد معافی کا بھی واقعہ دکھایا گیا ہے اور دیہاتی معاشرت کی عکاسی کی گئی ہے۔ چاند پور کی نینا کا رومانوی حوالے سے جائزہ لیا جائے تو غلام الثقلین نقوی نے اس ناولٹ میں ایک ایسی فکر کو پیش کیا ہے جس میں ایک ایسی محبت کی کہانی بیان کی گئی ہے جو بچپن میں ایک دوسرے سے محبت کے جذبات رکھتے ہیں مگر جب مشکل پیش آتی ہے تو خورشید کی محبت کمزور بن جاتی ہے اور وہ نینا کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

"چاند پور کی نینا" میں دیہاتی زندگی کی عکاسی کے ساتھ محبت کا جذبہ دکھائی دیتا ہے اس میں حقیقت اور رومان دونوں کا انداز بیان ملتا ہے۔ سچائی کا پہلو دکھائی دیتا ہے۔ ان کا رومانی انداز تخیلاتی بھی ہے اور فطری حسن کا بھی ترجمان ہے۔ جس میں محبت میں قربانی دینے کا جذبہ تو دکھایا گیا ہے۔ مگر وقت آنے پر کمزور پڑ جاتے ہیں اور حالات کا سامنا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ رومانی انداز کے اس ناولٹ کے حوالے سے غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ پر بحث کرتے ہوئے سجاد نقوی کی یہ رائے سامنے آتی ہے کہ:

> رومانوی انداز کے اس ناول کو پروفیسر سجاد نقوی صاحب نے رومان اور حقیقت کا سنگم قرار دیا ہے۔۔۔ نقوی صاحب کے ہاں انسانی خواہشات کا تعاقب رومانی انداز میں کرنے کا رجحان پرورش پا رہا تھا۔۔۔ جس کے حصول میں ناولٹ "چاند پور کی نینا" بھی معاون نظر آتا ہے۔۳

خورشید اور نینا کے کردار کو پیش کیا ہے جو ایک دوسرے سے محبت کے جذبات رکھتے ہیں۔ خورشید غریب گھر سے تعلق رکھتا ہے اور وہ نینا کو چاند تاروں کی بلندیوں پر دیکھتا ہے۔ اس لیے خورشید چاہتا ہے کہ وہ نینا کو اس کی بلندیوں تک پہنچ کر ہی حاصل کرے۔

غلام الثقلین نقوی نے اس ناولٹ میں خورشید کی زبانی زیادہ تر واقعات کو بیان کیا ہے۔ جس میں آپ بیتی کے حوالے سے تمام مناظر کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ خورشید جس لمحے نینا کو ایک نظر دیکھ لیتا تو اس کی ساری دنیا اسی لمحے میں بند ہو جاتی۔ اس سے زیادہ کی خواہش اس نے کبھی ظاہر نہ کی۔

نینا کو خوبصورتی کا پیکر بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ خورشید نینا سے محبت کی وجہ سے اس کو خوش رکھنے کے لیے گاؤں بھی چھوڑ کر شہر جانے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ تاکہ تعلیم مکمل کر کے کسی مقام پر فائز ہو سکے۔ خورشید کے خیالات اس کی زبانی ناولٹ میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ غلام الثقلین نقوی اسے سامنے لاتے ہیں:

> اس لمحے کا تعین نہیں کر سکتا جب نینا جوان ہوئی۔ نجانے کیوں؟ شاید اس لمحے نہ قیامت برپا ہوئی، نہ چیختی چلاتی آندھیاں چڑھیں۔۔۔ پھر نینا اکیلی تو جوان نہ ہوئی تھی۔ نینا کے بچپن نے جوانی کا روپ بھرا تو گویا سارا چمن یک دم کھل کر پھول بن گیا۔ ۴

اس میں بچپن سے لے کر جوانی تک دونوں کی محبت کے سرچشمے سامنے آئے۔ صرف ایک نظر اس کی گلی سے گزر کر دیکھ لینا خورشید کے لیے کافی تھا۔ اس میں ایک حد مقرر کی گئی دونوں اپنی حدود میں رہتے ہوئے اپنے نفس کو قابو رکھے ہوئے تھے۔

پھر آگے چل کر خورشید کے خیالات کو مزید سامنے لایا گیا۔ جس میں غلام الثقلین نقوی نے تخیلاتی جذبات سے خوبصورتی پیدا کی ہے۔ جہاں پر خورشید نینا کے گھر سے گزرتا ہے تو اسے وہاں کی دھوپ اور بہار کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ جس سے اس پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ اپنے ذہن کی ان جذباتی کیفیات کو سامنے لاتا ہے۔ جس طرح نینا اس کے سامنے ایک درخت کی طرح پھلتی پھولتی رہی ہے۔ خورشید کا گزر روزانہ اس کے گھر سے ہو کر جاتا ہے۔

پھر ناولٹ میں ایک موڑ سامنے آتا ہے۔ جہاں پر نینا سے ملاقات دوبارہ ہوتی ہے۔ ایک زندگی کا دوسرا رخ سامنے آتا ہے۔ جہاں پر آکر ارتقا کی ایسی ایک لہر سامنے آتی ہے۔ نینا کو دیکھتے ہی خورشید کو ایسا لگا جیسے چاند تاروں کی ایک دنیا میں دونوں میں کوئی فاصلہ باقی نہ رہا۔ اسی لمحے چاچا سید واہم رول ادا کرتے ہیں۔ وہ

خورشید کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ نینا اس گاؤں کی نہیں ہے تم اس کے لیے مشکلات نہ پیش کرو۔ نینا کا تعلق اس گاؤں سے نہیں نینا ایک اونچے گھر سے تعلق رکھنے والی لڑکی ہے جس تک تمھارا پہنچنا مشکل ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں خورشید کا جس شدت سے نینا کے لیے محبت کا اظہار پایا گیا۔ اس میں ایسا تخیلاتی روپ سامنے آیا جس کو الفاظ کی خوبصورتی نے کچھ اس انداز میں ڈھانپ لیا ہے۔

> چاچا! میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اگر نینا نہ ہوتی تو چاند اور تارے نہ ہوتے۔ چونکہ سورج ہر روز مشرق سے نکلتا ہے اور ہر شام شفق کے گلگلوں سمندر میں تیر کر ڈوب جاتا ہے، اس لیے میں جانتا ہوں کہ نینا کون ہے۔۵

خورشید اور نینا کی محبت جس طرح وقت کے ساتھ پروان چڑھتی رہی ہے اس میں خورشید کے خیالات میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں رونما ہوتی گیئں۔ غلام الثقلین نقوی نے تخیل کی کار فرمائی کے ساتھ حسن کو بیان کرنے میں فطرت نگاری کو بھی جگہ دی ہے۔ فطرت کی رنگینیوں سے حسن کو کشید کیا ہے۔ خورشید کا نینا سے ملنا، اس کے لیے ایک ایسا سفر تھا کہ جس سے اس کے لیے ایک نئی زندگی کے شروع ہونے کا آغاز دکھائی دیتا ہے۔ اس کے لیے نئی راہیں کھلتی ہیں اور امید کی نئی کرن جاگتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے ہاں رومان چونکہ حقیقت کے دائرے میں رہتے ہوئے بیان ہوا ہے اس لیے فطرت نگاری سے بھی کام لیا گیا ہے۔ وہ ایسے تخیلاتی جذبے کا اظہار بھی کرتے ہیں جس سے خواب و خیال کی دنیا میں خورشید کھو جاتا ہے۔ نینا کی ایک جھلک سامنے آجانے سے وہ تخیل کی رنگینیوں میں کھونا شروع ہو جاتا ہے۔

محبت کے جذبات میں جب شدت آتی ہے اور ملاقات میں جو کیفیات ابھرتی ہیں اور نینا کے لیے خورشید کے جذبات، خورشید کی محبت نینا کے لیے قدر و اہمیت رکھتی ہے۔ خورشید کو نینا کی خاطر اس کو اسی مقام پر پہنچ کر اپنانے کا خواہش مند دکھایا گیا ہے۔ خورشید اور نینا کی ملاقات سے جس طرح کی ان کی دلی کیفیات کا

اظہار ان کے سامنے ہوا غلام الثقلین نقوی اس کیفیت کو یوں ظاہر کرتے ہیں۔ محض خیالات و تصورات کے اثرات کو یوں سمویا گیا ہے:

> میں نے نینا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ نینا کے ہاتھ میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ سایوں کی کپکپاہٹ اور اس کے سانس بڑے نرم خیز تھے۔ ان کے زیر و بم میں نغمات کی لے اور تال تھی اور نینا کا ہاتھ کتنا گرم تھا! میں اس ہاتھ میں خون کی حرکت اور حدت کو محسوس کر سکتا تھا۔ ۶

غلام الثقلین نقوی نے انسانی جذبات کی عکاسی اپنے منفرد انداز سے کی ہے۔ ان کا یہی لگاؤ انھیں اپنے کرداروں سے محبت پر اکساتا ہے۔ نینا کی خاطر خورشید ایک سچی لگن کا اظہار کر رہا تھا۔ نینا جس مقام پر فائز تھی اس گاؤں کا حصہ نہ ہونے کے باوجود کسی کی باتوں کی پروا کیے بغیر نینا کے لیے شدت کا جذبہ اور اظہار ظاہر کرتا ہے۔ آسمان کی بلندیوں پر خود بھی پہنچنا چاہتا تھا اور نینا کو بھی اپنے ساتھ آسمان کی رفعتوں تک لے جانا چاہتا تھا۔ اس کی خاطر گاؤں چھوڑ کر شہر جانے کا ارادہ بھی کر چکا تھا۔ جس دن خورشید گاؤں چھوڑ کر شہر کے لیے روانہ ہونے لگا تو نینا نے اسے لاکھ روکا کہ وہ کچھ بھی نہیں چاہتی اُسے صرف خورشید کی خوشی عزیز ہے۔ وہ یہ کہنے کے لیے بے تاب تھی کہ خورشید اس سے دور نہ جائے وہ اس کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے مگر خورشید کے دل میں جو خواب سجے ہوئے تھے خورشید نے انھیں پورا کرنا تھا اور اپنے باپ کے سامنے بھی ایک بڑا آدمی بن کر دکھانا تھا۔ جس پر اس کا باپ اس پر کوئی اعتراض نہ کرے۔ خورشید کا باپ چونکہ اسے پٹوار بنانا چاہتا تھا تاکہ وہ بھی امیر ہو سکے مگر خورشید نے اس بات کو رد کر دیا اور اپنے فیصلے پر اٹل رہا کہ تعلیم حاصل کر کے کسی اچھے محکمے میں جائے گا اور آسمان کی بلندیوں کو چھوئے گا۔

یہاں پر خورشید نے نینا کی خاطر بلند پروازیوں کی طرف پہلا قدم بڑھایا اور محبت میں بھی عشق کی پہلی منزل کا آغاز ہوا۔ جسے غلام الثقلین نقوی نے یوں تحریر کیا:

گاؤں سے باہر ایک کھیت سے چاچا سیدو ایک اسرار کی طرح نکل کر میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا "اوے کرشید"! عشق کی پہلی منزل شروع ہو گئی؟

"ہاں چاچا!"

"پر تیرا دستور دنیا بھر سے نرالا ہے۔ رانجھے تو ہیر کے گاؤں چل کر آتے ہیں، تو ہیر کے گاؤں کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ے

جدائی کا غم اور اپنے سے دوری کا درد نینا سے برداشت نہ ہوا مگر نینا نے اپنی آنسوؤں کی گرفت میں کس طرح جذبات کو چھپایا اسے غلام الثقلین نقوی نے بڑی دلکشی سے بیان کیا ہے ان کا اپنا ہی ایک انداز نظر آتا ہے جس طرح کے الفاظ سے ناولٹ کو تحریر کیا ہے۔ اس میں درد والم کی کیفیات بھی ملتی ہیں۔ یہاں پر عشق کی پہلی منزل کو پالینے کے لیے جذبات اور کوشش دکھائی دیتی ہے کہ کس طرح انسان عشق کی منزل کو پانے کے لیے تگ ودو کرتا ہے اور کیسے بھی حالات ہوں ان سے ٹکرا جانے کی بہادری رکھتا ہے۔ عشق میں ایسا جذبہ پایا جاتا ہے کہ انسان کو پھر وہاں سے واپسی کی کوئی منزل نظر نہیں آتی ہے پھر وہ عشق میں ہی فنا ہو جاتا ہے یا پھر عشق کو پوری طرح پالیتا ہے۔ اس میں جس کے پاس سچی لگن ہو گی وہی اس میں کامیابی حاصل کرے گا۔ خورشید بھی تو انھی حالات سے گزر رہا ہے۔ اپنی محبت کی خاطر وہ اپنے گاؤں تک کو چھوڑ دیتا ہے۔ جس مٹی میں اس نے جنم لیا جس نے اس کی پرورش کی اپنی گود میں کھلایا، اسی کو چھوڑنے کے لیے تیار ہو گیا۔ جب چاچا سیدو نے کہا کہ تو اپنی ہیر کے گاؤں کو ہی چھوڑ رہا ہے تو اس ایک جملے میں بہت درد بھری کیفیات تھیں۔ جس کو خورشید نے سنا اور اس پر یہی کہا کہ میں نینا کی خاطر ہی تو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اس کی خوشی کی خاطر ہی تو یہ قربانی دے رہا ہوں تا کہ اس کو اسی کے مقام تک پہنچ کر حاصل کروں۔

یہ عشق کی ہی واردات و کیفیات ہوتی ہیں کہ جس میں پھر واپسی کا کوئی حل دکھائی نہیں دیتا اور کوئی خوف و خطر انسان کے دل میں نہیں رہتا۔ نینا جو کہ اتنی ڈرتی ہوتی تھی اور اکیلے کہیں جانے کا تصور بھی نہیں کرتی تھی۔ اپنی محبت کی خاطر وہ خورشید سے ملنے رات میں بھی گھر سے نکل آئی تا کہ خورشید کو گاؤں چھوڑنے

سے روک سکے۔ ادھر خورشید بھی محبت میں اس قدر آگے بڑھ جاتا ہے کہ اس پر کسی کی بات کا اثر نہیں ہوتا اور وہ ہر حال میں گاؤں چھوڑ کر شہر تعلیم کے لیے روانہ ہو جاتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کی رومانی فکر کی عکاسی جس طرح مختلف افسانوں یا ناولٹ میں دکھائی گئی ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد عالم خان لکھتے ہیں:

> رومانی اور رنگین فضا بھی ملتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے ہاں قاری کو ایک چبھن یا کسک کا احساس ہوتا رہتا ہے جو اسے مضطرب بھی کرتی ہے اور اس کے اندر المیہ کیفیت بھی پیدا کرتی ہے۔ یہ کیفیت پڑھنے والے کو کبھی اداس اور کبھی ارد گرد بیگانہ بھی کر دیتی ہے۔۸

غلام الثقلین نقوی اس طرح کی کیفیات کو سامنے لاتے ہیں کہ قاری اس میں کھو جاتا ہے اور دنیا سے بیگانہ ہو جاتا ہے وہ کہانی میں اس قدر کھو جاتا ہے کہ اختتام کے کافی دیر بعد اس کی واپسی ممکن ہوتی ہے۔ اس میں گہرائی بھی موجود ہوتی ہے۔

نینا کی خوبصورتی کا نقشہ خورشید کی زبانی غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں بڑے فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ نینا ایک خوبصورتی کا مجسمہ تھی۔ سر سے لے کر پاؤں تک اس کی خوبصورتی کا پہلو چاند تارے کی طرح دکھایا گیا ہے۔ جیسے وہ کوئی چمکتا دمکتا ستارہ ہو۔ غلام الثقلین نقوی لکھتے ہیں:

> میں نے نینا کو جی بھر کے دیکھا۔ نینا سر سے لے کر پاؤں تک نینا تھی۔ نینا کے بال ایک چوٹی میں گندھے ہوئے تھے۔ اس کے کانوں کی لویں ننگی تھیں۔ گلاب کی پتیاں جو سنبل کی لہروں میں تیر رہی تھیں اور نینا کی ناک نہ تلوار کی دھار تھی نہ خنجر آبدار کی نوک۔۔۔ نینا کے ہونٹوں پر شفق کی گلگلوں چمک اور گلاب کے پھول کا گداز تھا۔ نینا کا جسم قوسوں اور دائروں کا ایک متناسب ہیولیٰ تھا جو تخلیق کی یک طرفہ تکمیل کے بعد وجود میں آیا تھا۔۹

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں بارہا خورشید کی ہی زبان سے نینا کی خوبصورتی کو دکھایا ہے۔ خورشید کی ہی زبانی نینا کے لیے جذبات کی عکاسی دکھائی ہے۔ گاؤں سے جانے پر جن درد بھری کیفیات کا اظہار کیا گیا تھا لوٹنے پر اس میں تبدیلی رونما ہوئی ہے۔

یہاں پر ایک نیا موڑ سامنے آتا ہے درد و غم کی کیفیت اور جدائی کے غم کے بعد دوبارہ واپسی کی امید نظر آنے پر نینا کے جذبات اس کے بس میں نہ رہے اور وہ بے اختیار اس کیفیت سے نکل آئی اس کی روح اور جسم کی قوتوں میں بھی شدت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ خورشید نے بتایا جب وہ چھٹیوں میں گاؤں واپس آیا تو نینا کے اندر کچھ اس طرح کے جذبات سامنے آئے:

> گاؤں میرے جذبات کی پاکیزگی کی طرح نکھرا ہوا تھا نینا کی روح اور نینا کے جسم نے پھر ایک دوسرے میں مدغم ہو کر تقدس کا جامہ پہن لیا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ اس دفعہ نینا کا جسم میرے حواس کی سرحدوں سے ٹکرا کر تیز شراب کا چھلکتا ہوا جام نہ بنا اور نینا نے مسکرا کر کہا۔ سفر کا ایک مرحلہ طے ہو گیا۔"
>
> "ہاں نینا! لیکن ابھی تم مجھ سے بہت دور ہو۔ ۱۰

اس ایک جملے میں پھر سے درد کی کیفیت دکھائی دیتی ہے کہ واپسی کے باوجود خورشید نینا سے اس لیے دور ہے کہ جب تک وہ کسی بلند پرواز پر نہیں پہنچتا وہ نینا کو اس کے قابل نہیں سمجھتا۔ نینا کے بھی جذبات میں شدت اور دکھ تھا کہ خورشید کیوں نہیں مانتا۔ نینا اسے کہتی کہ میں ایک عام لڑکی ہوں مجھے بلندیوں کی پروا نہیں ہے۔

اگر رومانی لحاظ سے اردو ادب سے تعلق رکھنے والے ادیبوں کا جائزہ لیا جائے تو ان سب کے ہاں کم و بیش اسی طرح کی عشقیہ داستانیں ملتی ہیں۔ جن میں افراد کے ذہنی تصورات اور دلی جذبات و کیفیات کو بیان کیا جاتا ہے۔ جس میں داخلی کے ساتھ ساتھ خارجی حالات و واقعات اور مسائل سے آگاہ کیا گیا ہے۔ معاشرتی

ناانصافیوں اور تقاضوں کی سچائیوں کو پیش کرنے کی طرف رجحان ملتا ہے۔ رومانیت سے تعلق رکھنے والے زیادہ تر مصنفین کی فکر اسی نقطے کے گرد سفر کرتی ہے جسے ڈاکٹر انور سدید کے الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

> خیال کی نئی جہتوں کو آشکار کیا جذبے کو بلند پروازی سکھائی اور فرد کو اپنے خارج سے داخل کی طرف جھانکنے اور غیر تخلیقی عمل سے ان دونوں میں فنی امتزاج پیدا کرنے کی سعی کی۔ ۱۱

اس طرح داخلی کیفیات کے ساتھ ساتھ خارجی مسائل کو بھی سلجھانے کی کوششیں ملتی ہیں۔ اسی طرح غلام الثقلین نقوی نے بھی فرد کے اندرونی خیالات و جذبات کا خیال رکھا اور اس کے ساتھ ساتھ خارجی حالات کے اثرات ان پر کس طرح وارد ہوتے ہیں، انھیں سامنے لانے کی سعی کی۔ یاد ماضی سے استفادہ اور حال میں بھی دلی کیفیات کی مضبوطی اور لگن ان کے کرداروں کے ہاں دکھائی دیتی ہے اور مستقبل میں بھی روشن خوابوں کی ترجمانی اور مستقبل میں اپنے خوابوں کو پورا کرنے کی سچی لگن ''چاند پور کی نینا'' کے کردار خورشید میں دکھائی دیتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی کا اپنا ایک شاعرانہ انداز ہے جس میں موضوع اور اسلوب ہر دو جگہ پر شاعرانہ پیرائیہ بیان ملتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے فرد کی داخلی اور خارجی کیفیات کو سامنے لانے کے لیے رومانی لب و لہجے کا انتخاب کیا جس سے افراد کے خارج اور باطن کو کھنگالا جا سکے۔ جس میں حسن کی دلکشی اور فطرت نگاری کے بیان سے بھی تحریر میں دلکشی کا سماں باندھا جاتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں آگے چل کر ایک نیا موڑ سامنے آتا ہے۔ جس وقت دوبارہ خورشید گاؤں سے روانہ ہونے لگتا ہے اور نینا جب خورشید کو اداس دیکھتی ہے تو اس کے جذبات جس قسم کی کیفیت کا اشارہ کر رہے ہوتے ہیں۔ انھیں غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ناولٹ میں بیان کیا ہے۔ نینا کے پوچھنے پر کہ خورشید اداس کیوں ہے؟ اس کا انداز کچھ اس طرح کا تھا کہ اس میں ایک نغمہ بھرا ہوا تھا۔ اس

نغمے کی گونج سے بلا اختیار خورشید کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ جس میں خورشید کے جذبات کا پورا بیان ملتا ہے۔ جسے الفاظ کی گرفت کی ضرورت نہ رہی اس کی آنکھوں نے ہی سارا منظر نینا کے سامنے رکھ دیا۔ اس وقت اس کے دل میں اس قدر غم کی لہر دوڑ رہی تھی کہ وہ اپنے آنسوؤں کو بہنے سے نہ بچا سکا۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات آئے۔ دل نے کئی بار روکنا بھی چاہا مگر پھر ارادے میں پختگی شامل کی اور جانے کا پختہ ارادہ کیا۔ نینا کی محبت میں ارادہ کمزور بھی ہوا اور اس میں بالیدگی بھی آئی مگر اس نے خوابوں کی تعبیر کے لیے مستقبل کو سنوارنے کو پہلے ترجیح دی۔

چاچا کے کہنے پر جب خورشید نینا کی خاطر گاؤں میں آیا تو گاؤں کے تمام لوگ نینا کو اس گاؤں سے نکلنے پر مجبور کر رہے تھے۔ گاؤں والوں کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ نینا بھی اب چاند پور کا حصہ ہے مگر کسی نے یقین نہ کیا اور نینا کا ساتھ نہ دیا۔ خورشید بھی اس کا تماشا دیکھتا رہا اور آگے بڑھ کر نینا کا ہاتھ تھام لینے کی جرات نہ کر سکا جس خواب کی تعبیر کے لیے گاؤں چھوڑ کر چلا گیا تھا اس خواب کی تعبیر ہونے سے پہلے ہی اس کی آنکھوں کے سامنے گاؤں کے لوگوں کی نااعتمادی نے توڑ دیا۔ نینا کا بھروسہ جس طرح خورشید پر تھا وہ ٹوٹ گیا۔ نینا کی نظریں خورشید تک گئیں مگر خورشید اس کی لاج نہ رکھ سکا اور ندامت کے مارے نظریں نیچے کر لیں۔ میرے اندر اس چیز کا خوف آیا کہ میں نینا سے وفا نہ کر سکا جس چاؤ کے ساتھ نینا کو گاؤں میں لایا تھا وہ ختم ہو گیا۔ سب ستارے ٹوٹ کر زمین پر بکھر گئے۔

غلام الثقلین نقوی نے اختتامیہ اس ناولٹ میں یہی دکھایا ہے کہ بچپن میں اس کی محبت پروان چڑھنے کے باوجود وقت کی تیز دھار کی لپیٹ میں اس کی محبت قربان ہو گئی اور دونوں ایک دوسرے کو حاصل نہ کر سکے۔ زمانہ ایک بار پھر ان کی راہ میں رکاوٹ بن گیا۔ وقت کی قید نے انھیں اپنے قدموں تلے روند ڈالا ان کے خوابوں کی سچائیوں کو ختم کر دیا۔

داستانوں میں جس طرح عشق کے قصے درج کیے جاتے تھے پھر ادب میں افسانوں اور ناول کو فروغ ملنے لگا تو پھر اس موضوع کو اس صنفِ ادب میں بھی سامنے لایا۔ غلام الثقلین نقوی کی اس کہانی کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید نے یہ رائے پیش کی ہے:

> چاند پور کی نینا" بظاہر دیہاتی معاشرے میں نوجوانی کی سرحد پر پہلا قدم رکھنے والے خورشید اور نینا کی محبت کی کہانی ہے۔"۱۲

ڈاکٹر انور سدید کے بیان کے مطابق "چاند پور کی نینا" میں دیہاتی معاشرے میں رہتے ہوئے ایک محبت کی کہانی کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں اتار چڑھاؤ دکھایا گیا ہے۔ غم والم اور حسن و عشق کی کیفیات کو درج کیا گیا ہے۔

حسن و عشق کی کیفیات میں جس طرح جدائی اور پھر جدائی کے بعد ملاقات کے جذبات و کیفیات کا اظہار ہوتا ہے انھیں سامنے لایا گیا ہے۔ ایک حقیقی منظر پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور معاشرتی برائیوں اور ناانصافیوں سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کا رومانی انداز انھیں افسانوں میں بھی تقویت بخشتا ہے اور ناولٹ میں بھی دلکشی پیدا کرنے میں مدد دیتا ہے۔ جس طرح داستانوں کا لب ولہجہ عشقیہ قصوں سے بھرا ہوتا ہے اسی طرح غلام الثقلین نقوی کے بیشتر افسانوں یا ناولٹ میں بھی داستانوی رنگ کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ ان کی فکری گہرائی اور حسن و عشق کے قصوں کا بیان چھوٹے چھوٹے واقعات کو بیان کر کے پھر اِن میں فطرت نگاری کو بھی رومانی لحاظ سے بیان کرنا غلام الثقلین کا خاص فکری عمل ہے۔

محبت کے جذبات کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ غم کا بھی ادراک کرتے ہیں۔ جہاں پر قاری کی آنکھیں بھی نم ہو جاتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اس طرح کے مسائل کو بیان کرتے ہیں جو عام زندگی سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ ناولٹ "چاند پور کی نینا" میں بھی عموماً گاؤں میں رونما ہونے والے مسائل سے ہی پردہ اٹھایا ہے۔ جس میں دیہاتی پہلو دکھا کر رومانی انداز کی کہانی کو سمویا ہے۔

شمیرا:

غلام الثقلین نقوی کے تین ناولٹ میں ایک ناولٹ "شمیرا" بھی شامل ہے۔ جس میں انھوں نے ایک مدرس کی کہانی بیان کی ہے۔ جس طرح وہ حیات پور میں آتا ہے۔ جوانی میں مدرس کے فرائض کی انجام دہی کے لیے مگر جاگیر دارانہ نظام کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ جوانی میں بھی حوصلہ نہ ہونے کے باعث شکست کھاتا ہے اور بڑھاپے میں بھی کوشش کرنے کے باوجود شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس ناولٹ "شمیرا" میں انھوں نے جس طرح کے رومانی جذبات کی عکاسی بھی کرائی ہے وہ مختلف ہیں اس میں عشقیہ جذبات کی ایسی عکاسی ملتی ہے کہ جس میں بچپن سے لے کر جوانی تک کی محبت کے کوئی جذبات دکھائی نہیں دیتے۔

"شمیرا" میں محبت کی گہری داستان تو بیان نہیں کی گئی بلکہ عام زندگی کے حوالے سے جس طرح انسان کو کسی سے گہری وابستگی ہو جاتی ہے ان جذبات کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔ محبت کے جذبات کی گہری چھاپ نہیں دکھائی دیتی بلکہ ایک دھندلہ سا خاکہ نظر آتا ہے۔ حسن کو دیکھنے کی خواہش مگر دیکھ کر کچھ جذبات نہ ادا کرنے کی کیفیات ابھرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

"شمیرا" ناولٹ کا کردار ماسٹر فاروقی جب حیات پور آیا تو سردار کے کہنے پر اُسے ڈیرے میں رکھا گیا تو اس کو کھانا دینے کی ذمہ داری ایک جانگلی عورت کی تھی وہ اُسے کھانا دیتی اس کے آنے جانے اور اُسے دیکھنے کی خواہش کی شدت بڑھی مگر جس ماحول میں پرورش ہوئی تھی ماسٹر کو اس ماحول میں ایسے بے باکانہ انداز میں دیکھنے کی اجازت عام نہیں تھی۔ غلام الثقلین نقوی کے ہاں محبت کے جذبات و کیفیات دوسرے افسانہ نگاروں سے کسی حد تک مختلف دکھائی دیتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی لکھتے ہیں:

> جب "بکھاں" کا نام ماسٹر لطیف کے منہ سے نکلا تو زمان و مکاں کے ڈائل پر ایک سوئی الٹی گھوم گئی اور اس لمحے پر جا ٹھہری جب وہ زمیندار کے ڈیرے پر پہلا کھانا کھا رہا تھا اور اس نے بکھاں پر ایک سوئی سوئی سی نظر ڈالی تھی اور اس کے جانے کے بعد اسے حسرت ہی رہی تھی کہ کاش وہ بکھاں کو ایک بھرپور نظر تو دیکھ لیتا۔ ۱۳

اس واقعہ میں غلام الثقلین نقوی نے اپنے کردار ماسٹر فاروقی کے حوالے سے ذکر کیا کہ جب پہلی بار بکھاں اُس کے لیے کھانا لے کر آئی تو اس نے شرم سے اس کی طرف آنکھ بھی اٹھا کر نہ دیکھا یہ ایک ادب کا مقام تھا کہ کسی غیر محرم عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا مگر جب وہ چلی گئی تو اس کے دل میں یہ خواہش بیدار ہوئی کہ وہ اسے دیکھ لیتا ایک بار یہ جو دیکھنے کی خواہش اور نہ دیکھ پانے کی دوڑ میں جو کیفیات ابھریں انھیں غلام الثقلین نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اوپر والے اقتباس میں بیان کیا ہے۔ اس ناولٹ میں زیادہ شدید اور والہانہ جذبات کی عکاسی تو نہیں کی گئی مگر ایک عارضی طور پر محبت کے جذبات جو کسی بھی انسان میں کسی دوسرے انسانی کے لیے پسندیدگی کے طور پر ابھرتے ہیں انہیں قلم بند کیا ہے۔ لیکن پھر جس چیز کی خواہش کی گئی تھی وہ کسی حد تک پوری بھی ہو گئی جب بکھاں اس کے گھر دوبارہ کھانا لے کر آئی تو اس نے اسے دیکھ لیا مگر اس کی تاب نہ لانے کی کیفیت صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ غلام الثقلین نقوی نے ان کی کیفیات کو یوں بیان کیا ہے:

> دو تین دن بعد اس کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ جب بکھاں تپائی پر جھک کر اس کے لیے کھانا لگا رہی تھی تو اسے یوں لگا تھا کہ۔۔۔ کسی عورت کو پہلی بار دیکھا ہو۔ وہ سرو قد کھڑی ہوئی تو اس نے نظریں جھکا لیں۔ وہ شاید جوانی کو اپنے پورے قد اور خدوخال کے ساتھ دیکھنے کی تاب نہ لا سکتا تھا اس کی پرورش جس ماحول میں ہوئی تھی ،وہاں اتنی بے باکانہ نظر ڈالنے کی اجازت نہ تھی۔"۱۴

غلام الثقلین نقوی حتی المقدور حقائق کو سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً ایک فردِ واحد کے اندر جن جذبات کا ارتقاء ہوتا ہے انھیں سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر انسان میں چھپے ہوئے غم ، خوشی، امید اور خواب دیکھنے کی کیفیات موجود ہوتی ہیں۔ بس وہ اپنے افسانوں یا پھر مختلف کہانیوں کے ذریعے ہی دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور قاری اس بات پر متفق ہو جاتا ہے۔ ایسے کردار سامنے لاتے ہیں جن کے ہاں محبت کے جذبات اور احساسات سامنے بھی آتے ہیں اور شکست بھی کھاتے ہیں۔ جن میں تشنگی بھی باقی رہتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی کا اپنا منفرد نقطہ ء نظر ہے جس کے ذریعے وہ محبت کے ان جذبات و کیفیات کو اپنے کرداروں پر وارد کر کے قارئین کے سامنے حقائق کو پیش کرتے ہیں اور کسی حد تک کشمکش بھی دکھائی دیتی ہے۔ افراد کے داخلی جذبات کو سامنے لائے ہیں ان کے اندر کس طرح کے جذبات ابھرتے ہیں۔ عورت اور محبت دونوں لازم وملزوم کے زمرے میں ہو کر رہ جاتے ہیں۔ جذبات کی عکاسی اور دل کی گہرائیوں سے انھیں نکال کر سامنے لانا ایک اہم جذبہ گردانا جاتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے ایک اور مقام پر اپنے کردار کے دل کی کیفیت کو جو بکھاں کے حوالے سے اس کے ذہن میں آئی یوں تحریر کیا ہے:

> بکھاں اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ بائیس سال سے اپنی بھر جوانی کے نقطہ ء معراج پر سرو قد کھڑی ہو۔ ۱۵

غلام الثقلین نقوی نے حقیقت کے جذبات کو اپنے کرداروں کے ذریعے بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اپنا منفرد اسلوبِ بیان ، خیال اور انداز کو ضبط تحریر کیا ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ انسان کے نازک احساسات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ "شمیرا" میں پرویا ہے۔ وہ حقائق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں اور اندھیرے میں بھی فرد کے اندر پنپنے والے خیالات و جذبات کو بروئے کار لا کر کہانی بُنتے ہیں۔

داخلی کیفیات اور یادِ ماضی کے جذبات کے اثرات واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ اس میں سادگی، حسن اور نرمی ہے۔ جس میں بات کو دل میں چھپائے رکھنے کے جذبات گہرے ہیں کھل کر اظہارِ خیال نہ کرنے کا جس طرح معاشرے میں عام رواج ہے اسے بالکل اسی لب ولہجے کے ساتھ بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں

غلام الثقلین نقوی کا حسنِ بیان ایسا ہے کہ انھوں نے انسان کے اندر جو معصومانہ جذبات پائے جاتے ہیں انھیں سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ غلام الثقلین نقوی کے بیشتر موضوعات جن میں محبت کے جذبات

سامنے آتے ہیں، وہ بہت تیز نہیں بلکہ روانی کا عنصر ان میں موجود پایا جاتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی کے رومانی موضوع کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں:

> غلام الثقلین نقوی کا بنیادی موضوع وہ بو قلموں محبت ہے۔ جس سے زندگی کے تمام سر چشمے پھوٹتے ہیں۔ انھوں نے ان سرچشموں کو تلاش کرنے کے لیے صرف دیہات کا ہی نہیں شہر کا مطالعہ ومشاہدہ بھی کیا۔۱۶

غلام الثقلین نقوی کا اپنا منفرد انداز ہے، جس میں بہت تیزی اور شدت نہیں پائی جاتی بلکہ محبت انسان کے اندر ہی اندر بڑھتی رہتی ہے۔ جس میں پوشیدگی کا تاثر پایا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسے الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں جن میں اپنایت پائی جاتی ہے ایسے الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں جس میں عام زندگی سے تعلق رکھنے والے القابات پائے جاتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی نے جس طرح کے القابات استعمال کیے ہیں ان میں اپنایت پائی گئی ہے۔ جس میں کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا بلکہ بات کو عام لب ولہجے اور انداز سے بیان کر دیا۔ غلام الثقلین نقوی کے اس موضوع جس میں محبت کی کیفیات کی عکاسی ملتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر انور سدید نے یوں رائے پیش کی ہے:

> محبت کو زندگی کی ایک درخشاں علامت کے طور پر استعمال کیا جس سے اظہاریت، اشاریت اور تاثریت کے بڑے گہرے اور بے حد متنوع نقش ابھرتے ہیں۔ ان کے ہاں محبت تیز نہیں بلکہ مدھم، مسلسل، دیرپا اور گہری ہے۔ یہ شعلے میں تبدیل نہیں ہوتی بلکہ اندر ہی اندر گیلی لکڑی کی طرح سلگتی رہتی ہے۔۱۷

اس ناولٹ میں قریباً اس طرح کے جذبات کی فراوانی ملتی ہے جن میں بظاہر اظہار کا دامن نہیں اپنایا گیا بلکہ اندر ہی اندر محبت پر اون چڑھتی ہے۔ حسن کو دیکھنے کی خواہش اور پھر اظہار نہ کرنے کی کیفیت اپنے ماحول اور معاشرے میں قدر قیمت کا احساس ایک نئے انداز میں سامنے لائے ہیں۔ جو محبت اندر ہی اندر چنگاری بن کر سلگتی رہتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی زندگی کے حقائق سے ایسے جذبات اور واقعات کو کھینچ کر سامنے لاتے ہیں کہ جس سے ایک دھیمہ انداز سامنے آتا ہے۔ کسی مقام پر محبت کی شدت کے جذبات افراد کو کھائے جاتے ہیں۔ ان تمام جذبات و احساسات کو دیکھنا اور پھر انھیں تخلیقی عمل سے گزارنا ایک مشکل عمل ہے۔ جس میں حقیقت اور خوبصورتی بھی پائی جاتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی اس رومانی فضا میں ایک حد میں رہتے ہوئے اظہار بیان کا دامن پکڑتے ہیں۔ جن میں تمام معاشرتی قوتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کہانی کو تحریر کیا ہے۔ جس میں احترام آدمیت کا جذبہ بھی موجود ہوتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے اس ناولٹ میں دھیمی محبت کا احساس جگایا ہے۔ جس میں ایک طرفہ جنون دکھائی دیتا ہے۔ اندر ہی اندر محبت کے جذبات کو لیے گھومتا ہے اور اپنے ذہن میں جو خیالات ابھرتے ہیں انھیں سوچتا ہے اور نتائج اخذ کرتا ہے۔ اب ایک نیا موڑ غلام الثقلین اس طرح دکھاتے ہیں کہ پہلے تو جس لڑکی کی محبت اور اُسے دیکھنے کی شدت ماسٹر کے اندر پائی گئی تھی ایک دن کسی دوسری حسین عورت کو دیکھنے کے بعد اس میں کمی واقع ہو گئی اس دن بکھاں کا اس کے لیے کھانا لے کر آنا اور پنکھی جھولنا کچھ معنی نہ رکھ سکا۔

اس میں یہ بتانے کی کوشش نظر آتی ہے کہ یہ انسان کا فطری عمل ہے جس میں انسان بہتر سے بہتر کی تلاش میں رہتا ہے۔ جن کیفیات کا اثر بکھاں کو دیکھنے کے بعد ہوتا تھا اب ایک اور حسن پرست عورت کو دیکھنے کے بعد نہیں رہا۔ چونکہ ان کیفیات کا اظہار کبھی سامنے ہونے نہیں دیا تھا۔ اس لیے دل میں چھپانے کی وجہ سے ماسٹر کو کچھ پروانہ ہوئی مگر پھر بھی اس کے ذہن میں کچھ اس طرح کے خیالات آئے کہ بکھاں کو اس نے آج کچھ مایوس کیا تو اس حوالے سے غلام الثقلین نقوی نے اس طرح کے خیالات پیش کیے:

> یقیناً بکھاں آج اس کے رویے سے مایوس ہو گی۔ اگرچہ آج تک بکھاں کی موجودگی میں اس نے اپنے رویے سے کسی گرم جوشی کا اظہار نہ ہونے دیا تھا، لیکن یہ رویہ

سرد مہری کا بھی نہیں ہوتا تھا اور کچھ رویے اتنے نازک اور حساس ہوتے ہیں کہ عدم
اظہار کے باوجود دوسرے کے دل میں سرایت کر جاتے ہیں۔۱۸

غلام الثقلین نقوی نے کچھ اس طرح کی وضاحت کی ہے کہ بعض اوقات انسان دوسرے کے لیے جو دل میں جذبات رکھتا ہے وہ نہ اظہار کرے تو بھی ایک اپنایت اور انسیت ہوتی ہے۔ انسان کے اندر ویسے ہی طرح طرح کے خیالات ابھرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ انسان دوسرے سے مانوس ہونے لگتا ہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے جس میں سوچ کا عمل دخل وارد ہونا شروع ہو جاتا ہے جہاں پر وفا کے نام پر خیالات دل میں ابھرنا شروع ہوتے ہیں۔ حالانکہ انھوں نے جو رومان و محبت کا جذبہ ناولٹ میں دکھانے کی کوشش کی ہے اس میں نہ تو دونوں کردار کھل کر ایک دوسرے کے سامنے اظہارِ بیان کرتے ہیں۔ بلکہ دل ہی میں ایک محبت کی لہر دوڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ جس کا دونوں ایک دوسرے پر شک وشبہ ظاہر نہیں ہونے دیتے۔

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ انسان کے اندر اگر حیا کا دامن ہو تو وہ کسی بھی غلط راستے کا چناؤ نہیں کرتا یہاں پر ماحول اور گھر میں تربیت کا بڑا عمل دخل دکھائی دیتا ہے۔ جس ماحول میں ماسٹر کی پرورش ہوئی تھی مسجد اور گھر کا پاکیزہ ماحول وہاں کے اثرات سے کئی خیالات ذہن میں جگہ پانے کے باوجود اپنے نفس پر قابو پائے رکھا۔ اور نسوانیت کے جال میں پھنسنے سے بچا رہا۔ یہاں پر پھر اُسے یہ سوچ پیدا ہوتی ہے کہ نہ تو مرزا جیسا بن سکتا ہے کہ محبوب کے لیے سب کچھ کر گزرے نہ ایسے خیالات کبھی آئے اور نہ ہی کبھی بکھاں کو اس نگاہ سے دیکھا کہ اسے صاحباں کے کردار جیسی لگی۔ یہ بات ضرور غلام الثقلین نقوی نے سامنے لائی کہ بکھاں کو اس نے دیکھنے کی خواہش کی مگر اپنے نفسیات پر قابو پائے رکھا دل میں ہی اپنی محبت کو دبائے رکھا اور مقدس ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے کبھی زبان پر کوئی لفظ نہ لے کر آیا اور عزت کے ساتھ گاؤں میں رہا۔ بکھاں کی نظر سے کبھی نظر ملا کر نہیں دیکھا۔ شرمندگی سے اور شرم سے سر کو جھکائے رکھا۔ اس ناولٹ میں ایک منفرد اسلوب میں کہانی لکھی جہاں پر کرداروں کا وفا کی پہلی منزل تک بھی قدم بڑھتا ہوا نہیں دکھایا گیا بلکہ عزت نفس کی قدر اور اہمیت کو باور کرایا گیا۔

غلام الثقلین نقوی کے اس رومانی طرزِ کے افسانوں یاناولٹ کے حوالے سے جس طرح کے جذبات اور انوکھا پن دکھایا گیاہے جس میں تخیلات کا بھی عمل دخل ہے اور سچائی بھی ضروری ہے اس کو ڈاکٹر محمد عالم خان نے یوں طرزِ تحریر کا جامہ پہنایاہے:

> نقوی کا اندازِ بیان رومانی ہے۔ وہ احساس کی تمام تر لطافتوں، جذبات کی پوری شدت سے۔۔۔ تلخ حقیقت کو بھی بڑے لطیف پیرائے میں بیان کرتے ہیں جو ان کے رومانی لب ولہجے کا آئینہ دار ہے۔۱۹

الغرض غلام الثقلین نقوی کی رومانیت کے حوالے سے ڈاکٹر محمد عالم خان کا یہ اقتباس اس بات کا ثبوت دیتاہے کہ ان کے بیان میں رومانیت بھری ہوئی اور اس کو وہ اسی کی شدت کے مطابق اظہارِ بیان میں سمیٹتے ہیں تاکہ اس کا اصلی حسن سامنے آسکے اور زندگی کی تلخ حقیقتوں کا جہاں ذکر آئے وہاں رومان پرستی سے حسن کی لہر دوڑ جائے غم وفکر کی کیفیات سے دوچار ہونے کے باوجود مسرت اور خوشی کا جذبہ بھی رونما ہو جائے اور لوگوں کے دل میں درد والم کے ساتھ اپنی خواہشات کا کھل کر اظہار کرنے کا بھی جذبہ پیدا ہو۔ یہی انداز انھیں دوسروں سے منفرد انداز اپنانے میں مددگار ثابت ہوتاہے۔

شیر زمان:

غلام الثقلین نقوی کے اس ناولٹ "شیر زمان" میں رومانی موضوع اپنایا گیاہے مگر "چاند پور کی نینا" کے مقابلے میں اس میں اس موضوع کی شدت کم ہے۔ شیر زمان میں غلام الثقلین نقوی نے زیادہ تر کشمیر کے حوالے سے واقعات کو سمویاہے جس میں کشمیر کی آزادی کے لیے جدوجہد اور سیز فائر پر مبنی کہانی کو تشکیل کیا ہے۔ غلام الثقلین کا اپنا ایک منفرد اسلوب ہے جس کی بناء پر انھوں نے رومانیت میں بھی ایک عمدگی دکھائی ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے اس ناولٹ میں ایک ہلکی سی جھلک رومانی انداز کی دکھائی ہے اس ناولٹ میں نئے لوگوں کو دیکھتے ساتھ پرانی یادیں بھی تازہ ہونے کا ذکر ملتاہے۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ "شیر زمان" میں کچھ مقامات پر رومان سے تعلق رکھنے والے واقعات دکھائی دیتے ہیں جیسے صوبیدار شیر زمان جو کہ ناولٹ کا اہم کردار ہے اس کی زندگی کے حوالے سے بات کرتے ہیں کہ شیر زمان جب رات گزارنے کے لیے حوالدار کے گھر میں ٹھہرتا ہے وہاں پر اس کی بیٹی نیلم کا نام سن کر چونک اٹھتا ہے اور اسے اپنی بیوی کی یاد آنا شروع ہو جاتی ہے غلام الثقلین نقوی نے شیر زمان کے ذہن میں ابھرنے والے خیالات کو یوں تحریر کیا ہے:

> "ریشم جان جب اس گھر آئی تھی تو سرخ عروسی جوڑے میں آئی تھی اور ایک ماہ کی چھٹی گزارنے کے بعد جب وہ اپنی نوکری پر واپس جا رہا تھا تو ریشم جان اور نیلا رنگ لازم وملزوم ہو چکے تھے کیونکہ بیٹھک کی دیواروں پر ریشم جان نے نیلا رنگ پھیر دیا تھا اور اس کا لباس بھی نیلا تھا اور ڈوپٹہ بھی۔۔۔ اگر اس زمانے میں نیلم کا لفظ اس کے ذہن میں آجاتا تو وہ اسے نیلم جان کہہ کر پکارتا۔ ۲۰

صرف ایک نام نیلم سے سارا منظر شیر زمان کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا ریشم جان کی یاد اُسے آنے لگی اور اس نے جس طرح گھر کی دیواروں پر نیلا رنگ کرایا تھا اور خود بھی نیلے لباس میں ملبوس تھی سارا منظر شیر زمان کو یاد آگیا اور پھر اس بات کی بھی خواہش ہوئی کہ اس وقت اگر نیلم نام میرے ذہن میں ہوتا تو ریشم جان کہہ کر پکارنے کی بجائے نیلم جان نام سے پکارا کرتا۔ اس میں غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ نئی یادوں کو اور پرانی یادوں کو جوڑنے کی کوشش کی جس طرح ہر انسان کے اندر خواہشات کا انبار ہوتا ہے کسی ایک بات کی وجہ سے انسان کو تمام پرانی یادیں آنا شروع ہو جاتی ہیں پھر انسان افسردہ بھی ہوتا ہے اور کبھی خوشی کا عالم بھی میسر ہوتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کا اپنا منفرد انداز ہے جس میں وہ تخیل کی بلند پروازیوں سے اپنا الگ موضوع چنتے ہیں۔ انسان سے محبت کے جذبات ان کے ہاں وافر ملتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

غلام الثقلین نقوی کے افسانوں میں تخیل، رومان اور حقیقت کا بڑا دلکش امتزاج ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے پاؤں تو زمین میں گڑے ہوئے ہیں لیکن نگاہ آسمان کی رفعتوں کو محیط کیے ہوئے ہے۔ ۲۱

الغرض غلام الثقلین کے افسانوں، ناول یا ناولٹ میں تخیل کی بھی کار فرمائی ہے اور حقیقت کا بھی بیان ملتا ہے۔ دراصل غلام الثقلین نقوی کے ہاں رومانیت نظر تو آتی ہے لیکن اس میں ایک چبھن کا احساس قائم رہتا ہے جو کہ ایک المیہ کی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ کیفیت کبھی تو پڑھنے والے پر دکھ کے اثرات مرتب کرتی ہے اور کبھی مسرتوں کی بلندیوں تک پہنچا دیتی ہے اور کبھی بے گانگی کا احساس بھی دلا دیتی ہے۔

حوالدار کے گھر جب شیر زمان ٹھہرا ہوا تھا تب ایک روز صبح کے وقت جب نیلم چائے کے لیے کمرے میں آئی تو اس کی پہلی جھلک دیکھنے پر اس کے خیالات میں قید ہو گئی۔ اس کی شرمائی ہوئی ہنسی اس کے کان میں گونجی اور وہ کچھ چونک سا گیا۔

جب وہ سنبل گاہ میں گیا اور نیلی دیواروں پر نظر گئی تو ریشم جان کے خیالات شیر زمان کو آنے لگے اسی دورانیے میں اس نے نیلی چادر پر اٹلی کی اینا کو پلنگ پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو وہ کچھ اداس سا ہو گیا۔ غلام الثقلین اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

ریشم جان جسے نیلے رنگ سے بہت پیار تھا پھر اسی لمحے نے اٹلی والی اینا کو اس پلنگ پر لا بیٹھایا، جس نے۔۔۔ نیلی سکرٹ پر پرانی شال اوڑھی ہوئی تھی اس لمحے میں ریشم جان اور اینا سما گئیں تو صوبیدار شیر زمان یکدم اداس ہو گیا، جیسے وہ قبرستان میں پھر سے جا کھڑا ہوا ہو۔ ۲۲

ریشم جان جس سے وہ محبت کرتا تھا اس کی پسند کی رنگینی دیوار کو دیکھتے ہی اس کی یاد تازہ ہو جاتی۔ جب شیر زمان نے مکان کی تعمیر کی تو "شیر زمان" کے چچا نے کہا کہ اگر ریشم جان زندہ ہوتی تو پھر کہتا کہ تیرا مکان آباد ہو گیا۔ پھر دونوں کے چہروں پر اداسی آنے لگی۔

ریشم جان کی وفات کے بعد وہ بالکل تنہا ہو گیا ایسے میں حوالدار کے گھر رہنے کی بدولت اُسے تھوڑی خوشیاں ملیں اور اپنایت کا احساس ہونے لگا۔ جیسے وہ کسی اپنے کے گھر میں موجود ہو۔

غلام الثقلین نقوی نے اس ناولٹ میں شیر زمان کا نیلے رنگ سے زیادہ لگاؤ ریشم جان کی وجہ سے دکھایا اور جب بھی نیلے رنگ کا ذکر آتا وہ خوش ہوتا ایک دن جب وہ جانے لگا تو حوالدار نے نیلم کی فرمائش پر نیلم کے لیے نیلے رنگ کا دوپٹہ منگوایا۔ جسے سن کر شیر زمان کی خوشی کی انتہا نہ رہی نیلا رنگ تمام سفر میں اس کے اعصاب پر چھایا رہا غلام الثقلین نقوی نے جس خوبصورتی کے ساتھ اس منظر کو بیان کیا ہے وہ لمحات یوں ہیں:

> ٹھنڈے پانی سے راولپنڈی پہنچنے تک نیلم کی یہ فرمائش اس کے حواس پر چھائی رہی وہ کبھی بہت خوش ہوتا اور کبھی بہت غمگین ۔ اردگرد کے ماحول پر نیلا رنگ چھایا رہا۔۔۔اسے جہلم کے پانی میں نیلے شیفون کے دوپٹے لہراتے ہوئے نظر آتے رہے اور کہیں پہاڑوں کی اوٹ سے نیلا آسمان نظر آیا تو اسے یہی خیال گزرا کہ یہ شیفون کا دوپٹہ ہے جو اُڑ کر آسمان سے جا لگا ہے اسے کئی بار نیلے شیفون کے سائے میں ریشم، اینا اور نیلم ایک ہی جسم میں سمائی ہوئی نظر آئیں۔۲۳

جہاں پر بھی نیلے رنگ کا ذکر آتا ریشم جان کی یاد کے ساتھ اسے اٹلی کی اینا اور پھر نیلم کی یاد بھی آجاتی ۔نیلے رنگ سے اپنایت جو اسے ریشم جان کے ہونے کی وجہ سے تھی اب وہ کسی دوسری لڑکی کے منہ سے اس رنگ کی خواہش کا اظہار سنتا تو اسے بہت مسرت محسوس ہوتی۔ نیلم کو دیکھنے کے بعد اس کے اندر خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اس سے شادی کرلے اور اس کے نئے گھر کو آباد کرے چنانچہ جب وہ اس کے لیے ڈوپٹہ لے کر آیا اور کہا کہ اب جب حوالدار کے ہاتھ ڈوپتہ بھیجوائے گا تو وہ نیلم سے شادی کی بات بھی کرے گا ور جلد شادی کرے گا تا کہ نئے گھر کو آباد کرنے والی آجائے۔ اس کے خیالات میں نیلم ریشم جان کا دوسرا روپ لیے ہوئے اُبھری۔ ان کی ہنسی قہقہے کانوں میں گونجتے ہوئے سنائی دینے لگے۔

یہاں پر اب اس کیفیت کا بخوبی ذکر سامنے آتا ہے کہ غلام الثقلین نقوی کچھ ایسے مناظر سامنے لاتے ہیں جن میں مسرت کے لمحات بھی موجود ہوتے ہیں جو قاری کے لیے خوشی کا باعث بنتے ہیں اور بعض اوقات اسے بوجھل بناتے ہیں۔ ایک المناک کیفیت کا شکار بھی ہوتے ہیں۔ یاد کے ساتھ ماضی کا تعلق جڑا ہوا ہے۔ ماضی میں بیتے ہوئے لمحات کسی بھی ایک چیز سے گہری وابستگی کی بناء پر آنے لگتے ہیں اور انسان انھیں بے اختیار ذہن میں آنے دیتا ہے اور ان کو بھلا نہیں پاتا۔ یہی معاملہ اس ناولٹ میں شیر زمان کے ساتھ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح نیلے رنگ کو علامت بنا کر غلام الثقلین نقوی نے تین لڑکیوں کو اس کے ساتھ جوڑا ہے۔ نیلے رنگ میں ملبوس تینوں کے اپنے اپنے انداز سے ریشم جان کی جھلک شیر زمان کی نگاہوں میں سمانے لگتی ہے اور پھر وہ بلا اختیار ان سے جان نہیں چھڑا سکتا۔ نیلم کا کردار سامنے آنے کی وجہ سے صوبیدار کے دل میں دوبارہ گھر بسانے کی امید بندھتی ہے کہ کوئی تو ہے جو اس کے گھر کو آکر روشن کرے گی۔ غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ "شیر زمان" ناولٹ میں شیر زمان کے جذبات کو مقید کیا ہے۔

> اس نے سوٹ والے پیکٹ کو چھوا تو وہ کھڑ کھڑایا۔ جب کھولا تو نیلے سوٹ سے نیلم کا چہرہ ایک جھلک دکھا کر یہیں کہیں چھپ گیا، جیسے کہہ رہا ہو مجھے ڈھونڈ لو! اس نے نیلم کی آواز بھی سُنی، جس میں اپنایت کی شیرینی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے نیلم اس کے نئے گھر میں، جو اس نے اسی کے لیے بنایا تھا، آبراجمان ہوئی ہو۔ اسے نیلم کے وجود سے ریشم جان! دوسرا جنم لیتی ہوئی دکھائی دی۔ ۲۴

غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس ناولٹ میں رومانوی موضوع کو ایک نئے انداز سے سامنے لایا بظاہر اس میں اتنی گہرائی تو نہیں ملتی لیکن پھر بھی بعض مقامات پر انھوں نے خوبصورتی کے ساتھ موضوع کو سمونے کی کوشش کی ہے۔ تخیل کی راعنائی اور جدت دکھائی ہے۔ خیالات و جذبات کی عکاسی بخوبی ملتی ہے۔ اس میں رنگ حسن اور جذبات سے نئے رشتے بنتے دکھائی دیے ہیں ہر انسان کے اندر علیحدہ علیحدہ جذبات و خیالات ہوتے ہیں مگر کوئی انسان دوسرے کے جذبات کو نہیں سمجھ سکتا۔

رومانوی موضوع کے حوالے سے دیکھاجائے تو اس میں زیادہ سے زیادہ خیالات کی کار فرمائی ہوتی ہے۔ اس میں تخیلاتی دنیاکا ذکر آتا ہے۔ اس میں خواب وخیال کی دنیا کو سمویا جاتا ہے۔ خواب وخیال کی رنگینی میں انسان کا تن من ڈوب جاتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی کا یہ حسنِ بیان ہے کہ وہ تخیل کی رنگ آمیزیوں کے ساتھ ساتھ حقیقت کو بھی بیان کرتے ہیں۔ رومان اور حقیقت کو جگہ دیتے ہیں۔ یعنی رومانی موضوع میں وہ صرف تخیلاتی دنیا کے محل نہیں سجاتے بلکہ اس میں حقائق سے بھی چاشنی پیدا کرتے ہیں تاکہ تحریر میں خوبصورتی اور سچائی نظر آجائے۔ ہر کسی کے دکھ کو محسوس کرتے ہیں اور اس کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں مختلف پہلو دکھائی دیتے ہیں ہر کہانی دوسری سے مختلف نظر آتی ہے۔ ایسے خیالات و جذبات کو سامنے لاتے ہیں جو کہ حقیقت سے قریب تر ہوتے ہیں۔ عام زندگی سے تعلق رکھنے والے موضوعات کو بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شیر زمان میں جس طرح غلام الثقلین نقوی نے ایک روپ دکھا کر اس سے کئی روپ سامنے لائے۔ غلام الثقلین نقوی نے اس ناولٹ میں نیلے رنگ کو زیادہ اہمیت دی ہے جس کا تعلق ریشم جان اور شیر زمان کی زندگی سے بہت گہرا جوڑا ہے۔ جب وہ نیلے رنگ کو دیکھتا اس سے ریشم جان کا حسن شیر زمان کے سامنے آنے لگتا اور پھر نیلم کے آنے کی وجہ سے وہ رنگ اس کے ساتھ جُڑ گیا اور نیلم کے روپ میں اُسے ریشم جان کا دوبارہ مل جانا مسرت کا احساس دلانے لگا۔ نیلا رنگ اور اس رنگ سے رنگی ہوئی دیواریں اور نیلا سوٹ اور دوپٹہ شیر زمان کی زندگی سے بہت جڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ دراصل ریشم جان سے محبت کا ہی تقاضا تھا کہ جو نیلے رنگ میں ساری سمٹ گئی۔ ایک علامت نیلا رنگ ہی رہ گیا جس سے وہ ریشم جان کی یاد تازہ کیا کرتا اور پھر نیلم کے ملنے پر اُسے وہ بھی یاد نیلم کے روپ میں تبدیل ہوتی ہوئی دکھائی دینے لگ گئی۔ اس کی اداسی اور کمی خوشی میں بدل گئی اور زندگی گزارنے کی امید ملنے لگی ایک نئی زندگی کی امید کی کرن اس کے سامنے آگئی۔ یہاں سے

پھر شیر زمان کی زندگی کا نیا موڑ شروع ہوتا ہے اس کی زندگی جہاں ریشم جان کی جدائی میں ختم ہوئی تھی وہاں اب نیلم کے ساتھ نئے موڑ سے شروع ہونے لگی اور دکھ میں کمی اور خوشی کی لہر میں اضافہ ہونے لگ گیا۔

الغرض غلام الثقلین نقوی کے تینوں ناولٹ "چاندپور کی نینا ، شمیرا اور شیر زمان" کا موضوعاتی حوالے سے جائزہ لینے پر جب ان میں رومانی موضوع کے حوالے سے بحث کی گئی تو ان کے تینوں ناولٹ میں منفرد انداز کے ساتھ اس موضوع کو قلم بند کیا گیا ہے۔ "چاندپور کی نینا" میں دیکھا جائے تو اس میں ایسی محبت کی داستان سنائی گئی ہے جو بچپن سے لے جوانی تک وقت کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتی ہے اور اس میں اور زیادہ شدت پائی جاتی ہے۔ جس میں وقت کے ساتھ ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے دونوں کردار محنت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی خاطر سب کچھ برداشت کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ "چاندپور کی نینا" میں کردار "علیا" نینا کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے جس کے لیے وہ اسے اونچے مقام پر لے جانے کے لیے گاؤں چھوڑ کر شہر تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاتا ہے تاکہ وہ نینا کو بلندیوں پر پہنچ کر حاصل کرے اور اسے کسی کمی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مگر حالات سے دھوکا کھانے کے باعث دونوں خطا کھاتے ہیں۔ نینا اس سے دور چلی جاتی ہے۔ اس میں بھی ایک المیہ دکھایا گیا ہے۔

دوسرا ناولٹ "شمیرا" میں جس طرح کی کہانی بیان ہوئی ہے اس میں ایک شریف مدرس کی کہانی کو بیان کیا گیا ہے جو حالات سے مجبور ہو کر جاگیر دارانہ نظام کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور وہاں پر ایک عورت کو دیکھ کر اس کے لیے دل میں جذبات کو جگہ دینے لگتا ہے مگر جس ماحول میں ان کی تربیت ہوتی ہے وہ اپنی نفسیات پر قابو پاتے ہوئے اس کی عزت کرتا ہے اور اس کے جال میں پھنسنے کی بجائے اپنی سوچ کو سامنے لاتے ہوئے اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے۔ اس میں بھی تخیلاتی دنیا کے ساتھ ساتھ حقیقت کا بھی سامنا دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے اس طرح تینوں ناولٹ میں مختلف اندازِ بیان کے ساتھ کہانیوں کو بیان کیا ہے۔

تیسرے ناولٹ شیر زمان میں انھوں نے ایسی محبت دکھائی ہے کہ جس میں ایک کردار کے ساتھ تعلق رکھنے والے احساسات کو ایک کسی منظر کے ذریعے قید کیا ہے اور رنگ کی ایک نئی کیفیت کو سامنے لایا ہے۔ یعنی تخیل کی بلند پروازیوں کے ساتھ خیالات کی دنیا کی رنگینیوں کے ساتھ حقیقت کو بھی سامنے لایا ہے۔ اس ناولٹ میں انھوں نے ایک نیا طرزِ احساس سامنے لایا ہے۔ ماضی میں گزرے ہوئے لمحات اور پھر نئی یادوں کو پرانی کے ساتھ ایسے ملایا ہے کہ ان میں دکھ کے ساتھ مسرت کا سامان پیدا کیا ہے۔ جدائی کا غم اور پھر ملنے کی آرزو دکھائی ہے۔ ایسے کرداروں کو پیش کیا ہے جن کو ایک دوسرے کی جگہ اس خوبصورتی کے ساتھ جوڑا ہے کہ اس میں حقیقت کی رنگ آمیزی بھی ملتی ہے۔

جدت اور خیال کی بلند پروازیوں میں یادِ ماضی کا جذبہ ان کے ناولٹ میں ساتھ ساتھ چلتا ہے اور ماضی سے جڑی ہوئی یادوں کو نئی یادوں کے ساتھ ملانے کا سلیقہ خوب نبھاتا ہے۔ تیسرے ناولٹ میں تو غلام الثقلین نقوی نے ایک رنگ سے جڑی تمام یادوں کو خوبصورت الفاظ اور سادہ الفاظ کی مدد سے بیان کیا ہے۔

اس میں المیہ بھی دکھایا ہے اور دکھ، درد اور مسرت کے جذبات کو بھی سمویا گیا ہے۔ جو پڑھنے والوں پر گہرے نقش چھوڑتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ شیر زمان میں جہاں رومانوی مقامات سامنے لائے گئے ہیں وہاں پر انھوں نے شیر زمان کو اس طرح دکھایا ہے کہ وہ زندگی میں کسی بھی موقع پر ڈگمگاتا نہیں ہے اس کی بیوی ریشم جان ہی اس کو ہر روپ میں دکھائی دیتی ہے اس کے نفس پر قابو پانے کے لیے ریشم جان کا کردار جو ماضی کی یاد میں اس کے ساتھ چلتا رہتا ہے وہ شیر زمان کو ہمت اور حوصلہ بھی عطا کرتا رہا ہے۔ جہاں پر وہ کشمکش کا شکار ہوتا ہے وہاں اس کی دلی کیفیات اُسے سکون بخشتی ہیں اور وہ حالات کا مقابلہ کسی بھی مشکل میں کر گزرنے کو تیار رہتا ہے۔ بقول ڈاکٹر انور سدید کہ:

> اس نوع کے رومانوی مقامات پر شیر زمان کی داخلی کیفیات اور اس کی نفسیات کا جزو مد
> سامنے آتا ہے اور ناولٹ میں دلچسپی کے عناصر کو ابھارتا ہے لیکن بنیادی حقیقت یہی

سامنے آتی ہے کہ زندگی کے کسی مقام پر بھی شیر زمان ڈگمگاتا نہیں اور ان قدروں کا تحفظ کرتا ہے جو سنبل گاہ اور اس کے گردو پیش کے اجتماعی معاشرے پروان چڑھائی تھیں۔۲۵

غلام الثقلین نقوی نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ اس ناولٹ میں بھی رومانی موضوع کو جوڑا ہے لیکن اس ناولٹ میں ان کی رومانیت ایک سچی اور تخیلاتی حسن پر مبنی ہے جس میں شیر زمان کے ذریعے اس موضوع کو ناولٹ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں رومانی حوالے سے غلام الثقلین نقوی کے اس ناولٹ شیر زمان میں واقعات کو سمویا گیا ہے۔

ب) دیہی زندگی کا موضوع:

دیہات نگاری کا موضوع بھی اردو ادب میں ایک وسیع موضوع کے زمرے میں آتا ہے۔ دیہی معاشرت کی عکاسی مختلف افسانہ نگاروں کے ہاں بڑی خوبصورتی کے ساتھ کی گئی ہے بعض کے ہاں پنجاب کے دیہات کا خوبصورت بیان ملتا ہے۔ ایسی فنکاری سامنے لاتے ہیں جس سے خوبصورت گاؤں کی فطری عکاسی ملتی ہے۔ وہاں پر غریب طبقے کے مسائل اور جاگیر دارانہ نظام کا پیش خیمہ بھی ملتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں دیہی زندگی کا موضوع بھی ملتا ہے جہاں پر انھوں نے رومان پرستی کو شاملِ بحث کیا ہے وہاں انھوں نے دیہی معاشرت میں نچلے طبقے پر بھی بات کی ہے۔

غلام الثقلین نقوی ایک دیہات نگار کے طور پر سامنے آئے ہیں ان کے افسانوں میں بھی دیہی زندگی کی عکاسی ملتی ہے۔ دیہی زندگی کا معاملہ ہو یا شہری زندگی کی عکاسی انھوں نے زیادہ ترجیح دیہات نگاری کو دی ہے۔ دیہی معاشرت کے مسائل کا عکاس ان کا فن و فکر ہے۔ دیہات کی جہاں بات کرتے ہیں تو پھر متوسط طبقے کی طرف توجہ زیادہ دیتے ہیں۔ ایک کسان کس طرح محنت کر کے فصل اگاتا ہے اور اپنی محنت کے بل بوتے پر رزق کی تلاش کرتا ہے۔ گاؤں میں خوبصورت مناظر کو دیکھتے ہیں اور انھیں سچائی کے ساتھ بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ عام لوگوں کی زندگی میں ان کے ساتھ پیش آنے والے حالات و واقعات کو بیان کرتے ہیں ان کی

محنت اور لگن کا جذبہ دکھاتے ہیں۔ حقیقت اور تخیل کا امتزاج دکھاتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی کے ہاں دیہات بھی اور محبت دو پہلو ہیں۔ اپنی کہانیوں میں ان کی وضاحت میں کرداروں کو، پلاٹ کو بڑی مضبوطی سے گرفت میں لیتے ہیں۔ تجسس کی ایک کیفیت سامنے لاتے ہیں۔ قاری کہانی میں کھو کر رہ جاتا ہے۔

غلام الثقلین کے ہاں دیہات نگاری کا موضوع ایک بڑا موضوع ہے جس طرح انھوں نے بچپن دیہات میں گزارا اپنی آنکھوں سے دیہی معاشرت کا سامنا کیا اور لوگوں کے مسائل کو دیکھا اسی طرح انھیں بیان کرنے کی کوشش کی۔ غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں بھی دیہات کا منظر سامنے لایا ہے اور اس کے علاوہ غلام الثقلین نقوی نے اپنے ایک ناول "میرا گاؤں" میں بھی دیہات کو موضوعِ بحث بنایا ہے جس میں عام طبقے کے مسائل اور دیہات کی رنگینیوں اور پھر فطری حسن کی رعنائیوں کے جوہر دکھائے ہیں۔ ان کا یہ ناول دیہات نگاری کے حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔

غلام الثقلین نقوی کی دیہی معاشرت کی عکاسی کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم آغا بیان کرتے ہیں کہ دیہات نگاری خیر اور مثبت طور پر سامنے لائی۔ لکھتے ہیں:

> غلام الثقلین نقوی اردو افسانے میں دیہات نگاری کے اعتبار سے صفِ اول کے افسانہ نگاروں میں شامل ہیں۔ ان کا دیہات خیر کی علامت ہے یعنی مثبت قدروں کا امین ہے۔۲۶

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ "چاند پور کی نینا" کا دیہی معاشرت کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تو اس میں چاند پور کے دیہات اور قائم پور کے دیہات کا ذکر ملتا ہے جس میں چاند پور میں عام طبقے اور جاگیر دارانہ نظام کی گرفت دکھائی دیتی ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ محبت اور دیہات کی داستان اس ناولٹ میں شامل کی ہے۔

سچائی کے ساتھ حقائق کو بیان کیا۔ فطرت نگاری اور تخیل کی رنگ آمیزی بیان کی ہے۔ الفاظ کا خوبصورت بیان اور مناظر کی دلکشی سامنے لائی ہے۔ تانگے کا ذکر اور جوہڑ کا گندا پانی اس منظر کو غلام الثقلین نقوی نے یوں سامنے لایا ہے:

گاؤں کے باہر گدلے جوہڑ کے کنارے ایک تانگہ کھڑا ہوا۔ تانگے پر دو بڑے بڑے
ٹرنک اترے۔ ایک دو بستر، چند بید کی بنی ہوئی ٹوکریاں۔۲۷

غلام الثقلین نقوی نے پوری سچائی کے ساتھ گاؤں کے مناظر کو سامنے لایا۔ جس طرح کے حالات و واقعات اور مسائل کا شکار غریب طبقے کے لوگ رہے انھیں دکھانے کی کوشش کی۔ اگر دیکھا جائے تو غلام الثقلین نقوی کے ہاں گاؤں کی رنگین بیانی میں حقیقت اور سچائی بھری ہوئی ہے۔ ان کے ہاں گاؤں کی قدر و منزلت زیادہ اور پُر جوش انداز میں اس لیے بھی ملتی ہے کہ غلام الثقلین نقوی کا تعلق بھی کشمیر سے تھا اس لیے دیہات کے مسائل کو پیش کیا۔ غلام الثقلین نقوی کے ہاں ایک ایسا دیہات نگار دکھائی دیتا ہے جس کے ہاں دیہاتی قدروں کو بیان کرنے کا زاویہ موجود ہے غلام الثقلین کے ہاں شرافت دکھائی دیتی ہے۔ غلام الثقلین نقوی کے حوالے سے تو ممتاز محقق مشفق خواجہ نے یہی بیان کیا کہ جس طرح عام زندگی میں ان کے ہاں شرافت موجود ہے اسی طرح اپنی فن کاری میں بھی شرافت کا ہی عمل پیرا دکھاتے ہیں۔

اتنی خوبصورتی کے ساتھ الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں کہ الفاظ کی مدد سے پوری بات خود بخود سامنے آجاتی ہے۔ عام زندگی سے متعلق مسائل کو سچ کے آئینے میں رہتے ہوئے بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ اب اوپر والے اقتباس میں اس کی نشاندہی کرائی گئی ہے کہ گاؤں میں سے سفر کر کے شہر جانے کے لیے سڑک کے خستہ حالات تھے جو کہ سیدو نے خورشید کے سفر کر کے گاؤں لوٹنے پر ادا کیے۔ ان مناظر کو خورشید کی زبانی غلام الثقلین نقوی نے یوں بیان کیا:

وہ منظر اب بھی میری آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا۔ گاؤں جو ذرا اونچان پر واقع تھا،
دھوپ میں نہایا ہوا تھا اور دھوپ میں سہ پہر کی سنہری ملامت تھی۔۔۔پانی سے

شرارے اُٹھ رہے تھے۔ مٹی کے پوتے مکان سحر زدہ سکون کا منظر پیش کر رہے تھے۔۲۸

گاؤں میں تو دلکشی اور خوبصورتی قدرتی مناظر سے ہی ملتی ہے۔ گاؤں کی خاص بات ہی فطری حسن، سادہ رہن سہن اور پُر سکون ماحول ہوتا ہے۔ کھلی فضا، دھوپ کی تیز چمکتی ہوئی روشنی، صاف شفاف پانی کی چمک دمک میں شدت کا احساس جاگتا ہے۔ مٹی کے مکان سادہ زندگی گزرانے کا منظر دکھاتے ہیں۔

خورشید جس طرح تانگے کا سفر کر کے گاؤں میں پہنچا تانگے پر سے سواری کر کے اترا اور پیدل پورا راستہ طے کیا۔ اور راستے میں سرسبز کھیت اور گاؤں کی چمک کو محسوس کیا۔ جس کے دل میں پُر سکون کیفیت طاری کر دی ساری تھکاوٹ اس منظر کو دیکھ کر اتر گئی۔

غلام الثقلین نقوی جس طرح گاؤں کی خوبصورتی کو سامنے لاتے ہیں۔ مرزا ادیب ان کے حوالے سے کہتے ہیں کہ غلام الثقلین نقوی دیہی معاشرے کے خوبصورت عکاس ہیں۔ پنجاب میں دیہات اور پھر ان مسائل پر سے پردہ اٹھایا جو گاؤں میں عام تھے۔ مرزا ادیب رقم طراز ہیں:

> اردو میں جن افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں دیہی معاشرت کی حقیقت افروز عکاسی کی ہے ان میں غلام الثقلین نقوی کا نام خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ مگر انہیں صرف اس جہت تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ نقوی صاحب نے پنجاب کے دیہات کے مسائل کی نشاندہی کی ہے۔۔۔وہ کردار تخلیق کیے ہیں جو دیہی زندگی کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں۔۲۹

غلام الثقلین نقوی کا اپنا ایک منفرد انداز ہے جس سے انھوں نے دیہات کے مسائل کی نشاندہی کی۔ غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں جس سواری کا ذکر کیا وہ زیادہ تر تانگے کا ملتا ہے۔ یہاں پر اب غلام الثقلین نقوی نے مکی، جو کی خوبصورتی کا ذکر کیا ہے کسان گاؤں میں اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ سرسبز فصلیں اور کھیت گاؤں کی خوبصورتی کو اجاگر کرتے ہیں۔ کسان ہی اگر محنت نہ کریں تو کھیت اور فصلیں بھی نہ ہوں ان کی رات

دن کی محنت سے ہی تمام لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں اس لیے زیادہ غلام الثقلین نقوی نے عام طبقے کی بات کی ہے اور ان کے مسائل کو سامنے لایا ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے جہاں خوبصورتی دکھائی ہے وہاں پر ہل چلانے کو بھی دکھایا ہے۔ اس کے علاوہ خالص دودھ، مکھن اور بھینسوں کا ذکر ملتا ہے۔ جہاں پر لوگ سادہ سی زندگی بسر کرتے ہیں جانوروں کو پال کر گزر بسر کرتے ہیں۔

> گاؤں کے لوگ بڑے خوش تھے اور بڑے مصروف تھے۔ گھنٹوں گھنٹوں پانی اور کیچڑ میں ہل چل رہے تھے اور دھان کی پنیری لگ رہی تھی۔ مکی، جوار اور باجرے کی فصلیں مست جوانیوں کی طرح پروان چل رہی تھیں اور نکھر رہی تھیں۔ ۳۰

چاند پور کی نینا میں دیہی موضوع پر حقائق کو کھرید کر سامنے لانے کی سعی کرتے ہیں۔ موسم کی بہار اور بادلوں کا چھایا جانا، سنہری دھوپ کے دلفریب نظارے، سرسبز لہراتے کھیت ان کے داخلی اور خارجی جذبات کو نمایاں کرتے ہے اور قاری کو اس میں کھو جانے کی دعوت دیتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی ایک ایسے قلم کار ہیں جو حقائق سے پردہ اُٹھاتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد عالم خان غلام الثقلین نقوی کے بارے میں یہی رائے ظاہر کرتے ہیں کہ غلام الثقلین نقوی ایک خوبصورت کہانی بُننے کا فن رکھتے ہیں جس سے قاری کا دل اور دماغ دونوں مُٹھی میں کر لیتے ہیں اور کہانی ختم ہونے کے بعد تک اس کی توجہ کہانی میں مرکوز رہتی ہے۔ غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں گاؤں کی فطری زندگی کا حسن بیان کیا گیا ہے۔ جس میں دیہاتی فضا کی ایک اپنایت اپنائی گئی ہے وہ اس طرح دیہاتی رنگ کو سامنے لاتے ہیں جس طرح وہ خود بھی سفر کر رہے ہوں اور ساتھ قاری بھی سفر کر رہا ہو۔

معاشی اور معاشرتی مسائل کی کشمکش بھی دکھاتے ہیں۔ ''چاند پور کی نینا'' میں غلام الثقلین نقوی ایک ظلم و جبر کی داستان بھی بیان کرتے ہیں جس میں وہ لال محل میں رہنے والوں کا ذکر کرتے ہیں شاہانہ انداز، پیسے کی ریل پیل بیان کرتے ہیں۔ یہاں پر گاؤں میں پیدا ہونے والے خرافات کو بتایا گیا ہے کہ جب نینا کے حوالے

سے پورا گاؤں اکٹھا ہوا تو ان کے دل میں نینا کے لیے نفرت تھی کہ نینا چاند پور کی لڑکی نہیں یہاں پر جبر اور زیادتی کا نمونہ ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس ناولٹ میں دیہات میں پیش آنے والے تمام مسائل کو سامنے لایا۔ لوگوں کے رویوں اور ان کے کردار کو سامنے لایا۔ لوگوں کے خیالات و جذبات کو بڑی فنی کارگری سے بیان کیا۔ گاؤں سے گہری دلی وابستگی کی بدولت ہی انھوں نے اپنے بیشتر افسانوں یا ناولٹ میں زیادہ تر دیہات کو موضوعِ بحث لایا ہے۔ جس میں خوبصورت مناظر کا بیان اور رنگین بیانی اپنائی ہے۔

پنجاب کے حوالے سے دیہات کی رونق اور خوشبو دکھائی ہے۔ جہاں پر زیادہ تر سرسبز کھیت اور خوبصورت قدرتی مناظر واضح دکھائی دیتے ہیں اور کسانوں کا ذکر بار ہا ملتا ہے۔

شام کا منظر گاؤں میں جب دکھاتے ہیں تو وہاں مینڈکوں اور جھینگروں کا شور و غل سناتے ہیں۔ جگنو کی روشنی رات میں جس طرح امید کا چراغ لگتی ہے اور تنہائی کا منظر سامنے لاتے ہیں۔ رات کی خاموشی کا تاثر ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ شام کی تنہائی اور اداسی کو مختلف چیزوں کا ذکر کر کے سامنے لائی ہے۔ چھوٹی چھوٹی عام جزیات سے کہانی کو پیش کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی کے اپنے الفاظ میں اس شام کے منظر کو یوں بیان کیا گیا ہے ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے اس طرح شام کی تنہائی کو اور چمکنے والے جگنو کی مثال کو سامنے لایا ہے:

> شام کے سائے گہرے ہوتے ہی گاؤں کی تنہائیاں چار گونٹ سے لپک کر آتی ہیں اور جگنو کی طرح چمکنے والے دیوں کی ٹمٹمائیں تنہائی کے تاثر کو نجانے شدید کیوں کر جاتی ہیں۔ جھینگروں کے مسلسل شور اور مینڈکوں کی ٹراہٹ کے باوجود تنہائی گہری ہوتی رہتی ہے اور پھر دل میں اُتر آتی ہے اور اس لمحے دل اندھیرے پنجرے میں بند پرندے کی طرح بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ ۳۱

جہاں پر وہ اداسی میں ڈوبی ہوئی شام کا منظر دکھاتے ہیں وہاں پر موسم بہار کا بھی پیغام سناتے ہیں جس سے ہر طرف رونق اور دل میں بھی بہار کا منظر اُمڈ آتا ہے ہر طرف کھیت اور سبزہ نظر آتا ہے۔ ہر طرف گندم کے لپکنے کے آثار اور کسان درانتی اٹھائے اس کو کاٹنے کے لیے تیار دکھائی دیتے ہیں۔ جس سے پرندوں کی چہچاہٹ بھی خوبصورت نظارے اور بہار کی آمد کا منظر دکھاتے ہیں۔

اس ناولٹ میں بظاہر غلام الثقلین نقوی نے ایک محبت کی کہانی کو دیہات کے معاشرے کے حوالے سے دکھایا ہے جہاں پر دیہات میں خورشید اور نینا ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں مگر نینا کا گاؤں میں رہنا کسی کو اچھا نہیں لگتا اور خورشید اپنے گاؤں کو چھوڑ کر ایک کسی مقام تک فائز ہونے کے لیے شہر جاتا ہے۔ جس میں ساتھ ساتھ غلام الثقلین نقوی نے تنہائی اور خوشی دونوں پہلوؤں کا تعلق دل کی گہرائی سے جوڑا ہے۔ جب خورشید کا دل خوش ہوتا ہے تو اسے گاؤں کے نظارے بھی اچھے لگتے ہیں اور جب نینا سے جدائی کا اثر شامل ہوتا ہے تو یہی شام اسے تنہائی کا پیغام سناتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے دیہات کی تہذیب کو پوری طرح دیکھا ہوا ہے اور ان کا مشاہدہ ایسا ہے کہ وہ اس زندگی میں کھو جاتے ہیں اور ڈوب کر گہرائی کی شدت سے حسن کو نکالتے ہیں ان کے ہاں انسانیت کے لیے دردمندی اور پیار کا جذبہ امڈتا ہوا نظر آتا ہے۔

ناولٹ میں جہاں غلام الثقلین نقوی نے گندم کو خوبصورت دکھایا ہے جب وہ پک کر تیار ہوتی ہے تو سونے کی مانند نظر آتی ہے۔ چاند پور میں ایک اور حسین شام کا منظر اور ہرے بھرے کھیت غلام الثقلین نقوی بڑے پیارے انداز میں سامنے لائے ہیں۔ جس طرح پنجاب کے دیہات کا بخوبی ذکر ملتا ہے۔

موسم بہار کی آمد اور کسانوں کا پہلے سے فصل کو کاٹنے کے لیے تیار رہنا ان تمام باتوں کا ذکر کرنا اور ناولٹ میں بھی ان کو عام زندگی کی طرح صاف صاف بیان کرنا ان کے جذبات کو ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح غلام الثقلین نقوی نے گاؤں سے گہری وابستگی کی بدولت گاؤں کے مناظر میں ڈوب کر اور بلکہ ابھر کر بھی انسانیت کے جذبات کی عکاسی کی ہے اور دردمندی کا جذبہ اور لگاؤ ظاہر کیا ہے چاہے جس بھی طبقے کے لوگ

ہیں ان کے مسائل کو سامنے لایا ہے کسان کا غربت میں رہ کر گزارہ کرنا اور پھر خواب دیکھنا کہ کچھ محنت کر کے کسی مقام پر فائز ہو سکے اور جاگیر داروں کا نچلے طبقے کو کچھ نہ سمجھنا اور ان کی عزت کی بھی پروانہ کرنا انھیں حقیر جاننا اِن سب انکشافات سے پردہ اٹھایا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے جہاں ناولٹ میں خوبصورت گاؤں کے کھیت کا ذکر کیا ہے وہ یوں ہے:

> میں چاند پور کی حسین شام کا تصور کرنے لگا اگرچہ بہار کا موسم گزر چکا تھا اور گندم کے سنہری کھیت کسان کی درانتی کا انتظار کر رہے تھے۔۔۔ اس کے دونوں طرف گندم کے کھیت تھے جن پر اپریل کی دھوپ سنہرا غبار بن کر چھائی ہوئی تھی اور کھیتوں سے خوشبو اُٹھ رہی تھی اور درختوں پر پرندے چہچہا رہے تھے۔ ۳۲

خورشید اس سارے گاؤں کے خوبصورت نظارے کو دیکھنے کے باوجود دل میں اداسی لیے بیٹھا ہوا تھا کہ نینا کے بغیر چاند پور کی خوبصورتی بے معنی ہے۔ نینا سے ہی چاند پور میں بہار ہے۔ اس طرح بہار کے ساتھ غم والم کا بھی پیغام دکھایا گیا۔

اس ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے گاؤں میں آمد و رفت اور رہائش کا جس انداز میں ذکر کیا ہے اس میں دیہی معاشرت کی عکاسی بھرپور انداز میں جھلکتی ہے جہاں غریب کسان کا بیٹا باپ کے کہنے پر پٹوار نہیں بنتا بلکہ اس کے اندر ایک جذبہ موجود ہے کہ وہ تعلیم حاصل کر کے کسی اعلیٰ منصب پر فائز ہو سکے۔ اس کے اندر جو لگن موجود ہے وہ اسے گاؤں سے دور شہر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ جس سے غلام الثقلین نقوی قارئین کے اندر بھی شوق اور جذبہ دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس میں انسانی خواہشات کو پورا کرنے کا ذوق رومانی انداز میں کرنے کا رجحان ملتا ہے۔ اس رومانی انداز میں رہ کر ناولٹ میں دیہات کی بھی حقیقت نگاری اور منظر نگاری کو دکھایا ہے۔

شمیرا:

غلام الثقلین نقوی کے تینوں ناولٹ میں دیہات کا موضوع پایا گیا ہے۔ تینوں میں ہی گاؤں کی خوبصورتی اور دیہی معاشرت کی عکاسی ملتی ہے۔ غلام الثقلین نقوی کا یہ ناولٹ "شمیرا" فیوڈل ازم سسٹم کی مثال پیش کرتا ہے۔ ۱۹۵۳۔۱۹۷۵ء کے دور تک کی کہانی اس میں بیان کی گئی ہے۔ جہاں پر دیہات میں تعلیم کا نظام پہلے قائم نہیں تھا۔ آزادی سے پہلے تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی۔ آزادی کے بعد نظامِ تعلیم کو بہتر بنانے کی طرف غور و فکر اپنایا گیا۔ تعلیمی اداروں کو فروغ دینے کی سعی دکھائی گئی ہے۔

غریب طبقہ مظلوم و کمزور دکھایا گیا ہے۔ جاگیر داری نظام کی لپیٹ میں پورا گاؤں آیا ہوا ہے۔ سب پر انھی کا راج چلتا ہے۔ عوام کی کوئی فکر نہیں سب ان کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اپنے حق رائے کے لیے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

اس ناولٹ میں بامقصد کہانی بیان کی گئی ہے۔ جس میں حیات پور گاؤں کا ذکر کیا گیا ہے اس میں جاگیر دارانہ نظام کا تذکرہ ملتا ہے۔ امیر کے ہاتھ میں عوام کی ڈور ہے۔ جس نظام کی لپیٹ میں ایک شریف آدمی آجاتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی اس ناولٹ میں کچھ اس طرح کی کہانی پیش کرتے ہیں جس میں ایک شریف مدرس کی کہانی ملتی ہے۔ جو کہ بدلی ہو کر حیات پور گاؤں آتا ہے۔ تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دینے کے لیے اسے گاؤں میں بھیجا جاتا ہے۔ اور سٹیشن پر جب وہ سفر کرنے کے لیے جاتا ہے تو جو تانگہ اسے دکھائی دیتا ہے وہ بڑا عالی شان ہوتا ہے پوچھنے پر پتہ چلتا ہے کہ یہ تانگہ سردار الہ داد کا ہوتا ہے جس کی محکومیت گاؤں میں پھیلی ہوئی تھی۔ سردار کی اجازت پر اسے تانگے میں بیٹھا دیا جاتا ہے۔ سفر شروع ہوتا ہے اور سردار کا نوکر اسے بتاتا ہے کہ سردار ہی گاؤں کا حاکم ہے اس کے حکم پر تمام نظام چلتے ہیں۔ وہ راستے میں سفر کرتے ہوئے جب سکول کے پاس پہنچتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ ماسٹر کو سکول نہیں بلکہ ڈیرے پر لے چلو۔ وہاں پر اس مدرس پر بھی زبردستی عائد ہونا شروع ہو جاتی ہے اور وہ ہمت و حوصلہ کے باوجود مجبور ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔

ماسٹر جوانی میں ہمت کے باوجود ظلم و جبر کے آگے نہیں بول سکتا اور آخیر عمر میں بھی جب دوبارہ اس گاؤں میں مقصد کے تحت آتا ہے کہ نظام تعلیم کو بہتر بنائے گا پھر شکست کھا جاتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے یہاں پر جہاں گاؤں میں پیش آنے والے حقائق سے پردہ اٹھایا ہے وہاں گاؤں کی خوبصورتی کو بھی قلم بند کیا ہے۔ جس طرح ماسٹر فاروقی سفر کر کے گاؤں میں پہنچتا ہے وہ ان کا اپنا بیان ہے۔ جب ماسٹر پلیٹ فارم پر پہنچتا ہے تو اسے سر سبز کھیت دکھائی دیتے ہیں۔ مزدور اپنے کاموں میں مگن نظر آتے ہیں۔ شدید گرمی میں بھی اپنا فرض نبھا رہے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی احترامِ آدمیت کا پاس رکھتے ہیں۔ وہ تمام انسانوں کے ساتھ دکھ سکھ کے ساتھی ہیں۔ انھیں اپنا دکھ سمجھ کر ہمدردی کا جذبہ دکھاتے ہیں۔ جس طرح ڈاکٹر اے بی اشرف نے غلام الثقلین نقوی کے حوالے سے ظاہر کیا کہ ان کے اندر انسانی ہمدردی کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

> دراصل نقوی کے ہاں ایک ضابطہ اخلاق ہے، احترام آدمیت کو وہ آدمیت کی معراج سمجھتے ہیں کسی طبقے کا انسان ہو، نقوی اسے محسوس کرتے ہیں، یہی دردمندی خلوص اور انسان دوستی کے جذبات ہیں۔ ۳۳

ناولٹ کے اس پیراگراف میں غلام الثقلین نقوی نے کھیت اور کام کرنے والے مزدوروں کا نقشہ کھینچا ہے۔ غلام الثقلین نقوی کی دلی وابستگی گاؤں سے ہونے کی وجہ سے ان کے افسانوں، ناولٹ اور ناول تینوں میں دیہات کی عمدہ مثال بن کر سامنے آتی ہے۔

گاؤں میں زیادہ تر سفر کے لیے تانگے کا ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی نشاندہی ملتی ہے لوگ سفر کر کے شہر جانے کے لیے اسی کا استعمال کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ عوام غربت میں گزارہ کر رہی ہوتی ہے۔ کچھ سڑکیں اور فصلوں سے بھرے لہراتے کھیت دکھاتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی دیہات کی خوبصورتی جب واضح کرتے ہیں وہاں کھیتوں کی خوبصورتی اور مہک کو سامنے لاتے ہیں۔ ٹوٹی پھوٹی سڑکوں سے سفر کرنا مشکل کا باعث ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ گاؤں کی ہریالی کو بھی پیش کر کے دونوں مناظر کو قاری کے سامنے لا کر رکھ دیتے ہیں۔

پنجاب کے دیہات کا منظر پیش کرنے میں فصل کی خوبصورتی کو بھی سامنے لاتے ہیں۔ حیات پور میں جس طرح ماسٹر سفر کرنے کا حال بیان کرتا ہے۔ اس کے ذہن میں جس طرح کی کیفیات غلام الثقلین نقوی نے ابھاری ہیں۔ ان کو غلام الثقلین نقوی نے یوں ناولٹ میں الفاظ کے چناؤ سے واضح کیا ہے تاکہ قاری ان مناظر کو دیکھ سکے اور سچائی کا بیان کر کے حقیقت سے آگاہ ہو سکے لکھتے ہیں:

> پتلی سی سڑک جگہ جگہ سے ٹوٹ چکی تھی۔ ہچکولے پر ہچکولا لگ رہا تھا لیکن ہڈی پسلی کے ایک ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔ سڑک کے دونوں طرف گندم کی فصل کی کٹائی قریب قریب مکمل ہو چکی تھی۔ کہیں کہیں گاہی کے لیے کھلیاں بھی لگے ہوئے تھے۔ خالی کھیتوں میں تیز دھوپ لہرا رہی تھی۔ کہیں کہیں بگولے بھی اُٹھ رہے تھے۔ ایک جگہ ویٹ تھریشیر بھی چل رہا تھا۔ کسی کسی کھیت میں شٹالے بھی برسیم کی ہریالی بھی تھی۔ ۳۴

ماسٹر فاروقی تانگے میں سفر کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ گاؤں کے نظاروں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کچی سڑکوں پر سفر کر کے ہچکولے کھاتا اور خستہ حالات گاؤں کا منظر پیش کر رہے تھے وہاں پر سرسبز اور لہراتے کھیت گاؤں کی خوبصورتی کا نقشہ کھینچ رہے تھے۔

یہاں پر اب غلام الثقلین نقوی نے ان تمام حقائق سے پردہ اٹھایا کہ کس طرح ایک شریف مدرس سفر کر کے گاؤں کی طرف آتا ہے اور راستے کے مناظر کو دیکھ کر خوش بھی ہوتا ہے اور وہاں کچے راستوں کو دیکھ کر اور معیارِ تعلیم نہ بہتر ہونے پر دردمندی کا جذبہ بھی رکھتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے اس حقیقت کو گاؤں کے تناظر میں رہتے ہوئے دکھایا ہے کہ ایک جاگیر داری نظام کی لپیٹ میں کوئی بھی شخص جو اس گاؤں میں آتا ہے وہ اس جبریت کا شکار ہوتا ہے۔ اس ماحول میں کس طرح کی مشکلات کا سامنا اسے کرنا پڑتا ہے یہ تمام مسائل اور ان سے آگاہی کا سامنا غلام الثقلین نقوی نے کرانے کی کوشش کی ہے۔ ماسٹر کو علامت کے طور پر دکھایا ہے کہ جبر کے ہاتھوں انسان کس طرح مجبور ہوتا ہے۔ ماسٹر کو جب رئیسی تانگے میں سفر کرنے کا موقع ملتا ہے تو اس کے ذہن میں جن خیالات کا ذکر آتا ہے یا جس طرح سفر کا نقشہ کھینچتا ہے۔ اسے غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں یوں شامل کیا ہے:

> اور جب وہ رئیسی تانگے کی پچھلی سیٹ پر حیات پور کے زمیندار کے ایک محافظ کے ساتھ بیٹھ کر اس سڑک پر سے گزرتا تھا تو یہ سڑک کچی تھی۔۔۔ کیکر، اوکاں اور شیشم کے بڑے بڑے گھیر والے اور پرانے اور موٹے تنوں والے درخت اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ تانگہ سڑک کی گہلوں میں چل رہا تھا۔ ۳۵

ناولٹ میں جبریت کا نشانہ اس وقت دکھایا گیا جب ماسٹر حیات پور آیا تو اسے لگا کہ اب اس پر اپنی مرضی معنی نہیں رکھتی بلکہ جس گاؤں میں آیا ہے ان کی مرضی کے مطابق اسے رہنا ہو گا۔

جب وہ تانگے میں سوار ہو کر حیات پور کی طرف آتا ہے اور راستے میں جس سکول میں اس نے تعلیم کے فرائض انجام دینے تھے وہاں پر اس نے اترنے کا کہا تو سردار کے کہنے پر ملازم نے کہا کہ سردار کا حکم ہے کہ آپ کو سکول نہیں اترنا آپ کو ڈیرے لے کر جانا ہے تب ماسٹر کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات رونما ہونا شروع ہو گئے۔ تب اس فاصلے کا جو سکول اور ڈیرے کے درمیان تھا اسے جبر کا راستہ لگا۔ جہاں پر اس کی آزادی دباؤ میں آگئی اور اس کا دل بوجھل ہو گیا۔ تانگہ سفر کرتا ہوا سکول کے کچے کمروں سے بھی ہو کر گزرا جہاں پر ویرانی اس بات کا ثبوت پیش کر رہی تھی کہ جیسے یہاں پر کوئی تعلیمی ادارہ نہیں ہے بلکہ ایک پرانی عمارت ہے جو گاؤں سے الگ کوئی جگہ ہے۔ جیسے یہ سکول گاؤں کا حصہ نہیں۔ ٹوٹی پھوٹی عمارت اور ویران سی عمارت پر سکول قائم تھا۔ غلام الثقلین نقوی نے بڑی عمدگی سے اور نازک بیانی سے تمام واقعات کو سمویا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کا یہ ناولٹ ہمیں ان کی سادہ بیانی پر بات کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے کہ کس طرح غلام الثقلین نقوی نے عام حقائق اور چھوٹے چھوٹے مناظر سے تہہ تک پہنچنے کی سچی لگن دکھائی ہے ایک اعلیٰ فکری شعور رکھنے کی بدولت ہی وہ عام طبقے کے ساتھ گھل مل گئے ان کے دکھ میں شریک دکھائی دینے لگے۔ ان کا یہی تہذیبی رویہ انھیں دوسروں سے ہمدردی جگانے کا ہنر فراہم کرتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے بے شک سادگی اور جزئیات نگاری سے کام لیا ہے مگر اس سے بھی ان کے ہاں بہت سے نچلے درجے اور اونچے درجے کے مسائل کھلتے ہوئے سامنے آتے ہیں۔ ڈاکٹر انوار احمد کے مطابق بیان کریں تو غلام الثقلین نقوی کو وہ بھی سادہ لوگوں کے لکھاریوں میں شمار کرتے ہیں۔ اِن کے ہاں سادہ زندگی اپنے جوہر دکھاتی ہے جس سے دیہی معاشرے سے پردے اٹھتے ہیں اور قاری بھی اِن مسائل کو دیکھ لیتا ہے اور وہیں پر گاؤں کی فطری رنگینیوں سے بھی پردہ اٹھاتے ہیں جو لوگوں کے دلوں میں اخلاقی اقدار کا جذبہ پیدا کر سکے۔ جس کے دل میں قدر اور جذبہ رونما ہو گا وہی معاشرے کی بھلائی کے لیے رائے ظاہر کر سکتا ہے۔

جس طرح غلام الثقلین نقوی کے ہاں سادگی کے ساتھ موضوعات کا چناؤ کیا گیا ہے وہاں پر سادگی میں ہی بڑے حقائق سے سچائی کے ساتھ پردہ اٹھایا گیا ہے۔ جیسے ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی ماسٹر کی ذہنی کیفیت کا سکول کو دیکھ لینے کے بعد بتاتے ہیں کہ سکول کا حال بہت خراب دکھایا گیا ہے۔ جس کا ٹھیک ہونا، بہت ضروری تھا اس کے برعکس اس محل کی جو کہ گاؤں میں واقع تھا جہاں پر اس گاؤں کا سردار راج کرتا تھا جس خوبصورتی اور اعلیٰ شان کا وہ محل منظر پیش کر رہا تھا اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس گاؤں میں کسانوں اور محنت کش طبقے کو ظلم اور جبر کا نشانہ بنایا جاتا رہا اور تعلیمی ترقی کی بجائے غربت میں ڈوبے لوگ بے بس اور مجبور دکھائے گئے۔ محل جو کہ حیات پور میں ہی سکول سے کچھ فاصلے پر قائم و دائم تھا۔

ناولٹ میں جب کہانی میں اتار چڑھاؤ دکھاتے ہیں تو اس کے ساتھ جہاں کھیت کا ذکر ہوا ہے وہاں پر جانوروں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ یہاں پر سردار کے ملازموں کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ بکھاں جو کہ ماسٹر کو روزانہ کھانا دینے آتی تھی اس نے بھینس رکھی ہوئی تھیں۔ یہاں پر ایک حقیقت کو بخوبی دکھاتے ہیں جس طرح

گاؤں میں لوگوں نے مویشی پالے ہو تے ہیں اور انھیں پر گزر بسر کرتے ہیں۔ بکھاں کی بیھنس کی تعریف وہ اپنے کردار کے منہ سے کچھ اس انداز میں کراتے ہیں لکھتے ہیں:

> بکھاں نے " مجھ " رکھی ہوئی ہے۔۔۔اتنی سوہنی "مجھ" تو نے پہلے کبھی نہ دیکھی ہو گی۔۔۔ بکھاں اپنی "مجھ" کو اپنی چھوہر (بیٹی) کہتی ہے اُسے بناتی سنوارتی رہتی ہے۔اس کے سینگوں پر تیل ملتی ہے۔۳۶

غلام الثقلین نقوی کا دیہات فطری نظاروں سے بھرپور ہے جہاں پر زندگی کی حقیقتوں کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ دیہاتی فضا میں اتنی اپنائیت شامل ہے کہ یہاں پر جبر کے باوجود خوشی کا بھی لمحہ میسر ہوتا ہے۔ محنت کش محنت کرنے کو ہی اپنا حق سمجھتے ہیں۔ دیہاتی زندگی اور وہاں کے مسائل و معاملات کو پس منظر کے طور پر بھی بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عام زندگی کی تصویر کو دیہاتی زندگی کے دائرے میں رہ کر بیان کیا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں بتایا کہ قیامِ پاکستان کے بعد حیات پور میں تعلیم کا فروغ سامنے آیا۔ تب وہاں پر سکول قائم ہوئے جب چیف منسٹر جو کہ پنجاب کا جاگیر دار تھا تو پھر اس نے سکول کے لیے جگہ دی اور سوچا کہ دیہات مین بھی سکول کھلنے ضروری ہیں۔ اس ناولٹ میں زیادہ تر جس گاؤں کا منظر نامہ پیش ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے وہ زیادہ تر اس بات کا ہی ثبوت دیتا ہے کہ حیات پور میں ایک تو فیوڈل ازم سسٹم رائج تھا۔ دوسرا تعلیم کے فروغ کا اتنا شعور نہیں تھا۔ حیات پور کے مالک کے پاس بہت زمینیں تھیں وہ ایک امیر چیف منسٹر تھا۔

غریب عوام کا ایک طرف حال دکھایا گیا کہ عوام جن کے پاس کھانے کے لیے روٹی نہ تھی وہ تعلیم کیسے حاصل کرتے امیر کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں اور غربت سہنے والے محرومیوں کا شکار ہی ہوتے رہتے ہیں جبکہ ان بچوں میں دوسرے بچوں کی نسبت تعلیم کا زیادہ جذبہ اور لگن دیکھنے کو ملتی ہے۔

دیہات میں صبح کا خوبصورت نظارہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ لوگ اپنے کاموں سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ صبح کے وقت سے معمولِ زندگی شروع کرتے ہیں اور دن تک کسان محنت میں مگن رہتے ہیں۔ ان کے اندر سچی لگن اور محنت کا سچا جذبہ موجود ہوتا ہے۔

چھٹیوں کے بعد جب گاؤں چھوڑ کر ماسٹر گھر کے لیے روانہ ہونے لگا تو تانگے پر بیٹھ کر شہر کی طرف سفر کو نکل گیا۔ گاؤں سے نکلتے ہوئے خوبصورت نظارے دکھائی دینے لگے۔ کھیت اور درخت جن پر پھل لگے ہوئے روح افزا مقامات کا منظر پیش کر رہے تھے۔ یہ سب منظر غلام الثقلین نقوی ناولٹ میں کچھ اس انداز میں دکھاتے ہیں:

> گاؤں سے نکلتے اور کھیتوں میں سے گزرتی ہوئی سڑک پر ہو لیے، جہاں سایہ نہیں تھا۔ سامنے کی دھوپ سے چہرہ جھلسنے لگا۔ تب سڑک الگ موڑ پر "پھسکے کی کچی دیوار کے متوازی چلنے لگی۔ دیوار کے اندر آم اور جامن کے درخت تھے۔ کچھ کچی امبیاں اور کچے جامن سڑک پر گرے ہوئے تھے۔ دو چار فرلانگ چلنے کے بعد باغ کا پھاٹک آیا، جو بند تھا۔۔۔ باغ کے اندر کا منظر ایک نظر میں نہیں سما سکتا تھا۔ بڑا طویل و عریض باغ تھا اس کے ایک حصے میں مالٹے کے پودے تھے جو دور تک چلے گئے تھے اور اس کے متوازی قلمی آم لگے ہوئے تھے۔ دیوار کے ساتھ لگے ہوئے آم کا ٹھے تھے اور خاص سالخوردہ معلوم ہوتے تھے۔ دیوار کے متوازی یوکلپٹس کے نوخیز پودے تھے جو ابھی درخت نہیں بنے تھے۔[۳۷]

اس طرح کے تمام مناظر مسافر کے ذہن میں نقش ہو گئے تمام حیات پور گاؤں کی خوبصورتی سرسبز باغات، درخت اور کھیت اسے یاد آئے۔ وسیع و عریض مالٹے اور آم کے درخت اس کی جذباتی کیفیت کو کھول کر سامنے لا رہے تھے۔ قدرتی مناظر کی یہ خوبصورتی دیر تک اس کے اعصاب پر چھائی رہی۔

جس وقت وہ جوانی میں حیات پور آیا تھا تو ہمت کے باوجود ظلم اور جبریت کے زمرے میں آ گیا اور اپنے ذہن میں ارادے بنا رہا تھا کہ اس حیات پور گاؤں میں ایسا نہیں ہونا چاہیے مگر وہ مجبور تھا جب بڑھاپے میں

دوبارہ قسمت اسے گاؤں میں لے آئی تو اس نے تہیہ کیا کہ وہ اب اس گاؤں سے یہ جارحانہ رویہ ختم کر دے گا اور تعلیم کو عام کرے گا۔ حیات پور گاؤں کی محکومیت صرف امیر کو ہی نہیں حاصل ہو گی بلکہ عام طبقے کو بھی اس گاؤں میں زندگی گزارنے کا آزادی رائے کے ساتھ پورا پورا حق دلائے گا مگر وہ جوانی میں بھی وقت کے ہاتھوں مجبور دکھایا گیا اور بڑھاپے میں بھی حیات پور سے شکست کھا گیا۔ اس کے ارادے کامیاب نہ ہو سکے۔

اس طرح ناولٹ "شمیرا" میں غلام الثقلین نقوی نے جس خوبصورتی کے ساتھ دیہاتی رنگ کو پیش کیا ہے۔ حقائق پر سے پردہ اٹھایا ہے جس سادگی کے ساتھ غلام الثقلین نقوی نے امیر اور غریب طبقے کے فرق کو واضح کیا ہے۔ امیر اور غریب لوگوں کے زندگی کے ہر معاملات میں متفرق عمل دخل کو ثابت کیا ہے۔ یہ ناولٹ ایک فیوڈل ازم نظام پر ایک بڑا ثبوت دینے والا ناولٹ گردانا جاتا ہے۔ جس طرح ایک شریف آدمی کی زندگی گاؤں میں آتے ہی سردار کے حوالے سے شروع ہوئی اس کی باتوں کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہونے کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

ایک ماسٹر کے ذریعے یہ جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہمت کرنے سے انسان کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ماسٹر کی کوشش اور خواہش کے ذریعے دیگر افراد میں بھی جذبہ جگانے کی بھرپور کوشش جگائی گئی ہے کہ وہ بھی اپنے حق کو استعمال کریں اور حالات کا مقابلہ کریں۔

گاؤں میں صرف امیروں کی حکومت نہ ہو بلکہ ایک عام آدمی کا گاؤں ہو۔ جہاں پر طبقوں کی تفریق نہ ہو۔ کسانوں کو یا مزدوروں کو ان کے حق کے مطابق ملنا چاہیے۔ انھیں کسی سے کم تر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس گہری فکر اور سوچ کو لے کر اس ناولٹ کو آگے بڑھایا گیا۔ نظامِ تعلیم کی درستگی کے لیے کوشش دکھائی گئی۔

ماسٹر کو بھی غلام الثقلین نقوی نے اس جبریت سے نکلنے کے لیے جدوجہد کرتا ہوا دکھایا لیکن اس ظلم اور جبریت کی گرہیں اس قدر پھیل چکی تھیں کہ ماسٹر کچھ بھی نہ بدل سکا۔ اس کی ہمت اور حوصلہ اسے اس جبریت کا نشانہ بننے سے نہ بچا سکے۔ غلام الثقلین نقوی کی لوگوں کے لیے ہمدردی کے جذبات کے حوالے سے

ڈاکٹر محمد عالم خان نے انھیں انسان دوست کہا ہے۔ وہ غمزدہ لوگوں کو خوشیاں فراہم کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے انھیں زندگی کے معاملات سے آگاہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد عالم خان کے الفاظ میں:

> نقوی کے ہاں انسان دوستی کا رویہ بھی نمایاں ہے وہ دکھی انسانوں کو حقیقی مسرتوں سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں اور انہیں ان راحتوں سے آشنا کرواتے ہیں جو ان کی زندگی میں موجود ہوتی ہیں لیکن ان سے لطف لینے کا شعور اور سلیقہ اکثر لوگوں کو نہیں ہوتا۔۳۸

الغرض ناولٹ "شمیرا" میں جاگیر دارانہ نظام کا بھی منظر پیش کر کے دیہات میں امیری اور غریبی کا جو تصور ہوتا ہے اسے دکھانے کی سعی کی گئی ہے۔ جس میں معاشرتی برائیوں کا پھیلاؤ ہوتا ہے۔ امیر عام لوگوں کو کم تر سمجھتے ہیں۔ پیسے کی ریل پیل سے جذبات ختم ہو جاتے ہیں وہ ظلم اور زیادتی پر اتر جاتے ہیں۔ مظلوم کو زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید غلام الثقلین نقوی کے اس جذبے کے حوالے سے یوں بیان کرتے ہیں کہ انھیں شہر کی نسبت دیہات سے لگاؤ تھا۔ انھوں نے دیہات کو ایک ایسے ڈھانچے میں ڈھالا جس سے لوگوں کے مزاج میں خوشی کا رنگ شامل ہو سکے۔ لکھتے ہیں کہ:

> دیہات کی تہذیب شہر کے تمدن سے کافی مختلف ہے۔ دیہات زمین کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ لیکن اس کی نظر ہمیشہ آسمان کی طرف رہتی ہے۔۔۔کسان بھوک اور افلاس کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ دیہات کی اس نوعیت نے ان کے مزاج کو ایک مخصوص ڈھانچے میں ڈھال دیا ہے۔ ان سادہ دل لوگوں کی جذباتی زندگی میں خوشی بلاشبہ اہمیت رکھتی ہے اور غم نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ تاہم دیہاتی معاشرے میں جاگیر داری نظام نافذ تھا اور اس نے آجر اور اجیر کی جس ثنویت کو جنم دیا، وہ ابھی تک پوری طرح نہیں ٹوٹی۔۳۹

اس لیے غلام الثقلین نقوی نے کسان کی محنت اور فصلوں کی خوبصورتی کو سامنے لایا ہے۔ اور تعلیم کے لیے غریب کا بھی ذوق و جذبہ دکھایا ہے۔ تعلیم کے فروغ کا ذکر کیا ہے اور ایک شریف مدرس کی کہانی کو بیان کیا جو اس فیوڈل ازم کی لپیٹ میں آنے سے خود کو نہ بچا سکا۔

شیر زمان:

غلام الثقلین نقوی نے جہاں اپنے افسانوں میں بھی دیہات نگاری کی بھرپور عکاسی کی ہے وہاں پر غلام الثقلین نقوی نے ناول "میرا گاؤں" میں بھی گاؤں کے خوبصورت مناظر سے آراستہ و پیراستہ کیا۔

اسی طرح مزید ان کی دیہات نگاری پر بات کی جائے تو غلام الثقلین نقوی نے اپنے تیسرے ناولٹ میں بھی دیہی زندگی کے موضوع کو چنا۔ غلام الثقلین نقوی کا ناولٹ "شمیرا" بھی ان کی دیہات نگاری سے گہری وابستگی کا بخوبی اظہار ظاہر کرتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے اپنے ناولٹ "شمیرا" میں کشمیر کے حوالے سے بات کی ہے۔ ان کا آبائی وطن "کشمیر" میں ہونے کی وجہ سے ان کا کشمیر سے گہرا تعلق اور لگاؤ ظاہر کرتا ہے ان لیے کشمیر کو بھی اپنے ناولٹ کا موضوع بنایا۔ اس ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے کشمیر کے لیے جدوجہد کا جذبہ جگانے کی ایک کاوش کی ہے۔ اتنے پھیلاؤ والے موضوع کو انھوں نے ناولٹ میں سمویا ہے۔ ناولٹ کے آغاز میں اٹلی اور جرمن کی جنگ کے لیے "شمیرا" کی جدوجہد کا ذکر کیا ہے۔

کشمیر کی خوبصورتی اور کشمیر کے لیے محاذ پر جانے کی تیاریوں کا ذکر ملتا ہے۔ کشمیر کی وادیوں کے دلکش نظارے اور سنبل گاہ گاؤں کی پہاڑیوں اور وادیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے دوسرے افسانہ نگاروں کی طرح کشمیر کے حوالے سے بھی ناولٹ تحریر کیا۔ کرشن چندر کا ذکر کیا جائے تو انھوں نے اپنے ناولٹ میں کشمیر کی خوبصورتی اور کشمیر کے حوالے سے فطری رنگ اور حسن دکھایا ہے۔ کشمیر کے دیہات کی وادیوں کا ذکر کیا ہے۔ ان کا لگاؤ بھی کشمیر کے ساتھ اِن کے افسانوں کے ذریعے زیادہ دکھائی دیتا ہے۔

وہاں پر رہن سہن اور جس طرح کے حالات و واقعات کو دیکھا انھیں ناولٹ میں الفاظ کی مدد سے ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔

ناولٹ "شیر زمان" میں مختلف علاقوں کی خوبصورتی کا ذکر ملتا ہے۔ الفاظ کی گرفت سے خوبصورت مقامات کا نقشہ کھینچا ہے۔ وہ کچھ اس انداز میں دیہاتی فکر اور رنگ کو سامنے لاتے ہیں جیسے خود بھی ان کے ساتھ سفر میں محو ہوں۔ غلام الثقلین نقوی صاحب کا دیہات سے اتنا لگاؤ جس طرح ڈاکٹر انور سدید دکھاتے ہیں کہ دیہات ان کے ساتھ سانس لیتا ہے۔ دیہات کا ان سے کوئی فاصلہ نہیں جیسے:

> دیہات محض ایک خطہ زمین یا دھرتی کا ایک بے جان ٹکڑا نہیں بلکہ سانس لیتا ہوا اور تاثرات کا اظہار کرتا ہوا ایک زندہ مجسمہ ہے جو کسان کے درد کا ساتھی اور اس کے دکھ کا شریک ہے۔ نقوی صاحب اور دیہات کے درمیان کوئی فاصلہ موجود نہیں بلکہ دیہات تو ان کے اندر سانس لے رہا ہے اور اپنے پورے وجود کے ساتھ موجود ہے۔۴۰

لہٰذا اس سے یہ حقیقت بخوبی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ غلام الثقلین نقوی اور دیہات دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں دیہات اِن کے بغیر نامکمل ہے اور یہ بھی دیہات کے بغیر کچھ خود کو نامکمل سمجھتے ہیں۔ ہر پل دیہات کی رنگینیاں ان کے ساتھ جھلملاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ غلام الثقلین نقوی کے ہاں زیادہ بڑا موضوع جو ملتا ہے وہ دیہات نگاری کا ہی ملتا ہے۔ دیہات کا تصور ہی ان کے حواس پر چھایا ہوا ہے۔

دیہات ان کے ہاں اپنی پوری راعنائیاں دکھاتا ہے اور روشنیاں بکھیرتا ہے۔ ان کی فن کاری ان کے افسانوں اور ناولٹ میں اور اس کے علاوہ ناول میں بھی بڑی رونق سے جھلکتا ہوا ابھرتا ہے۔ جس میں ہر طرح کے مسائل پر آواز بلند کی گئی ہے۔

غلام الثقلین نقوی کا اپنا منفرد انداز ہر کہانی میں متفرق ہے ہر کہانی میں مختلف لب و لہجہ اور خوبصورت بیانیہ اظہار کرتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری میں جس طرح "شمیرا" ناولٹ میں گاؤں کے مختلف مقامات کی خوبصورتی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اس میں ان کا ایک الگ نقطہ ء نظر دکھائی دیتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے جہلم کے نام کو (ہری پتن) کہا جاتا تھا سے متعارف کرایا۔ جس طرح جوان سفر کرتے پتن سے پنڈی پہنچا اس کی روداد بیان کی زیادہ تر لوگ سفر پیدل ہی طے کرتے تھے لاریوں وغیرہ پر سفر کرنے کا اتنا عام رواج نہیں تھا۔ زیادہ تر آبادی بھی کم ہی ہوتی تھی لوگ پیدل ہی سفر کر کے شہر جانے کے عادی ہو چکے تھے۔ آسائش میسر نہیں تھیں اس لیے لوگ اپنے آپ کو وقت کے پیمانے کے ساتھ ڈھال لیتے ہیں۔ جس دور کا جس طرح کا نظام ہوتا ہے لوگ اسی کو اپناتے ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ ترقی ہوئی اور زیادہ آسائشیں لوگوں کو ملنا شروع ہوئیں۔

ناولٹ میں جب سنبل گاہ کا ذکر آتا ہے تو پھر اس کے ساتھ اس کا پورا نقشہ کھینچتے ہیں جس طرح سنبل گاہ میں راستے پتھریلے ہیں اور درخت اور سرسبز جھاڑیاں ہیں اپریل کے مہینے کا منظر بیان کیا گیا ہے۔

> دکان کے عقب سے ہی سنبل گاہ کا راستہ پھوٹتا تھا بلکہ پہاڑ پر چڑھتا تھا۔ جبھی تو اسے مقامی زبان میں چڑاہٹھ کہتے تھے۔ نجانے کب سے آدمی نے ان چٹانوں پر چڑھنا اترنا شروع کیا تھا کہ اس کے نقوشِ پا پتھروں کو کھسا کر اس پگڈنڈی کا روپ دھار گئے تھے۔ اس کے دونوں طرف بہکڑ، پھلاہی، گرندے اور جنگلی انار کی جھاڑیاں تھیَ اپریل ابھی نہیں گزرا تھا، چنانچہ جنگلی پھولوں کی خوشبو میں شہد کی مٹھاس رچی ہوئی تھی۔۴۱

پتھریلی پہاڑیوں پر زیادہ چلنے سے قدموں کی چھاپ پڑ گئی وہاں پر پیدل چڑھنے اور اترنے کا راستہ بن گیا۔ اس ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے سنبل گاہ، جہلم وغیرہ سے گزر کر سفر کرنے کا اور وہاں کے رہن سہن سے آگاہی حاصل کی ہے اور ناولٹ میں شامل بحث کیا ہے۔ وادیوں کا خوبصورت نظارہ پہاڑ کی چوٹی سے

ہی ہوتا ہے۔ سنبل اور جہلم کی پہاڑی کی چوٹی سے ان جگہوں کا نظارہ غلام الثقلین نقوی نے کرایا ہے صوبیدار نے جس طرح سفر کیا اور نظارہ دیکھا اسے غلام الثقلین نقوی یوں لکھتے ہیں:

> پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر صوبیدار شیر زمان نے آزاد پتن کی طرف دیکھا۔ جہلم کا پانی چاندی کی طرح چمک رہا تھا پھر اس نے سنبل گاہ کی طرف دیکھا وہاں شام پڑ چکی تھی۔۔۔پکڈنڈی چھوٹے چھوٹے زینہ نما کھیتوں میں بل کھاتی ہوئی ٹھنڈے پانی کے چشمے تک پہنچ گئی۔ ۴۲

ناولٹ شمیرا میں زیادہ تر غلام الثقلین نقوی کی زبانی سنبل گاہ اور جہلم کے نظاروں سے روشناس کرایا ہے جس طرح شمیرا نے سفر کیا اور اپنے حالات و کیفیات کو خود بیان کیا۔ یہ غلام الثقلین نقوی کا خاص فن گردانا جاتا ہے۔ چونکہ ان کا خود کا تعلق گاؤں سے ہی رہا وہاں کے نظام کو اور رنگ و فکر کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ بھڑتھ سے تعلق کی نسبت ان کے دل و دماغ پر بھی پہاڑی سلسلے چھائے رہے تھے۔ ان کے ہاں زندگی میں حرارت اور نغمہ دیہات سے ہی ہو کر گزرتا ہے۔ اسی طرح کے پہاڑی علاقوں میں غلام الثقلین نقوی کا بچپن گزرا۔ رحمان مذنب غلام الثقلین نقوی کے حوالے سے بات کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہ زیادہ تر گاؤں میں ہی پروان چڑھے دیہات کی ہواؤں کا اثر ان پر چھایا ہوا ہے۔ ان کی بصیرت میں گاؤں ہی رچا بسا ہوا ہے۔ رحمان مذنب لکھتے ہیں:

> گاؤں میں پیدا ہوئے۔ گاؤں کی ہواؤں میں پلے بڑھے۔ ہوش و گوش اور بصیرت و بصارت کے ساتھ پروان چڑھے۔۔۔ یہ خوبصورت یادیں ان کے دل و دماغ میں لہراتی بل کھاتی اور لفظوں کے سیل میں تیرتی رہتی ہیں۔ ۴۳

اس ناولٹ میں سفر کا عمل دخل زیادہ ظاہر کیا گیا ہے۔ شام کا اندھیرا اور چاندنی کی چمک خوبصورت منظر بیان کرتی ہیں۔ شمیرا سنبل گاہ میں رہائش پذیر تھا اس لیے اس کے حوالے سے زیادہ تر سنبل گاہ کو ہی نقطہ

نظر میں لایا گیا ہے۔ سنبل گاہ میں جس طرح وہ سفر کر کے جاتا تھا کھیت اور سر سبز باغات جو قدرتی مناظر بیان کرتے ہیں۔ یہ سب گاؤں کا حصہ ہیں اس لیے ہر ناولٹ میں ہی کھیل کھلیان نظر آ گئے۔

اس ناولٹ کی کہانی "شمیرا" کی جدوجہد اور کاوش پر لکھی گئی ہے جو انگریز کے لیے پہلے لڑتا رہا پھر جب وطن واپس آیا تو کشمیر کے لیے ارادہ ظاہر کیا۔ اس ناولٹ میں بھی فطرت پرستی ہی کو پیش کیا گیا ہے۔ تخیل کی رنگ آمیزی کے ساتھ سچائی کو بھی فروغ دیتے ہیں۔ دیہاتی حوالے سے ہی اس ناولٹ کو تحریر کیا گیا۔ ڈاکٹر انور سدید کے بیان کے مطابق دیہات کی خوشبو ان کے اندر رچی بسی ہوئی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

> دیہات سے غلام الثقلین کی محبت اس کی فطری ضرورت ہے۔ اس نے دیہات کی مٹی اور نمک کو اپنے جسم میں رچا بسا لیا ہے۔ اب یہ اس کے خون میں بھی شامل ہو گیا ہے۔ ۴۴

غلام الثقلین نقوی کے ہاں دیہاتی زندگی میں رفتار خلقی طور پر سُست روی کی طرح شامل ہے۔ دیہات کی مٹی سے ان کا گہرا اجذباتی لگاؤ ہے۔ یہ محبت ہی انھیں دیہات نگاری میں زیادہ فکر و خیال کا اظہار کرنے میں کار آمد ثابت ہوتی ہے۔ جن جذبات کی عکاسی میں انسانی فطرت کے جذبات میں شدت دکھائی دیتی ہے وہ بلونت سنگھ کے افسانوں میں تربیت یافتہ نہیں دکھائی دیتی اور غلام الثقلین نقوی کے ہاں بھرپور انداز میں مکمل دکھائی دیتی ہے۔

سر سبز درخت اور پہاڑوں کے نظارے سنبل گاہ کی خوبصورتی میں چار چاند لگا رہے تھے۔ اس طرح سے اس کی خوبصورتی کو واضح کیا گیا ہے۔ جس طرح پورا دیہات آنکھوں کے سامنے آ گیا ہو۔ آسمان کی نیلاہٹ اور ہر طرف ہریالی ہی ہریالی اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ یہ گاؤں اپنے فطری حسن سے بھرپور لبریز ہے اور یہاں پر ایک مکمل دیہاتی حسن نمایاں ہو کر بکھر رہا ہے جو دلوں میں بہار کا منظر پیش کر رہا ہے۔

سنبل گاہ میں شیر زمان نے جس وقت اپنے چچا سے رشتے کے لیے کہا تو جب اس کے چچا نے کہا کہ وہ حوالدار پیندے خان سے بات کرے گا تو اس وقت شیر زمان چونک سا گیا اور اس کے دل میں یہ خواہش پیدا

ہوئی کہ اس کا گھر کس طرح آباد ہو اس کے خیالات میں جو گھر کا نقشہ ابھرا اس میں کھیت اور باڑیاں نظر آئیں ۔ پھل دار درخت اور ہریالی جس سے تازگی کا احساس اور خوبصورتی کا منظر دکھائی دینے لگا۔ غلام الثقلین نقوی نے شیر زمان کے خیالات کو اس طرح سامنے لانے کی سعی کی ہے:

> اس نے اپنی باڑیاں شریکوں سے واگزار کرالی ہیں۔ ان میں رسنے والے چشموں کو ٹھیک ٹھاک کیا ہے۔ کھیتوں کی مینڈھیں از سر نو باندھی ہیں۔ ان مینڈھوں پر انار، ناشپاتی، باڑی اور شہتوت کے پودے لگائے ہیں۔ اپنی باڑیوں کو خود جوتا ہے اور اس کی محنت رنگ لائی ہے۔ اس کے گھر میں مکئی کے سرخ اور سفید دانوں کے انبار لگ گئے ہیں اور انار پر سرخ پھول آگئے ہیں۔ اور باڑی اور ناشپاتی کے درخت سفید پھولوں سے لد گئے ہیں اور شہتوت کی ٹہنیاں اپنے پھل کے بوجھ سے جھک گئی ہیں۔۴۵

اس ناولٹ میں چونکہ شیر زمان کا واضح کردار سامنے لایا گیا ہے۔ اس لیے اس کے خیالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سنبل گاہ جس گاؤں میں وہ رہتا تھا اسی کی خوبصوتی کو سامنے لایا گیا ہے۔ اس کی زندگی سے جڑی ہوئی یادوں میں سنبل گاہ کی خوبصورتی اور اس کی بیوی ریشم جان کی یاد سنبل گاہ سے جڑی ہوئی تھی۔ اس لیے سنبل گاہ میں ہی اس کی رہائش کی وجہ سے سنبل گاہ کا نقشہ شیر زمان کے ذہن پر چھایا رہتا۔

زیادہ تر غلام الثقلین نقوی کے ہاں دیہات کی پیش کش میں عام طبقے پر ہی ملتی ہے۔ جہاں پر کسانوں کی ان تھک محنت اور کھیت کھلیان سے لگاؤ ملتا ہے۔ شیر زمان جب انگریز کی جنگ کے لیے گیا ہوا تھا تو اس کے مکان کی حالت اس کی غیر موجوگی میں بہت خراب ہو چکی تھی۔ اس کے کھیت ویران ہو چکے تھے۔

اس کا گھر ویران اور کھنڈر بن چکا تھا۔ شیر زمان نے ارادہ کیا تھا کہ وہ گھر کی تعمیر کرے گا اسے نئے سرے سے آباد کرے گا۔ اس لیے شیر زمان نے حوالدار کے گھر قیام کرنے کا ارادہ کیا۔ تب اس نے اپنے گھر کی دوبارہ کھودائی کرا کر اسے نئے سرے سے تعمیر کرانے کا فیصلہ کیا۔ حوالدار کی بیٹی سے ملاقات کے بعد اس

نے نیلم سے شادی کی خواہش ظاہر کی اور شادی کا ارادہ کیا تو اس کے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور وہ کھیتوں کی طرف نکل گیا:

> کھیتوں میں گندم کے اکھوے پھوٹ رہے تھے۔ اس کے چچا نے کھیتوں میں محنت نہیں کی تھی۔ کھیتیاں ویران لگ رہی تھی اور مینڈھیں ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔ ان پر درخت نہیں رہے تھے۔۴۶

شیر زمان کی زندگی میں اتار چڑھاؤ سے جس طرح کی باتیں سامنے لائیں گئیں ان کو غلام الثقلین نقوی نے زیادہ تر سنبل گاہ سے پہلے جوڑا اور پھر آزاد پتن کی طرف بھی اشارہ کیا۔ جب شیر زمان نے آزاد پتن جانے کا ارداہ کیا تو ایک طرف اس کے اندر جو گھر بسانے والا جذبہ پایا گیا وہ پھر کشمیر کے لیے بدل گیا۔ وہ کشمیر کی خاطر جدوجہد کے لیے تیار ہوا۔ آزاد پتن اور سنبل گاہ کا راستہ جس طرف سے ہو کر گزرتا اسے معلوم تھا۔

جب محاذ پر جانے کا ارادہ کیا تو شیر زمان صبح سویرے اٹھ کر اڈے پر چلا گیا پاس دکان تھی وہاں پر دکاندار نے کہا کہ یہاں پر تو پلندری جانے کے لیے لاری کبھی کبھار ہی آتی ہے۔ وہ پلندری اس لیے جا رہا تھا کہ اسے وہاں پر کشمیر کی فوج سے ملاقات کرنی تھی اور فوج میں شامل ہونا تھا۔ وہاں سے ایک جیپ گزری تو انھوں نے شیر زمان کو بھی بیٹھا لیا۔ جیپ پہاڑی راستوں سے درختوں سے گزرتی ہوئی سفر کرتی گئی۔ وادی کا سفر کرنے میں جس طرح کے راستوں کا ذکر کیا گیا اور جہاں سے جیپ گزر کر گئی انھیں غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں شیر زمان کے میں بیان کیا۔

اس ناولٹ میں دیہی معاشرت کی عکاسی میں کشمیر کے حوالے سے زیادہ تر ذکر ملتا ہے جس میں شیر زمان کا رول اہم ہے اسی کے لحاظ سے پہلے سنبل گاہ، آزاد پتن اور پھر پلندری جانے کا راستہ دکھایا گیا اور ان علاقوں کے مقامات وہاں پر سرسبز پہاڑ اور کھیت دکھائے گئے جو کہ دیہات کا منظر پیش کرتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی نے وادیوں میں درختوں کی چھاؤں اور پہاڑی علاقہ جس پر چڑھ کر پورا علاقہ صاف صاف دکھائی دیتا مغرب سے مشرق یا مشرق سے مغرب تک دونوں وادیوں کا منظر الگ الگ دکھانے کی

کوشش کی جب وہ پلندری جارہا تھا تو ایک وادی راستے میں آئی جہاں پر ویرانی سی لگی اور پُر اسرار مناظر دیکھنے کو ملا۔ اسے خچر یاتری کے حوالدار نے کہا کہ یہ وادی دشمنوں کی فصیل ہے۔

> پہاڑ کے دامن میں ایک نالا بہہ رہا تھا، پایاب پتھروں سے ٹکرا کر دھیمی سی گنگناہٹ پیدا کر رہا تھا۔۔۔ وادی کے کھیت اجڑے ہوئے تھے، مکانوں کی چھتیں گری ہوئی تھیں، دیواروں میں دراڑیں تھیں۔ اکثر پھل دار درخت جل گئے تھے اور ان کے ٹھنٹھ کھڑے تھے۔ وادی میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی ۔۔۔ صوبیدار نے پہاڑی کو غور سے دیکھا۔ اس کی چوٹی پر ابھی دھوپ نظر آرہی تھی لیکن ڈھلانوں پر اور کھڈوں میں شام کا سایہ گہرا ہو چکا تھا۔ ۳۷

ایک طرف جہاں پُر کیف نظارے دکھائے ہیں وہاں پر وادی کو ویرانی میں اجڑی ہوئی آبادی دکھاتے ہیں۔ جہاں پر پرندے بھی نہ دیکھیں ہوں گھر کی چھت پر گر گئی ہو۔ دیواروں میں بھی دراڑیں نظر آرہی تھیں۔ درخت جن پر پھلوں کی بہار تھی وہ بھی جل کر راکھ ہو گئے تھے۔ ایک خاموشی کا پہرا پوری وادی پر چھایا ہوا تھا۔

اس علاقے میں جہاں پہلے خوبصورتی تھی وہاں پر اب ویرانی کی گہرائی نظر آرہی تھی۔ غلام الثقلین نقوی نے اس ناولٹ میں دیہات کو اس روپ میں دکھایا جہاں پر کبھی ہریانی اور کبھی ویرانی چھائی ہوئی تھی یہ سب اس وجہ سے تھا کہ یہاں پر محاذ کی وجہ سے ویرانی چھا گئی۔ تباہی و بربادی اور دشمنی نے گاؤں کو ویران کر دیا۔

اس طرح اس ناولٹ میں کہیں خوبصورتی اور پیار نے جگہ بنائی تو کہیں ویرانی اور خاموشی سے غم کی چھاپ دکھائی گئی ہے۔ اس ناولٹ میں ماضی اور حال کا بیان ملتا ہے جس میں دیہات یادِ ماضی اور حال دونوں کیفیتوں کا بیان بن کر سامنے آتا ہے۔ ماضی اور حال کے بیان کے حوالے سے ڈاکٹر محمد عالم خان لکھتے ہیں:

نقوی نے دیہات نگاری میں اپنا ایک منفرد مقام پیدا کیا ہے زندگی کی حقیقتوں اور اس کے حُسن اور لطافتوں کے آمیزے سے انہوں نے خوبصورت کہانیاں تخلیق کی ہیں۔۔۔ نقوی نے واقعات کو ماضی اور حال کے حوالے سے اس فنی چابکدستی سے پیش کیا ہے کہ ان کے فن کا ایک عمدہ نمونہ بن گیا ہے۔۴۸

الغرض غلام الثقلین نقوی کے تینوں ناولٹ میں ان کی دیہات نگاری کے حوالے سے جائزہ لینے سے یہ تمام باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں کہ ان کے ہاں کس طرح کے موضوعات میں تنوع زیادہ ملتا ہے اس میں انھوں نے پنجاب کے دیہات کی فطرت نگاری کو سمویا ہے جس میں رنگینی، تازگی اور خوبصوت مناظر اور حقیقی گاؤں کی تصویر سامنے لائی ہے۔ گاؤں کے مناظر کو ناولٹ میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ جس میں رومان بھی شامل ہے۔ رومان کا دائرہ انھوں نے "چاندپور کی نینا" میں دیہات سے چنا ہے۔ انسانی فطرت اور ان کے جذبات کی ترجمانی کرنے کے لیے غلام الثقلین نقوی نے اپنے ناولٹ کو ذریعہ بنایا۔

قاری کے دل و دماغ تک یہ تمام باتیں ناولٹ کے ذریعے داخل کیں ان کا یہ فن ہی ان کا جذبہ گاؤں کے ساتھ جڑا ہوا دکھاتا ہے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک عمر کا ایک بھرپور حصہ گاؤں میں گزرنے کی بدولت ہی گاؤں کی ایک ایک چیز ان کے ذہن میں نقش ہو چکی تھی۔ جو ان کو دوسرے ناولٹ نگاروں کے ساتھ دیہات نگار کے طور پر سامنے لاتی ہے۔

حقائق کی درستگی اور سچائی اور زندگی کی عکاسی دیہاتی ماحول کے اندر رہ کر اور پھر وہاں پر ہر انسان کو اس کے مزاج کے مطابق سمجھ کر ناولٹ میں بیان کرنا اس کے فن کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ ان کے فن میں جو چیزیں ان کو دوسروں سے جدا کرتا ہے ان میں ڈاکٹر انور سدید بیان کرتے ہیں کہ پس منظر میں رہتے ہوئے جذبات کی عکاسی کرنا ان کے ہاں پروان چڑھتی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں کہ:

میرا مشاہدہ تھا کہ دیہات کے پس منظر میں انسانی فطرت کے جو جذبے بلونت سنگھ
کے ہاں غیر تربیت یافتہ شکل میں اور احمد ندیم قاسمی کے ہاں مرتب صورت میں ملتے
ہیں ان جذبوں کی تقدیس کا فریضہ غلام الثقلین نقوی نے ادا کیا۔۴۹

غلام الثقلین نقوی کے دوسرے ناولٹ ''شمیرا'' میں جس طرح دیہات میں فیوڈل ازم نظام دکھایا گیا یہ اسی دور کا عکاس ہے جس میں انھوں نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ تمام واقعات کو حقیقت کے زمرے میں رہ کر بیان کیا۔ ان کا فن اور خصوصاً دیہات کی حقیقتوں کو قاری کے ساتھ لا کر پیش کرنا ان کی معراج ہے۔

ناولٹ میں دیہات کے سفر اور پھر وہاں سے واپس جانے پر جس طرح کے حالات اور دیہات کی یاد ماضی اور حال کے پیکر میں رہتے ہوئے بیان کی گئی اس میں ناولٹ میں دیہی زندگی کا خوبصورت حسن دکھائی دیتا ہے۔ کھیت اور باغات کی راعنائی دکھاتے ہیں۔

شیر زمان میں اس کی تگ و دو دکھاتے ہیں اور سفر کا عمل دخل جن علاقوں سے ہو کر گزرتا ہے ان علاقوں کی خوبصورتی وادیوں اور گاؤں کے مناظر کو رومانی پہلو میں رہ کر دکھایا ہے۔

جس میں یادِ ماضی کے ساتھ شیر زمان کے اندر اس کے گاؤں سنبل گاہ کا نقشہ سمایا ہوا تھا۔ سنبل گاہ کی خوبصورتی اور پھر آزاد پتن کی وادیوں اور پہاڑیوں کا ذکر دیہی حوالے سے کیا ہے۔

طبقاتی کشمکش سے پردہ اٹھاتے ہیں جو کہ دیہی زندگی میں ایک بڑا مسئلہ ہے۔ ہر انسان کو اس کی قدر سے جانتے ہیں یعنی ہر انسان کو برابری کا درجہ دینے کے لیے ان کی مشکلات اور مسائل کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ جس سے لوگوں میں احترامِ آدمیت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔

ج) جدوجہد کشمیر کا موضوع:

جدوجہد کا موضوع جو کہ کشمیر کے حوالے سے ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ ایک ناولٹ "شیر زمان" کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔ جس کو غلام الثقلین نقوی نے ۵۸۔۱۹۵۷ کے دورانیے میں تحریر کیا۔ غلام

الثقلین نے کشمیر کے موضوع پر زندہ رہنے والا ناولٹ تحریر کیا اس کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ ان کا تعلق کشمیر سے تھا اس لیے انھیں کشمیر سے گہری وابستگی بھی تھی۔ اس ناولٹ میں آزادی کی جنگ کا ذکر نہیں بلکہ ایک سیز فائر پر مبنی کہانی ہے جس میں کشمیر پر حملہ روکنے کے لیے جدوجہد کی گئی ہے۔

مسئلہ کشمیر تو آزادی کے بعد ابھرنا شروع ہو گیا تھا۔ جموں وکشمیر میں مسلمانوں کی آبادی تھی۔ انگریزوں کے راج کی وجہ سے کشمیر کی آزادی کے لیے جو تحریک چلائی گئی وہ کامیاب نہ ہوئی اور ہندوستانی فوج نے زبردستی کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ ہونے کی بدولت کچھ ریاستوں پر قبضہ کر لیا اس دوران پاکستانی افواج نے بھی جن علاقوں تک سیز فائر سے فتح یابی حاصل کی انھیں اپنے قبضے میں لے لیا۔ لیکن پھر بھی ہندوستانی افواج کا قبضہ ابھی بھی کشمیر پر قائم ودائم ہے۔ "شیر زمان" میں اس جدوجہد کا تذکرہ ملتا ہے۔ جب چوتھا سیز فائر ہوا اور اس ناولٹ کا اختتام بھی سیز فائر پر ہی ہوتا ہے۔ جس میں اس جنگ کو عارضی طور پر ختم کرنے کے لیے تھا تاکہ دونوں طرف امن وسکون کی لہر دوڑ جائے اور وقتی طور پر جنگ سے چھٹکارا مل سکے۔

غلام الثقلین نقوی کے علاوہ اور بھی افسانہ نگار موجود ہیں جن کے ہاں کشمیر کے موضوع پر افسانے ملتے ہیں۔ لیکن کم ہی افسانہ نگاروں کا رجحان اس موضوع کی طرف متوجہ ہوا۔ سعادت حسن منٹو کے ایک افسانے "ٹیٹوال کا کتا" اس زمرے میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ آغا بابر کا ذکر آتا ہے جنھوں نے "سیز فائر" کے عنوان سے ڈراما تحریر کیا۔ محمود ہاشمی کی محنت وکاوش سے ان کی تخلیق "کشمیر اداس ہے" چھپی۔۔۔ لیکن اس میں کشمیر کے حوالے سے غم کا ذکر ملتا ہے۔ دکھوں کی لہر دوڑ جاتی ہے جبکہ غلام الثقلین نقوی کا ناولٹ "شیر زمان" اس سے مختلف ہے اس میں غلام الثقلین نقوی نے غم واندوہ کی لہر دوڑانے کی بجائے جذبہ اور ہمت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ لوگوں کے حوصلے بلند ہوں ان میں بہادری کا جذبہ پیدا ہو سکے۔ اس حوالے سے غلام الثقلین نقوی کا انداز مختلف دکھائی دیتا ہے بقول ڈاکٹر انور سدید:

> غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ "شیر زمان" میں نہ غم کی لہر کو ابھارا ہے اور نہ اداسی پیدا کرنے کی کاوش کی ہے ان کا مقصد تو کشمیر کے لیے جذبہ جہاد بیدار کرنا ہے۔ ۵۰

غلام الثقلین نقوی نے کشمیر کے ناولٹ کے حوالے سے جو رائے سامنے لائی جو جذبہ ان کے اندر موجود تھا کہ کسی ناول یا افسانے نے میں وہ اس جذبے کو پورا نہیں کر پائے وہ غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ شیر زمان کے ذریعے پورا کیا۔ بقول غلام الثقلین نقوی:

> ایک خلش دل میں موجود رہی کہ افسوس میں محاربہ جموں کشمیر پر کوئی افسانہ یا ناول نہ لکھ سکا۔ یہ گویا میرے قلم پر ایک فرض تھا چنانچہ میں نے ناولٹ شیر زمان کا آغاز ۲۱ اپریل ۱۹۵۷ء کو کیا اور ۴ مارچ ۱۹۵۸ء کو اسے ختم کیا اور گویا بزعم خود اس طرح قرض اتار دیا۔ ۵۱

غلام الثقلین نقوی کے اس ناولٹ کی کہانی کو اگر سامنے لایا جائے تو اس میں غلام الثقلین نقوی نے ایک کردار شیر زمان کے حوالے سے بیان کی ہے جس کے اندر بہادری کا جوش اور جذبہ دکھایا ہے۔ جو جوانی میں فوج میں بھرتی ہو کر لبیا اور ماؤنٹ کسینو (اٹلی) کے حوالے سے جنگ میں شامل رہا اور فتح حاصل کی۔ غیر ملک کے لیے اپنی جان کو داؤ پر لگائے رکھا اور جب وطن واپسی ہوئی تو شیر زمان کو اس کے دوست دلاور خان نے مشورہ دیا کہ غیر ملک کے لیے تو تم قربانی کے لیے تیار ہے اپنے ملک کو بھی اس جنگ سے آزادی دلاؤ جس پر تمہارا حق ہے۔ شیر زمان اس سے اس لیے انکاری ہوتا ہے کہ فوج کو اس صوبیدار کی ضرورت نہیں مگر اس کا دوست اُسے رضامند کرتا ہے کہ فوج کو تو نہیں کشمیر کو تمھاری ضرورت ہے تب اس کے اندر بہادری کے جذبات نکھرتے ہیں اور وہ جوش اور جذبے کے ساتھ مقابلے کے لیے تیار ہو جاتا ہے

اس ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے کشمیر کے لیے بہادری کا مشاہدہ کرنے والے شیر زمان کو صرف کشمیر کے لیے نہیں بلکہ انگریز افواج میں بھی بہادری کا ہنر دکھانے والا بتایا ہے۔ ناولٹ کے آغاز میں غلام الثقلین نقوی نے اٹلی کے حوالے سے جو جنگ ہوئی اس کا ذکر کیا ہے جرمن افواج کے مورچوں اور ان تمام حالات کو اس طرح غلام الثقلین نقوی نے تحریر کیا ہے:

اس کا بنکر ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا اور سامنے کے پہاڑوں پر جرمن فوج کے مورچے تھے۔ ان کے درمیان ایک وادی تھی۔ دن رات توپیں گرجتیں، ہوائی جہاز بم برساتے، ہوا مار توپیں آسمان کی طرف منہ کر کے "ایک، ایک" کی آوازیں لگاتیں اور کبھی کبھار کوئی جہاز بھی کسی پہاڑی پر آ گرتا یا کسی کھائی میں گم ہو جاتا۔ ۵۳

غلام الثقلین نقوی نے جرمن اور اٹلی کی جنگ کی وجہ سے جو واقعات بیان کیے ان میں یہی بتایا کہ افواج مقابلہ کرتی رہی کئی جہاز تباہ و برباد ہوئے۔ مورچوں پر گولا باری کی وجہ سے دھوئیں اڑنے لگے۔ توپوں سے گرجتی آوازیں آنے لگیں:

اتحادی توپیں گرجنے لگیں۔ جہاز شہد کے چھیڑے ہوئے چھتے کی مانند فضائے آسمانی پر بھنبھنانے لگے۔ "ایک ایک" کی مہیب آواز وادیوں میں گونجنے لگی۔۔۔ پھر انہیں سروں پر تیرتے ہوئے گولوں اور اڑتے ہوئے جہازوں کی چھاؤں میں جرمن اور اطالوی مورچوں پر دھاوہ بولنا پڑا۔ دست بدست سنگینوں کی لڑائی بھی کرنی پڑی۔ اطالویوں کی غیرت نے سفید جھنڈے کے نیچے دم توڑ دیا اور جرمن لڑتے لڑتے پسپا ہو گئے۔۔۔ آہستہ آہستہ اٹلی کے پہاڑوں پر امن و سلامتی کی دھوپ نکھرنے لگی، جرمن اور اطالوی فوج کی پسپائی کے بعد وادیاں اور کوہ و دامن آباد ہونے لگے اور دور دور تک بکھرے ہوئے مکانوں میں روشنی کے جگنو ٹمٹانے لگے۔ ۵۴

غلام الثقلین نقوی نے انگریزی جنگ کا ذکر کرنے کے بعد کشمیر کے حوالے سے جو سیز فائر ہوا پھر جدوجہد کشمیر کے حوالے سے ناولٹ میں کہانی بیان کی۔ جب شیر زمان لوٹ کر وطن واپس آیا تو دلاور خان کے سمجھانے پر وہ کشمیر کے لیے محاذ پر جانے پر آمادہ ہو گیا۔

دلاور خان کے الفاظ میں اتنی شدت اور کشش تھی کہ اس نے شیر زمان کو رضامند کیا۔ غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں شیر زمان کا کشمیر کے محاذ پر جانے کو تیار ہونا ایسا جذبہ رکھتا تھا کہ اس نے بہت ہمت اور بہادری کے ساتھ مقابلہ کرنے کی کوشش کی شیر زمان پر دلاور خان کی باتوں کی بہت گہری چھاپ پڑی اس نے

چاہا کہ کسی سے مشورہ کرے وہ مجبور ہو گیا اس نے انگریز کی جنگ سے واپسی پر اپنا گھر دوبارہ آباد کرنے کا ارادہ بھی کر لیا تھا مگر پھر کشمیر کی یاد میں سب کچھ چھوڑ کر محاذ پر روانہ ہونے کو تیار ہو گیا۔ شیر زمان نے اپنے کپڑے، فوجی وردیاں نکالیں۔ اپنے جوتے صاف کیے اور رات کا وقت تھا وہ سفر کرنے لگا جب صبح ہوئی تو ایک جیپ اس کے قریب آئی تو شیر زمان سے پوچھا گیا کہ آپ افسر ہیں آرمی کے ؟ شیر زمان نے کہا نہیں میں ریلیز افسر ہوں۔ اور پلندری جانا ہے۔ پھر وہاں پہنچ کر کرنل سے ملاقات کے بعد فوج میں شامل ہونے کا شرف مل گیا اور اس کی ٹریننگ شروع ہو گئی۔

اس کے بعد اسے بلایا گیا اور صوبیدار مقرر کر دیا گیا۔ اس کی آمد پر دلاور خان بہت خوش ہوا اور شیر زمان کو گلے سے لگا لیا۔ ابھی وہ سٹول پر بیٹھا تھا کہ منشری نے اسے چائے دی اور کیپٹن دلاور خان کو کہا کہ ابھی وکرم سنگھ کا سلام آنے والا ہے۔ شیر زمان حیرت زدہ ہوا اور کہا کہ صوبیدار وکرم سنگھ ہے کون۔ دلاور خان نے کہا ابھی تمھے خود بخود پتہ چل جائے گا اتنی دیر میں گولہ پھٹنے کی آواز آئی جسے غلام الثقلین نقوی کے الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

> چند لمحوں بعد بنکر سے باہر کچھ فاصلے پر ایک گولہ پھٹا اس کی پیالی سے چائے چھلک گئی۔ یوں لگا جیسے گولا بنکر کے دروازے پر پھٹا ہو۔ اس کی گونج دیر تک وادی میں تھر تھراتی رہی۔
>
> "تو یہ صوبیدار وکرم سنگھ کا سلام تھا۔" اس نے سوچا۔ ۵۴

ناولٹ شیر زمان میں بظاہر کشمیر کے لیے جنگ بہت زیادہ نہیں دکھائی گئی بلکہ ایک جدوجہد بتائی گئی ہے جس پر کشمیر کے لیے جذبہ اُجاگر کیا جا سکے۔

غلام الثقلین نقوی نے جس خوبی اور دلچسپی سے شیر زمان کو بہادری کا تمغہ پہنایا ہے وہ ان کی اعلیٰ فکری کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

نقوی صاحب نے یہ ناولٹ اس داخلی صداقت سے لکھا ہے جسے شیر زمان کی صورت میں خود محاذِ جنگ پر پہنچے ہوئے ہوں اور کشمیر کی آزادی کے لیے اپنی قربانی پیش کر رہے ہوں۔۵۵

غلام الثقلین نقوی کا یہ اپنا فکری انداز ہے کہ انھوں نے جس دلچسپی اور خوبی کے ساتھ کشمیر کے لیے جدوجہد دکھائی ہے جس میں ایک کردار شیر زمان پر ہی زیادہ زور دیا ہے کہ جس طرح وہ محنت اور لگن سے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے اور ہر کسی مشکل سے ٹکرا جاتا ہے صرف اور صرف اپنے وطن کو دشمنوں کی بری نگاہوں سے بچانے کے لیے۔ غلام الثقلین اس ناولٹ کے ذریعے یہی جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی شیر زمان کی محنت اور لگن کو جب وہ نقشے سے مورچہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کس پہاڑی پر مورچہ قائم ہے تو کیفیت کو غلام الثقلین نقوی نے یوں تحریر کیا:

صوبیدار شیر زمان نے نقشے سے نظریں اٹھاتے ہوئے کہا" ہم نے نقشہ اچھی طرح سے پڑھ لیا ہے۔ اس وادی میں داخل ہوتے ہی ہم نے اس کبڑی پہاڑی کو دیکھ لیا تھا جس کی پیٹھ پر کوہان ہے۔ اس کوہان میں صوبیدار وکرم سنگھ کا مورچہ ہے۔۔۔ پہاڑی کے شمال کی طرف سے راستہ ہے لیکن اس کے پاس گن ہے۔ ادھر سے کوئی جوان مورچہ تک نہیں پہنچ سکتا۔۵۶

غلام الثقلین نقوی نے اس مشن کا تذکرہ کیا جس میں شیر زمان نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ شیر زمان نے دوربین کی مدد سے پہاڑی کا جائزہ لیا جہاں پر صوبیدار وکرم سنگھ نے مورچہ لگایا ہوا تھا۔ دوربین کی مدد سے صوبیدار نے ہر نوک چوٹی پر چٹانوں کو غور سے دیکھا۔ اس راستے کا جائزہ لیا جہاں پر جھاڑیوں سے نگاہ چوٹی کے اوپر تک پہنچ رہی تھی۔ لیکن وکرم سنگھ کے مورچے تک نگاہ نہ پہنچ سکی۔ پھر دلاور خان کی ہدایت پر دوربین کو شمال اور مغرب کے درمیان میں رکھا جس سے پہاڑی کے اوپر کا راستہ نظر آنا شروع ہو گیا۔

شیر زمان کا وکرم سنگھ کے مورچہ کا تعاقب کرنا ضروری تھا تا کہ اس کی گولہ باری کو روکا جاسکے۔ ہر روز وہ گولے برساتا تھا۔ اس سے پہلے بھی نوجوان سپاہیوں نے اس کا تعاقب کیا اور اس مورچہ تک پہنچنے کی بھرپور کوشش بھی کی۔ جو راستہ انھوں نے چنا اپنی جان کی قربانی پیش کی۔ وہاں سے پھر ان کی واپسی نہ ہو سکی وہ وکرم سنگھ کے مورچہ تک پہنچ تو گئے پر واپس نہ آسکے۔ شیر زمان نے بڑی بہادری کے ساتھ ڈٹ کر اپنی ہمت دکھائی اور دلاور خان نے کہا کہ اب اگر وکرم سنگھ کی طرف سے سلام پیش ہونے کا پہلو دکھائی دے تو اسے کہہ دینا کہ شیر زمان مجھ سے ملنے آرہا ہے۔ اس کے الفاظ میں بہت گہرائی اور مقابلے کی شدت دکھائی دے رہی تھی۔ جن سپاہیوں نے کوشش کی اور پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر وکرم سنگھ کو تلاش کر کے اس تک پہنچے ضرور مگر پھر وہ واپس آنے کا راستہ نہ پاسکے۔ غلام الثقلین نقوی نے ان سپاہیوں کے نام ناولٹ میں درج کیے یہ تین جان باز سپاہی تھے جنھوں نے بہادری کا نغمہ گاتے ہوئے پہاڑی سفر طے کر کے وکرم سنگھ کے مورچہ تک پہنچنے کی ایک کوشش کی۔ ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے سپاہیوں کا ذکر جس طرح کیا اور ریکی کرنے کا جو انداز شیر زمان نے سوچا اور مجاہدوں نے جس طرح وہ مقابلہ کیا اس کا حال کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

> صوبیدار شیر زمان نے دوربین آنکھوں سے ہٹالی۔ اس نے مسکرا کر کہا "سر! آج رات وکرم سنگھ سلام بولے گا تو اس سے کہیے کہ سنگیا! شیر زمان بہت جلد تجھ سے ملنے آرہا ہے۔
>
> بہت اچھا شیر زمان! لیکن ہم اس سے پہلے وکرم سنگھ کے مورچے کی ریکی کریں گے اور کیا پتہ اس وقت تک اس کا ایمونیشن ختم ہو جائے۔۔۔۔ ہمارے مجاہدوں نے جو گرنیڈ پھینکنے تھے، انہوں نے جہاں گنوں کو نقصان پہنچایا، وہاں گز بھی مارے گئے کیونکہ مارٹر کے ایک گولے کے سوا ادھر سے کوئی اور فائر نہیں آتا اکیلا آدمی کبھی بھی خوفزدہ ہو کر سفید جھنڈا بلند کر سکتا ہے۔ ۵۷

انھوں نے سوچا کہ اب اتنے مقابلے کے بعد اکیلا آدمی کیسے زیادہ دن بیٹھے گا کبھی تو اسے ہار ماننی پڑے گی اگر تمام فوجی دستہ تباہ ہو گیا ہے تو ایک آدمی کمزور پڑ سکتا ہے۔ مگر جس طرح وہ پچھلے چھ ماہ سے وہاں پر بلا خوف و حراس کے بیٹھا ہوا تھا اس سے معلوم نہیں پڑتا کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹنے والا ہو گا۔

صوبیدار شیر زمان اور دلاور خان نے جب ریکی کی تو اس دوران ایک ایک خطرناک راستے پر سے گزرنے کا تہیہ کیا اس سب میں ان کی جان ہتھیلی پر تھی مگر صرف وہ کشمیر کو دشمنوں سے بچانے کی خاطر جنگ کو بند کرنے اور امن و سلامتی کا پیغام پھیلانے کے لیے وکرم سنگھ کے مورچہ تک پہنچنا ضروری سمجھ رہے تھے۔

شیر زمان اور کیپٹن دونوں میں گفتگو ہو رہی تھی کہ وہ اب چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک مورچہ سر نہ کر لیں۔ ہمیں وکرم سنگھ کے مورچہ کو پہلے سر کرنا ہے پھر ہم آگے جا سکتے ہیں مگر اس بات کا بھی تو خدشہ تھا کہ اس کے پاس جو گن ہے اس کا نشانہ وہ بن گئے تو باقی سپاہیوں کی طرح کہیں وہ بھی بغیر فتح کیے واپس آجائیں۔ پھر ان کی آنکھوں میں عظمت و حوصلہ کی گہری چمک تھی جو کہ پہلے تین مجاہدین کی چمک سے تعبیر تھی۔ ایک ہفتہ پورا وہ درختوں پر چڑھتا رہتا اور اترتا رہا تا کہ جسم کو ایسا کرے کہ اس کے ارادے کو ڈگمگانے کے لیے جسم رکاوٹ نہ بن سکے۔ اس کے ساتھ اور بھی جوان مقابلے کے لیے ساتھ دے رہے تھے جن کا حوصلہ شیر زمان کے حوصلے سے بندھتا رہا۔ پھر ایک دن اس طویل سفر کو طے کرنے کے بعد وکرم سنگھ نے جب سلام پیش کیا یعنی اس نے پھر گولہ باری کی تو پھر مجاہدین نے آڈر کے مطابق اپنے جذبے کو جگایا اور سب چوکس ہو گیے۔ غلام الثقلین نقوی اس مشن کو یوں تحریر کرتے ہیں:

> حسبِ معمول وکرم سنگھ نے رات کا الوداعی سلام بولا۔ آج کا گولا کیپٹن دلاور خان کے بنکر سے چند گز اور قریب پھٹا۔ کیپٹن دلاور خان ضروری احکامات دے چکا تھا۔ وائرلیس آپریٹر نے ہیڈ کوارٹر کو سگنل دے دیا تھا۔ میجر شمشیر خان کی کمپنی پہاڑی کی شمالی ڈھلان پر چوکس ہو کر پوزیشن لے چکی تھی اور صوبیدار شیر زمان کے ساتھ جانے والے جوان کیل کانٹے سے لیس ہو چکے تھے۔۵۸

اتنا سخت مقابلہ اور سردی کی شدت سے ہاتھوں میں سرد لہری کے ساتھ شیر زمان نے چٹان کو مضبوطی سے تھامے رکھا پتھریلی زمین پر وہ پشت کے ساتھ چھپا رہا۔ سر چٹان کے ساتھ لگایا کہ جیسے کوئی نقش ہو۔ بڑی ہمت اور حوصلہ کے ساتھ وہ رینگتا ہوا آگے بڑھتا گیا اگرچہ اس کا سر بھی پتھر سے جالگا۔ مگر وہ کچھ دیر کے بعد ہوش میں آگیا۔ وکرم سنگھ اس قدر ہوشیار تھا کہ جب بھی دیکھتے وہ جاگ کر پہرا دے رہا ہوتا اور ہاتھ تن پر ہوتا۔ دوسری طرف شیر زمان جرات کے ساتھ چٹان پر جم کر لیٹا رہا کہ موقع ملنے پر گرنیڈ نکال کر پھینکے تاکہ وکرم سنگھ کا مورچہ تباہ وبرباد ہوسکے۔ یہاں پر اب وہ گھڑی نظر آئی ہے جب شیر زمان ہمتِ مردانہ کا مظاہرہ کرتا ہے اور فتح کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔ ناولٹ شیر زمان میں درج ہے:

> شیر زمان سانس روک کر یوں چٹ لیٹ گیا جیسے وہ چٹان پر بنا ہوا نقش ہو۔۔۔ تاریکی اور سکوت کا اتنا بوجھ تھا کہ اسے یوں لگا جیسے وہ چٹان میں دھنس جائے گا۔ اس نے اپنے عزم وارادے کی تمام قوتوں کو مجتمع کیا اور اپنے داہنے ہاتھ کو حرکت دی اور جیپ سے گرینیڈ نکالنے میں کامیاب ہوگیا۔ گرنینڈ سے پن کو جدا کرنے میں اسے زمانہ لگ گیا۔۔۔ اس نے گرنینڈ اس سمت پھینک دیا جس طرف سے مشین گن کا برست آیا تھا۔ تڑتڑ وکرم سنگھ کی مشین گن چلی اور عین اس لمحے گرینیڈ اس زور سے پھٹا کہ پہاڑ کانپ گئے اور مسلسل گونج سے سکوت و جمود کی فضا دیر تک تھرتھرائی۔۵۹

یوں شیر زمان کی کاوش سے وکرم سنگھ کا مورچہ تو تباہ ہوگیا مگر جنگ ابھی مکمل طور پر بند نہ ہوئی مگر وقتی طور پر گولہ باری اور فائرنگ میں امن ہوگیا۔

دلاور خان تب شیر زمان کی قربانی پر بہت خوش ہوا۔ شیر زمان شہادت کے منصب پر فائز ہوگیا۔

اس کے بعد ایک وائرلیس پر دلاور خان کو پیغام ملا کہ سیز فائر ہو گیا ہے۔ دلاور خان نے کہا کہ اس کا مطلب ہے جنگ ختم ہو گئی لیکن جنگ بند نہیں ہوئی صرف فائر ہونا بند ہوئے۔ دلاور خان کے لہجے میں غصہ ابھرا اور اس نے کہا کہ شیر زمان کی قربانی کو ضائع نہیں ہونے دیا جائے گا۔ اس میں یہی ثابت ہو رہا ہے کہ شیر زمان کی قربانی اور جدوجہد کشمیر کے لیے ہمت ختم نہیں ہو گی۔ جس حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> ناولٹ کا یہ اختتامیہ ایک طرف شیر زمان کی لازوال قربانی کی شہادت دیتا ہے تو دوسری طرف میجر شمشیر خان، میجر محمود خان اور کیپٹن دلاور خان جہد آزادی کشمیر کو جاری رکھنے کا عزم ظاہر کرتے ہیں۔ ۶۰

الغرض غلام الثقلین نقوی نے بڑی شدت اور چاؤ کے ساتھ اس ناولٹ کو تحریر کیا ہے اور ان نوجوان کرداروں کو علامت بنا کر کشمیر کے لیے جدوجہد کا جذبہ دکھایا ہے۔ دشمن کو تباہ و برباد کرنے کی لگن اور گہرا جنون اور چمک دکھائی ہے۔ غلام الثقلین نقوی کا اس ناولٹ میں کشمیر کے لیے شدت اور جذبہ بہت اہمیت رکھتا ہے ان کا اس سے گہرا لگاؤ تھا یہیں پر عمر کا زیادہ حصہ گزرا۔ وہاں کے حالات و واقعات سے گہری وابستگی تھی اس لیے ان کی یہی کاوش تھی کہ کچھ نہ کچھ ایسی کہانی ہو جس میں کشمیر پر بات کی جا سکے اس لیے انھوں نے اپنی یہ خواہش اس ناولٹ شیر زمان کے ذریعے پوری کی۔ کشمیر کی آزادی کے لیے جدوجہد اور شدید اپنایت کا جذبہ انہی کا خاصا ہے۔ غلام الثقلین نقوی کا ایسا فطری لگاؤ ہے کہ وہ جس کہانی یا کردار کو پیش کرتے ہیں۔ ایسا منظر سامنے لاتے ہیں جیسے وہ خود اس کردار کا روپ ہوں اور وہ سب کچھ جو ان کے کردار سہہ رہے ہیں وہ غلام الثقلین نقوی خود پر وارد ہونے دے رہے ہوں۔

کشمیر کا موضوع ایک بہت وسعت والا موضوع ہے۔ جس کا چناؤ انھوں نے ناولٹ میں کیا اور ناولٹ میں بیان چونکہ افسانے سے تھوڑی ہی زیادہ تفصیل ہوتی ہے اور ناول سے کم مگر پھر بھی انھوں نے اس صنف میں اس طویل موضوع کو ایسے انداز میں بیان کیا کہ سارا سمٹ گیا۔ کشمیر کی جدوجہد اور آزادی کا جذبہ بلند اور نکھرا ہوا ملتا رہا۔

کشمیر کے لیے جدوجہد کے ساتھ ساتھ غلام الثقلین نقوی نے کشمیر کی خوبصورتی کا بھی ذکر کیا ہے۔ جموں وکشمیر سے غلام الثقلین نقوی کا یہ گہرا لگاؤ ہی تھا کہ انھوں نے ناولٹ میں جدوجہد کشمیر کا موضوع چنا اور اس موضوع پر کوئی نہ کوئی تخلیق لکھنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ یہ جذباتی لگاؤ اس بدولت بھی تھا کہ غلام الثقلین نقوی کا گاؤں "بھڑتھ" پاکستان اور جموں وکشمیر سے دو میل کے قریباً فاصلے پر واقع تھا۔ اور اِن کا دوسرا وطن "سماہنی" تھا۔ جس پر دشمنوں کی طرف سے ہر وقت دشمنوں کے حملے ہوتے رہے تھے۔ وہ ان کی توپوں کی لپیٹ میں آیا ہوا تھا۔ غلام الثقلین نقوی کے اباؤاجداد کا تعلق یہیں سے تھا۔ اس لیے پھر غلام الثقلین نقوی کی دلچسپی میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔

غلام الثقلین نقوی نے اپنی ذہنی کاوش کو سامنے لاتے ہوئے کشمیر کے موضوع پر تخلیقات لکھنے والوں کی طرح خود بھی تخلیق عمل کی کار فرمائی کی۔

حوالہ جات

۱۔ محمد عالم خان، ڈاکٹر، اردو افسانے میں رومانی رجحانات، علم و عرفان پبلشرز، س ن، ص ۲۳

۲۔ اسلم عزیز درانی، ڈاکٹر، علی عباس حسینی، ناول اور ناول نگار، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۹۰ء، ص ۱۸۔۱۷

۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص ۱۳۳

۴۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۲۰

۵۔ ایضاً، ص ۲۱

۶۔ ایضاً، ص ۲۵

۷۔ ایضاً، ص ۲۶۔۲۷

۸۔ محمد عالم خان، ڈاکٹر، اردو افسانے میں رومانی رجحانات، علم و عرفان پبلشرز، س ن، ص ۴۶۵

۹۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۳۲

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۴

۱۱۔ محمد عالم خان، ڈاکٹر، اردو افسانے میں رومانوی رجحانات، علم و عرفان، پبلشرز، س ن، ص ۳۵۳

۱۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص ۱۳۱

۱۳۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۹۲

۱۴۔ ایضاً، ص ۹۲

۱۵۔ ایضاً، ص ۹۵

۱۶۔ ایضاً، ص ۸۶

۱۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص ۸۶

۱۸۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲۶

۱۹۔ محمد عالم خان، ڈاکٹر، اردو افسانے میں رومانی رجحانات، علم و عرفان پبلشرز، س ن، ص ۴۶۱

۲۰۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۱۷۶

۲۱۔ محمد عالم خان، ڈاکٹر، اردو افسانے میں رومانی رجحانات، علم و عرفان پبلشرز، س ن، ص ۴۶۴

۲۲۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۶۳

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۹۶

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۹۹

۲۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۳

۲۶۔ سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر، جدید اردو افسانے کے رجحانات، انجمن ترقی اردو، اکستان، ۲۰۰۰ء، ص ۲۷

۲۷۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۱۵

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۸

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۱

۳۰۔ ایضاً، ص ۴۲

۳۱۔ ایضاً، ص ۵۰

۳۲۔ ایضاً، ص ۵۴۔۵۳

۳۳۔ اے۔بی اشرف، ڈآکٹر، غلام الثقلین نقوی کی افسانہ نگاری، مشمولہ، روشنائی، ص ۲۶۵

۳۴۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۷۹

۳۵۔ ایضاً، ص ۸۰

۳۶۔ ایضاً، ص ۹۳

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۲۹

۳۸۔ محمد عالم خان، ڈاکٹر، اردو افسانے میں رومانی رجحانات، علم و عرفان پبلشرز، س ن، ص ۴۶۴

۳۹۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان ۲۰۱۰ء، ص ۷۲

۴۰۔ ایضاً، ص ۸۲

۴۱۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۱۷۲

۴۲۔ ایضاً، ص ۱۷۴

۴۳۔ رحمان مذنب، "ادب کا سادھو"، مشمولہ "چہار سو"، ماہنامہ راولپنڈی، جلد ۵، شمارہ ۴۷۔۴۶، ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۶ء، ص ۱۹

۴۴۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو افسانے میں دیہات کی پیش کش، اردو رائٹرس گلڈ، الہٰ آباد، ۱۹۸۶ء، ص ۱۳۰

۴۵۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۱۹۴

۴۶۔ ایضاً، ص ۲۰۰

۴۷۔ ایضاً، ص ۲۰۷

۴۸۔ محمد عالم خان، ڈاکٹر، اردو افسانے میں رومانی رجحانات، علم و عرفان پبلشرز، س ن، ص ۴۶۰

۴۹۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو افسانے کا ایک عظیم دیہات نگار غلام الثقلین نقوی، مشمولہ "روشنائی"، ص ۲۶۳

۵۰۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان ۲۰۱۰ء، ص ۱۴۹

۵۱۔ ایضاً، ص ۱۴۴

۵۲۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۱۷۹

۵۳۔ ایضاً، ص ۱۸۲

۵۴۔ ایضاً، ص ۲۰۹

۵۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۴

۵۶۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص۲۰۹

۵۷۔ ایضاً، ص۲۱۲۔۲۱۱

۵۸۔ ایضاً، ص۲۱۳

۵۹۔ ایضاً، ص۲۱۴

۶۰۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان ۲۰۱۰ء، ص۱۴۸

باب سوم

غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کا فنی جائزہ

الف) پلاٹ:

واقعات کو منطقی ربط سے جوڑنا تکنیکی اصطلاح میں پلاٹ کہلاتا ہے۔ کسی بھی کہانی میں واقعات کی ترتیب کا عمل دخل ہوتا ہے۔ تحریر کی اصل خوبصورتی کا انحصار واقعات کی ترتیب پر ہوتا ہے۔ قصے یا کہانی دونوں میں مختلف حصوں میں جتنا زیادہ ربط دکھایا جائے گا۔ تحریر اتنی ہی مؤثر ہو گی۔ اس لیے تحریر کا سارا مرکز پلاٹ ہوتا ہے۔ پلاٹ کی بہت سی اقسام ہیں۔ جن میں منظم اور غیر منظم پلاٹ شامل ہوتے ہیں۔ بقول ابوالکلام قاسمی:

> ہم نے کہانی کی تشریح یوں کی ہے کہ یہ زمانی تسلسل کے مطابق ترتیب دیئے ہوئے واقعات کا بیان ہے۔ پلاٹ بھی واقعات ہی کا بیان ہے مگر اس میں اسباب و علل پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ا

اب غلام الثقلین نقوی کے تین ناول ''چاند پور کی نینا''، ''شمیرا'' اور ''شیر زمان'' کا پلاٹ کے حوالے سے جائزہ پیش کریں تو ان کے ناولٹ ''چاند پور کی نینا'' میں جس طرح کا پلاٹ ترتیب دیا گیا ہے وہ ایک مربوط پلاٹ کا درجہ رکھتا ہے۔ جس میں کرداروں کا آپس میں ربط دکھائی دیتا ہے۔ واقعات کی ترتیب بڑی خوبی کے ساتھ درجہ بند کی گئی ہے۔

لہٰذا اس ناولٹ کا جائزہ لیا جائے تو اس کا پلاٹ نہایت مربوط اور مؤثر ہے۔ غلام الثقلین نقوی کا دوسرا ناولٹ ''شمیرا'' کا پلاٹ ہموار دکھائی دینے کے ساتھ ساتھ اس میں سادگی کے بجائے پیچیدگیاں دکھائی دیتی ہیں۔ جہاں یہ ماسٹر فاروقی کے ساتھ حالات نے خیر کیا۔ اس کی خواہشات اس سے چھن گئی اور وہ شکست

وریخت سے دوچار ہوا۔ اپنی جوانی میں بھی حالات سے مات کھا گیا اور آخری عمر میں بھی وقت اور حالات نے اس سے وفا نہیں کی۔ اس ناولٹ کے پلاٹ پر ڈاکٹر انور سدید نے جو رائے پیش کی اس میں انھوں نے اس طرح بیان کیا کہ:

> جبر کی یہ کہانی سادہ نہیں پیچیدار ہے۔ حساس فاروقی اپنے ضمیر کی آواز پر ''اختیار'' کو زیر عمل لانا چاہتا ہے لیکن سردار کے ڈیرے پر فاروقی کا جبری قیام آہستہ آہستہ مفاہمت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لیکن اس کے ضمیر کی خواہش میں اضافہ بھی کر رہا تھا۔ ۲

الغرض غلام الثقلین نقوی نے کہانی میں تجسس اور جبر کی کیفیت کا اظہار کیا ہے۔

مجموعی طور پر اس ناولٹ کا پلاٹ خم دار اور پیچیدہ ہے۔

غلام الثقلین نقوی کا تیسرا ناوٹ ''شمیرا'' جو کہ جو جہد کشمیر کے موضوع پر تحریر کیا گیا۔ جس میں سیز فائر کے حالات وواقعات کو قلم بند کیا گیا۔ اس کا پلاٹ بھی واقعات کی ترتیب میں دو طرح کے واقعات پر مبنی ہے۔ جس میں آغاز میں جرمن کی جنگ کا ذکر چھیڑتے ہیں۔ اور پھر نیا موڑ تب آتا ہے جب کشمیر کے لیے اپنے کردار ''شیر زمان'' کو بہادری سے حالات کا مقابلہ کرتے دکھاتے ہیں جو کہ اس کے دوست دلاور خان کے کہنے کی بدولت اس کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔ ناولٹ کا آغاز جس طرح انگریز کی جنگ کے حالات پر مبنی تھا پھر درمیان میں شیر زمان کشمیر سے لگاؤ کے حوالے سے جنگ میں شامل ہوتا دکھایا گیا۔ اس کے بعد ناولٹ کا اختتامیہ شیر زمان کی لازوال قربانی کی شہادت دیتا ہے اور دوسری طرف کشمیر کی جنگ کو جاری رکھنے کا عزم اور حوصلہ دوسرے فوجیوں کے اندر دکھاتے ہیں کہ وہ شیر زمان کی قربانی کو ضائع نہیں ہونے دیں گے اور کشمیر کو دشمن کی نظر سے بچائیں گے۔ ناولٹ میں جہاں پر نیا موڑ دکھاتے ہیں وہ دلاور خان کے کہنے پر کشمیر کے لیے قربانی کا جذبہ شیر زمان کے دل میں جاگتا ہے۔ اسے غلام الثقلین نقوی نے یوں ناولٹ میں سمویا ہے:

انگریز کی جنگ ۱۹۴۵ء میں ختم ہو گئی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوا تو فسادات ہوئے۔۔۔ شیر زمان انگریز کی جنگ تو ختم ہو گئی لیکن پاکستان کی جنگ تو ابھی بھی ختم نہیں ہو گی کیا ہم نے جموں کشمیر کو دشمن سے آزاد کرا لیا ہے؟۳

لہٰذا غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ ''شیر زمان'' کا پلاٹ سادہ اور سپاٹ ہے۔ واقعات ترتیب سے آگے بڑھتے ہیں۔ اس لیے اس کا پلاٹ مربوط ہے۔

الغرض غلام الثقلین نقوی نے تینوں ناولٹ میں جس طرح کے پلاٹ کو پیش کیا ہے اس میں واقعات کو مختلف نوعیت سے پیش کرنے کا انداز ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پیچیدہ اور ہموار پلاٹ بھی ترتیب دیا گیا ہے جس میں تجسس اور کشمکش بھی دکھائی دیتی ہے۔ اس کے علاوہ مربوط پلاٹ ان کے ناولٹ میں کہانی کو ربط سے بیان کرتا ہے۔

ب) کردار:

لفظ کردار کے عمومی معنوں پر اگر غور کیا جائے تو جو لفظ سب سے پہلے ذہن میں آتا ہے وہ شخصیت کا ہے۔ کردار ایک اصطلاح کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ کردار کے مختلف طرز کے معنی ہمیں لغت میں اس طرح سے ملتے ہیں:

روش، طرز، طور طریق، عمل، فعل، رفتار، چلن، قائدہ، رویہ، عادت، خصلت، برتاؤ، شغل، کام، دھندا، اخلاق۔۴

ان مفاہیم کو مد نظر رکھتے ہوئے کردار کو کئی پہلوؤں سے دیکھا جا سکتا ہے جن سے کردار کے مختلف تصورات و تعلقات واضح ہوتے ہیں۔ اردو میں کردار اور انگریزی میں (CHARACTER) کے طور پر اسے جانا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح انگریزی ادب سے ہی ماخوذ ہے۔

کسی بھی ادب پارے میں کردار بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ادب کی جتنی بھی اصناف ہیں ان میں کرداروں کا عمل دخل لازم و ملزوم ہے۔ ان کے بغیر کوئی بھی کہانی تحریر نہیں ہو سکتی۔ کرداروں کے ہی فکر و عمل سے کہانی میں اتار چڑھاؤ ہوتا ہے اور کہانی میں واقعات انہی کے گرد گھومتے ہیں جو معاشرے میں مسائل کا بیان کہانی میں پائے جانے والے کرداروں کے ذریعے سے سامنے آتا ہے۔ کوئی بھی صنف ہو جیسے ناول، ڈرامہ، داستان، مختصر افسانہ، ناولٹ، افسانہ مثنوی یا پھر کوئی قصہ وغیرہ وہاں پر اشخاص کا ذکر لازم و ملزوم ہے۔ ان قصوں میں اشخاص ہی کے طرز عمل اور طرز فکر اور ذہنی افتادگی کے باعث کہانی میں تسلسل اور روانی قائم رکھی جاتی ہے۔ کردار نگاری یا کرداروں کا ذکر کہانی میں جس قدر اہمیت رکھتا ہے۔ اس حوالے سے اشفاق احمد خان لکھتے ہیں:

> ناول میں جس قدر مختلف النوع کرداروں کی متنوع انفرادی خصوصیات کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی قدر وہ انفرادی ناول مختلف انسانوں کی دلچسپی کا باعث ہوتا ہے۔ کرداروں کے عمل میں اس کے ماحول کو اظہر من الشمس کہا جاتا ہے۔۵

اسی طرح اس اقتباس میں کرداروں کی اہمیت کو مختلف حوالوں سے سامنے لایا گیا ہے۔ ان کرداروں میں انسانی کردار بھی ہوتے ہیں اور مافوق الفطرت عناصر، اور جانور بھی شامل ہوتے ہیں۔ کہانی کی خوبصورتی اور اسے بیان کرنے کے فن میں ان کا گہرا عمل دخل ہوتا ہے۔ جس سے کہانی کے پلاٹ میں اس کی سطحیں مضبوط ہوتی چلی جاتی ہیں۔

کردار زندگی کی جیتی جاگتی تصویر کشی کے لیے کہانی میں شامل کیے جاتے ہیں اس لیے ان کا عمل دخل یا حرکت کرنا لازم و ملزوم بھی ہوتا ہے اور کسی مقام پر ان کا ٹھہراؤ بھی فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ جس سے دونوں طرح کے کرداروں کا فرق صاف ظاہر ہوتا ہے۔ ان کی حرکات و سکنات سے ہی کہانی میں گہری وابستگی اور اپنایت کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ ہونے والے ظلم و ستم معاشرے کی حقیقتوں کو قابلِ فہم بنانے میں مدد دیتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی کے ہاں ناولٹ میں جس طرح کی کردار نگاری کی گئی ہے یہاں پر اس کا جائزہ لیا جائے گا۔ تینوں ناولٹ میں جس طرح کے کردار اپنائے گئے ہیں ان کے جذبات و خیالات اور نفسیات کی عکاسی جس انداز میں کی ہے اس کو سامنے لایا جائے گا۔ زیادہ تر کہانیوں میں عورت، مرد کے کردار کے روپ جس حوالے سے سامنے لائے ہیں۔ ان میں دیہاتی فکر کی عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا لب ولہجہ اور رسم ورواج دیہاتی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ ناولٹ کے کرداروں میں عورتوں سے زیادہ مرکزی کردار مرد کے روپ میں آیا ہے۔

عورتوں کی حکمرانی کی بجائے مردانہ کردار کا جلوہ جھلکتا ہے۔ مردانہ کرداروں کا رعب و دبدبہ اور معاشرے میں ان کی حکومت اور انہی کا ولولہ دکھائی دیتا ہے۔ عام طبقے کے کرداروں کا ذکر بھی کرتے ہیں اور خاص طبقہ کا بھی جس میں جاگیری نظام اور فیوڈم ازم سسٹم کے تحت معاشرتی ناانصافیوں کے حوالے سے کرداروں کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جس کی لپیٹ میں پورا معاشرہ کھینچا چلا جاتا ہے۔ معاشرے میں بدامنی اور بے فکری کی بجائے اور خوشحالی کی بجائے تنگ نظری چھا جاتی ہے۔ امن وسلامتی کے پھیلاؤ کی بجائے دکھ، درد کا پیش خیمہ نظر آنا شروع ہو جاتا ہے۔

سب سے پہلے ناولٹ (چاند پور کی نینا) کا کردار نگاری کے حوالے سے جائزہ پیش کیا جارہا ہے جس میں غلام الثقلین نقوی نے گہری نفسیات کے ساتھ کرداروں کو پیش کیا ہے۔ اس ناولٹ میں متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے کردار بھی دکھائی دیتے ہیں اور امیر طبقے کے لوگ بھی دکھائی دیتے ہیں۔ جن کے مزاج کے اتار چڑھاؤ سے ان کے خاندان کی اور زبان کی عکاسی بخوبی کرائی گئی ہے۔ جس طرح کا رویہ اپنایا ہے اُسے ناولٹ نگار غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوبی کے ساتھ واضح کیا ہے زیادہ تر واحد متکلم کے روپ میں کردار نگاری کی گئی ہے جہاں پر فرد واحد کے جذبات واحساسات سے پورا ناولٹ تشکیل پاتا ہے۔

ناولٹ میں جن کرداروں کا ذکر ملتا ہے ان میں خورشید، نینا، سیدو، بی بی، پرویز، خورشید کا باپ، چوہدری نیاز محمد، ریشم خان وغیرہ شامل ہیں۔ بعض کردار ناولٹ میں اہم ہیں اور بعض ناولٹ کو پورا کرنے کے

لیے ان میں خاص کرداروں کا ساتھ دینے کے لیے شامل کیے گئے ہیں۔ ناولٹ کے اہم کردار کی طرف نظر دوڑائی جائے تو سب سے اہم کردار خورشید کا ہے اور پھر پرویز جن کی وجہ سے کہانی میں اتار چڑھاؤ آتا ہے اس حوالے سے ڈاکٹر انور سدید یوں کہتے ہیں:

> ناولٹ کے دو اہم کردار خورشید اور تھانیدار نیاز کا بیٹا پرویز ہیں۔ خورشید کا مزاج چاند پور کی غربت میں گندھا ہوا ہے اور وہ اعلیٰ تعلیم سے بلندیوں کے خواب دیکھ رہا ہے۔ ان خوابوں میں ہی نینا کا حصول بھی ہے۔٦

اب یہاں پر یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ ایک طرف خورشید ہے جو کہ عام معاشرت کی مثال کو قائم کرتا ہے ایک غریب طبقے سے تعلق کے باوجود وہ بلندیوں کے خواب دیکھ رہا ہے اور دوسری طرف پرویز جو کہ لال محل کا رہنے والا ہے اسے کسی بھی قسم کی کوئی پروا نہیں ہے اس کے پاس سب کچھ موجود ہے دولت، عزت لیکن پر اس وجہ سے وہ عیاشیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ باپ کے پیسے سے عیاشی کرتا ہے اور خورشید کے خوابوں کو بھی اسی نے تباہی کا نشانہ بنایا۔ اب یہاں پر اگر تھوڑا سا خورشید کے خاندانی پس منظر پر نظر دوڑائی جائے تو وہ ایک متوسط گھرانے سے تعلق کے باوجود اپنے اندر ہمت اور حوصلہ پیدا کرتا ہے تاکہ وہ بھی بلندیوں کو چھو سکے۔ ہر انسان کے اندر جس طرح ایک اچھی فکر موجود ہے اس طرح ہر انسان کوشش کر کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کی جستجو میں لگا ہوتا ہے۔ اور کبھی ناکامی اس کا مقدر بن جاتی ہے اسے ہر حال میں دونوں کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھنا ہوتا ہے غلام الثقلین نقوی نے بھی یہاں پر اسی کیفیت کو اپنے مرکزی کردار خورشید کے ذریعے سامنے کیا۔ ایک طرف اس کی سوتیلی ماں دکھائی گئی ہے جو اس پر ظلم و ستم کرتی اور باپ بھی خورشید کو رعب و دبدبہ کے ساتھ ڈراتا اور اس پر اپنی مرضی مسلط کرنے کے لیے ہر بات میں اپنی حکمرانی جھاڑتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے جس انداز میں ناولٹ میں خورشید کے کردار سے متعارف کرایا۔ اس کی جھلک یوں ملاحظہ ہو:

چاند پور کے ایک غریب کسان کا لڑکا، علیا بچپن ہی میں گاؤں سے بھاگ گیا تھا،
کیونکہ اس کی ماں سوتیلی تھی اور اس پر نت نئے ظلم توڑتی تھی۔

پندرہ سال کے بعد علیا اچانک گاؤں آیا۔ے

سوتیلی ماں کا روپ جس طرح سے سختی والا عام معاشرے میں بھی ملتا ہے اسی طرح ناولٹ میں بھی غلام الثقلین نقوی نے اس کردار کو ہو بہو اسی طرح متعارف کرایا جس کے ڈر سے "بچہ "علیا گاؤں چھوڑنے پر مجبور ہو گیا اور پھر کئی عرصے کے بعد دوبارہ گاؤں میں واپس آیا۔ غلام الثقلین نقوی جس طرح کے کردار ہوتے ہیں جس روپ کے ہوتے ہیں انھیں اسی پر تو سے کہانی میں ڈھالتے ہیں۔ کردار جس طرح کہانی کو آگے بڑھانے میں مدد گار ثابت ہوتے ہیں اسی طرح ان کے لب و لہجہ اور انداز سے عام زندگی کے مسائل کی بھی عکاسی ممکن ہو جاتی ہے۔

ناولٹ میں ایک کردار نینا جو کہ ایک ہیروئن کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ جس کے ساتھ عشق و محبت کی کیفیات منسلک ہیں کہانی کا راوی خورشید اس کے حسن و عشق میں مبتلا دکھایا گیا ہے جو اس کے حسن کا دیوانہ ہے اور بچپن کی اس محبت میں وقت کے ساتھ ساتھ جوانی تک لگن کا جذبہ ملتا ہے۔ خورشید اور نینا دونوں کرداروں کو محبت کا مجسمہ بنا کر دکھایا گیا ہے۔ نینا کا تعلق ایک امیر گھرانے سے تھا اس کے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے خورشید بھی محنت اور لگن کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کی کوشش میں ملوث دکھائی دیتا ہے۔ ناولٹ میں اب خورشید کی ماں کے حوالے سے سختی اور نینا کی ماں کو چاند پور میں رہنے کی جگہ دلانے کے حوالے سے جس طرح کے کرداروں کے مکالمے سامنے آتے ہیں انھیں ملاحظہ کیجئے:

آج تو پندرہ سال کے بعد آرہا ہے۔ اتنا لمبا زمانہ گزر گیا۔۔۔ تیری سوتیلی ماں کو خدا
نے اس دنیا سے نہ اٹھایا۔ اس کی زبان اب بھی کُڑ کُڑ چلتی ہے۔ اس مکان میں اس
کے ساتھ تو کیسے نباہ کر سکے گا؟

پھر میں کہاں جاؤں؟ علیے نے مایوس ہو کر کہا۔

چاچا علیے کو بازو سے پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔ پھر اُس سے سرگوشی میں پوچھا۔ "یہ کون ہے؟"۔۔۔

"اسے میری ماں سمجھ لو یا بڑی بہن"۔۸

جس طرح کسی غیر عورت کا معاشرے میں تنگ نظری کے ساتھ استقبال ہوتا ہے اسی طرح اس اقتباس میں اس کی رہائش کے لیے بندوبست کرنا مشکل دکھایا گیا ہے۔ خورشید کی ماں سوتیلی ہونے کی وجہ سے کسی غیر عورت کو اپنے گھر میں کیسے پناہ دیتی ہے۔ اس کے کردار کو ایک جذباتی اور تیز عورت کے روپ میں سامنے لایا گیا ہے۔ جس میں کسی رشتے کا لحاظ نہیں اور غصے کی تیز عورت دکھائی گئی ہے۔ نینا کی ماں مجبوری کے تحت چاند پور چلی آتی ہے۔ شروع میں تو چاند پور اسے عزت سے اپنا لیتا ہے لیکن پھر وہی چاند پور نینا کے خواب کو توڑ دیتا ہے۔ چاند پور گاؤں کو بھی غلام الثقلین نقوی نے ایک کردار کے روپ سے ہی متعارف کرایا ہے۔ اپنے منفرد انداز سے چاند پور کو بھی ایک پورے کرداری حوالے سے پیش کرنے کا انداز انھیں اہمیت بخشتا ہے جب گاؤں میں علیا نے نینا اور اس کی ماں کی حفاظت کے لیے جگہ کا انتظام کیا تو لوگوں نے بہت باتیں بنائیں مگر پھر وقت کے ساتھ ساتھ جس طرح حالات بدل جاتے ہیں اسی طرح غلام الثقلین نقوی نے بھی ناولٹ میں کرداروں کے ساتھ پیش آنے والے حالات اور رویے کی عکاسی بڑی خوبصورتی سے کی ہے اور نینا کی ماں جو کہ ایک پارسا بی بی ہی کے روپ میں رہنے لگی جو کہ بچیوں کو ناظرہ، قرآن کی تعلیم دیتی اس سے گھرانہ ایک پاکیزگی کا پیکر بن گیا۔ غلام الثقلین نقوی لکھتے ہیں:

> شروع شروع میں لوگوں نے عجیب باتیں کیں۔۔۔ آہستہ آہستہ عورتیں ان سے مانوس ہو گئیں اور چاچا سیدو کا گھر ایک چھوٹا سا مکتب بن گیا، جہاں چھوٹی چھوٹی بچیوں سے لے کر گاؤں کی کنواری بالغ لڑکیوں تک کا ہجوم رہنے لگا۔ بی بی انہیں سینا پرونا سکھاتیں اور صبح و شام ناظرہ قرآن اور اردو کی کتابیں پڑھاتیں۔۹

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں نینا کا کردار جس طرح سامنے لایا وہ ایک معصوم اور خوبصورت کردار کا روپ پیش کرتی ہے جو کہ وقت اور حالات کے ساتھ بدلتی گئی۔ پہلے وہ ڈری ڈری ہی رہتی اور اپنے خول میں ہی قید رہتی۔ یہ ایک قسم کی راؤنڈ کردار کے روپ کا درجہ رکھتی ہے جس کے ساتھ حالات و واقعات میں مسائل نے اتنی رکاوٹیں ڈالیں کہ اس سے بچپن اور جوانی میں خوشی چھن گئی۔ جو خواب اس نے سجائے وہ بھی اس سے لٹ گئے۔ وقت اور زمانے نے اس سے وفا نہیں کی۔ اس ناولٹ میں ایک حقیقی زندگی کی تصویر کشی کے طور پر کرداروں کے نقشے ابھرتے ہیں جن سے زندگی میں حالات و واقعات میں بدامنی اور امن دونوں کا پیغام دکھا کر ایک سبق دکھاتے ہیں۔ تاکہ قاری ان کرداروں کے ساتھ پیش آنے والی مشکلات سے کچھ حقائق کو سیکھ لے اور ان کے ساتھ پیش آنے والی مشکلات کو دیکھ کر کہانی میں جس طرح حیرانگی اور امن و سلامتی کے جذبات کرداروں کے ذریعے سامنے لائے ہیں اس سے زندگی کی مصوری خوب جھلک دکھاتی ہے۔

اس اقتباس میں یہی بات واضح کی گئی ہے کہ غلام الثقلین نقوی نے اس ناولٹ میں خورشید کے باپ کو منفی کردار کے روپ میں سامنے لایا جس طرح کردار کے منفی اور مثبت رویے سامنے لائے ہیں ان سے کہانی کے پلاٹ میں اتار چڑھاؤ سے رنگینی بھی قائم ہوتی ہے اور ناولٹ کو پڑھنے میں دلچسپی بھی بڑھتی ہے۔ کرداروں کے مثبت یا منفی رویے جس طرح کہانی میں اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح معاشرے میں بھی مسائل اور لوگوں کے جس طرح رویے سامنے آتے ہیں انھیں یہ کردار بخوبی نبھاتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی کے ٹائپ کرداروں کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش رقم طراز ہوتے ہیں:

> غلام الثقلین نقوی صاحب کے بیشتر دیہاتی کردار بظاہر ٹائپ معلوم ہوتے ہیں مگر جب وہ کشمکش اور ٹکراؤ کی بھٹی میں سے گزر کر باہر آتے ہیں تو ان کے قلب وماہیت ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ ان کے کرداری اوصاف نمایاں ہو جاتے ہیں۔۔۔ بالفاظ دیگر ان کے اندر کا دیہات کسی نہ کسی مقام پر اپنی جھلک ضرور دکھلاتا ہے۔ ۱۰

بعض کردار کہانی میں فلیٹ کردار کے روپ میں سامنے آئے ہیں اور بعض ضمنی یا ثانوی کردار کی صورت میں دکھائے گئے ہیں جن میں خورشید کی سوتیلی ماں کا ذکر بس صرف تھوڑا سا ملتا ہے۔ باقی پورے ناولٹ میں اس کا مقام سامنے نہیں آیا۔ اسی طرح پرویز کے والد کا کردار بھی تھوڑی سی جھلک ناولٹ میں دکھلاتا ہے پھر اس کے اثرات کہانی میں باقی رہتے ہیں۔

جگت چاچا سیدو کا ذکر جس انداز میں ناولٹ میں کیا گیا ہے اس حوالے سے یہ متحرک کردار کے روپ میں سامنے آتے ہیں جس طرح کے حالات ہوتے ہیں اس طرح خود کو بدلتے رہتے ہیں۔ اس کردار کو بڑی خوبی سے نبھایا گیا ہے جس کی بدولت ناولٹ میں ہمدردی کے جذبات ان کے ذریعے ابھارے گئے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی نے جس انداز میں اس کردار سے متعارف کرایا اس کا نقشہ ناولٹ میں کچھ اس طرح درج کیا گیا ہے ملاحظہ ہو:

> جگت چاچا سیدو بھی اپنی قسم کا عجیب آدمی تھا۔ ہر ایسے موقع پر جہاں تھوڑی سی غرابت ہو، آپ اسے ضرور موجود پائیں گے۔ بیاہ شادی، مرنے جینے، عقیقے کے موقعوں پر سیدو یوں ٹپک پڑتا جیسے آسمان سے اچانک اتر آیا ہو یا زمین نے اسے اگل دیا ہو اور پھر وہ ہنگامے میں یوں رچ بس جاتا جیسے وہ انہیں موقعوں کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہو۔ بن بلائے مہمان عموماً نفرت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن چاچا سیدو کی شخصیت اس کلیے سے بھی مبرا تھی۔ وہ آتا تو محفل میں جان پڑ جاتی اور جب تک وہ نہ آتا محفل میں کسی چیز کی کمی محسوس ہوتی رہتی۔ ۱۱

پرویز منفی کردار کے روپ میں سامنے آتا ہے۔ جس طرح پرویز گلیوں میں بے دھڑک گھومتا اسے کوئی بھی نہ روکتا۔

الغرض غلام الثقلین نقوی کے اس ناولٹ میں مختلف قسم کے کردار سامنے آئے ہیں۔ کہانی میں مختلف مقامات اور واقعات میں کرداروں سے رونق بھی بخشی ہے اور ان کے انداز اور جذبات سے حقائق کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔

شمیرا:

اس ناولٹ میں مرکزی کردار جو سامنے آتا ہے وہ ماسٹر فاروقی ہے جس کے حوالے سے ناولٹ میں اس کردار کو کچھ اس انداز میں متعارف کرایا گیا ہے کہ ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے والا آدمی اپنے باپ کی آمدنی سے ملنے والے وظیفے کی بدولت جی وی کر لیا۔ نوکری ملی تو پہلی بار تقرری حیات پور کے ایک سکول میں کی گئی۔ ماسٹر فاروقی کا گھرانہ ایک شریف اور پاکیزہ گھرانہ تھا جہاں پر اس کو شرافت کی تعلیم و تربیت ملی اور وہ اپنی محنت کے بل بوتے پر تعلیم حاصل کر کے مدرس کے عہدے پر فائز ہوا وہاں پر اسے کم عمری کے باعث جوانی میں جبریت کا نشانہ بنایا گیا۔ غلام الثقلین نقوی نے اس ناولٹ میں فرد واحد کے حوالے سے ہی زیادہ کہانی بیان کی ہے۔ اور اس کردار کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں سے قاری کو حقائق سے آگہی دلانے کی کوشش کی ہے تاکہ معاملات زندگی مین اس طرح کے بھی حالات و واقعات انسانوں کے ساتھ پیش آسکتے ہیں۔ کہانی میں مختلف طرز کے واقعات کو بیان کرنے سے منفرد کہانی کی بدولت قاری کی دلچسپی بڑھتی ہے اور وہ لطف اٹھاتا ہے۔

ناولٹ میں مرکزی کردار کے حوالے سے ماسٹر فاروقی اور شمیرا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ماسٹر فاروقی جب حکومت کے وظیفے پر تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے حیات پور آیا تو تب اس کے سامنے جس نظام کا پیش خیمہ تھا وہ ظلم اور جبریت میں ڈوبا ہوا نظام تھا جس کی زد میں وہ بھی آگیا۔ اس حوالے سے غلام الثقلین نقوی کے اس کردار کو ڈاکٹر انور سدید نے یوں بیان کیا ہے اس کے ساتھ ہونے والے جبر کی کہانی ملتی ہے:

> حساس فاروقی اپنے ضمیر کی آواز پر "اختیار" کو زیر عمل لانا چاہتا ہے۔ لیکن سردار کے ڈیرے پر فاروقی کا جبری قیام آہستہ آہستہ مفاہمت کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن اس کے

ضمیر کی خلش میں اضافہ بھی کر رہا تھا۔ اس کشمکش میں بھی حیات پور کے اس
معاشرے کی حقیقت سامنے آتی ہے۔۱۰

یہاں پر جس طرح ماسٹر کا روپ مرکزی کردار کے حوالے سے دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح دوسرے کرداروں کے ہاں جس طرح کے رویے اپنائے گئے ہیں۔ اس حوالے سے ان کو کہانی میں سمویا گیا ہے جہاں پر جس طرح کی نفسیات ان کی سامنے آتی ہے بالکل خوش اسلوبی کے ساتھ اسے بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ ناولٹ میں ایک عورت کا کردار زیادہ اہمیت کے طور پر سامنے آیا ہے۔ جو ہر معاملے میں کام کرتی دکھائی گئی ہے۔ جس کی ذہنی کیفیت اور جذبات کی عکاسی اس طرح کرائی گئی ہے کہ یہ ایک جانگلی عورت ہے ان لوگوں میں تجسس زیادہ پایا جاتا ہے۔ گاؤں میں جب بھی کوئی نیا آدمی آتا اس کی عادت تھی کہ وہ اُسے ٹھہر کر غور سے دیکھنا شروع ہو جاتی ۔ تجسس اور حیران طبیعت کی یہ عورت سردار کے ہاں ملازمت کرتی اور سردار کے مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے ہر وقت تیار رہتی۔ اس کے کردار کی نمائندگی اور متعارف کرانے کے لیے غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں اس کردار کا نقشہ یوں کھینچا ہے لکھتے ہیں:

بکھاں کا سانولا چہرہ دھلا دھلا سا لگا۔ بال بھی کالے تھے اور کنگی سے سنوارے گئے
تھے۔ آنکھوں میں کاجل تھا اور اس نے دانتوں کو اخروٹ کی چھال سے چمکایا تھا۔۱۳

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں بکھاں کا کردار جس طرح الفاظ کے سانچے میں ڈھالا دوسرے کردار کی زبانی اس کا نقشہ کھینچا۔ ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے جن کرداروں کو شامل کیا جس سے کہانی میں درجہ بدرجہ اتار چڑھاؤ سامنے آیا ان میں کرداروں کے ذریعے کہانی کو بیان کرنے میں اور نتائج اخذ کرنے میں مدد ملتی ہے۔ انھوں نے کہانی میں ایک کردار شمیرا کو خاص کردار کی طرح شامل کیا ہے۔ مگر وہ مرکزی کردار تو نہیں ہے لیکن اسے مرکزی کردار سے کم درجہ بھی نہیں دیا جا سکتا۔ شمیرا کا رول ناولٹ میں بارہا مقامات میں ملتا ہے۔ ہر کام میں پیش پیش رہتا ہے۔ ایک خوش مزاج اور محنت کرنے والا وفادار غلام ہے۔ اس کا تعلق بھی جانگلی خاندان سے ہے۔

شمیرا کردار کی ماسٹر فاروقی کے ساتھ گہری دوستی بھی ہو گئی اور وہ ہر وقت ماسٹر کے ساتھ مدد کرنے کو تیار رہتا۔ شمیرا کے کردار کے مکالمے ناولٹ میں اس طرح درج کیے گئے ہیں:

"میں نے جب تجھے پہلی بار دیکھا تھا تو میرے دل نے کہا کہ تیرے ساتھ میری یاری ہو سکتی ہے بلکہ مجھے یوں لگا جیسے مجھے پہلی بار اپنا یار ملا ہو"۔

"ماسٹر! ہم جانگلی لوگ یاروں کے یار ہوتے ہیں۔ یار چوری کرے، یاری کرے، کسی کو قتل کر دے، ہم اس کا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ یار کے لیے جیل بھی جانا پڑے تو چلے جاتے ہیں، اس کے لیے جھوٹی گواہی بھی دینی پڑے تو دیتے ہیں اور یار مجھ سے میرا معشوق بھی مانگ لے تو میں اسے خوشی خوشی دے دوں گا۔۔۔ اگر یہ شرطیں منظور تو لا ہاتھ۔۔۔ شمیرے نے ہاتھ بڑھایا"۔ ۱۴

اس اقتباس سے ہی "شمیرا" کا کردار جس روپ میں دکھایا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کردار کو غلام الثقلین نقوی نے منفرد اور ایک ایسی لگن رکھنے ولا کردار دکھایا ہے جس کو کسی بھی چیز کی پروا نہیں ہے۔ اور وہ ایک دوسرے کی مدد کے لیے تیار رہتا ہے۔ دوستوں کے لیے کچھ بھی کر گزرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ ایک سچا دوست اور وفا شعار دکھایا گیا ہے۔

بعض کردار ایسے سامنے آئے ہیں جن کا کہانی میں صرف تھوڑا بہت ذکر ملتا ہے۔ اس طرح ناولٹ میں بعض ثانوی کردار اور ضمنی کردار بھی شامل کیے گئے ہیں جن سے کہانی میں ربط قائم ہو سکے اور کہانی میں کسی نہ کسی پہلو کو بیان کرنے میں ان کا کردار بھی اہم ادا کیا گیا ہے۔ جن کا تعلق ماسٹر فاروقی کے حوالے سے ظاہر کیا گیا ہے۔ جن میں ایک عربی ماسٹر مولوی فضل محمد احمد کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک کردار متلی جس کا نام "مدد علی" ہے جو ناولٹ میں ہر مقام پر سامنے آتا ہے۔ یہ بھی جانگلی معاشرے کی ہی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کا ذکر اس وقت کہانی میں ملتا ہے جب ماسٹر سفر کے لیے تانگہ پر سوار ہوتا ہے اور سردار شاہد کا رئیسی تانگہ ہے جس میں اس کا نوکر متلی سوار تھا جس کی اجازت پر ماسٹر کو بھی سفر کرنے کی اجازت ملی۔

ڈاکٹر انور سدید ناولٹ میں متلی کے کردار پر جب تذکرہ کرتے ہیں انھوں نے پھر اِن الفاظ میں اس کردار کو متعارف کرایا۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں کہ:

> بکھاں کا شوہر مدد علی عرف متلی ناول کی نقل و حرکت اور زمانی عمل میں ہر وقت موجود ہے لیکن یہ منفعل کردار جانگلی معاشرے کا نمائندہ ہے۔ جو ذہنی طور پر پسماندہ اور غیرت مندی کے احساس سے محروم ہے۔ ۱۵

ناولٹ میں زیادہ تر کردار جانگلی معاشرے سے تعلق رکھنے والے دکھائے گئے ہیں۔ جو اس کلچر کی بخوبی نمائندگی کرتے دکھائے گئے ہیں اس طرح غلام الثقلین نقوی جس کلچر کی نمائندگی کرتے ہیں وہاں پر انھی کرداروں کے رسم و رواج اور رویوں سے متعارف کراتے ہیں۔

ناولٹ میں سردار اللہ داد کا جب ذکر کیا جاتا ہے تو وہاں پر جاگیرداری نظام کی پیش کش دکھائی دیتی ہے۔ جس کے پاس زمینیں ہیں اور اس کی حکمرانی گاؤں میں دکھائی گئی ہے۔ یہ انگریز کے حکم ماننے والا اور انھی کا وفا شعار دکھایا گیا ہے۔ جس کا حیات پور پر قبضہ ہے۔ اور قادر پور گاؤں کا بھی حاکم ہے۔ جس کی وجہ سے ہیڈ ماسٹر فاروقی کے گاؤں آنے پر بھی سردار کی حاکمیت سے جبر کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے کہنے پر ڈیرے کی طرف ماسٹر کو بھیجا جاتا ہے۔ اس طرح سردار کی حاکمیت اور رعب و دبدبہ کا انھی باتوں سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ فیوڈل ازم سسٹم کا نقشہ یہ گاؤں پیش کر رہا ہے۔

ناولٹ میں ثانوی نوعیت کے کردار کا ذکر ملتا ہے جس میں سردار کی بیوی شامل ہے۔ سردارنی حوراں اور بڑی سردارنی کا کم و بیش کردار ظاہر کیا گیا ہے۔ سردار کے ہاں اولاد نہ ہونے کے باعث سردار نے تین شادیاں کیں اور سردارنی جو سردار کی پہلی بیوی تھی وہ سردار کا رشتہ خود کراتی۔ اس کا رعب و دبدبہ اور بڑا پن دکھایا گیا ہے۔ اس کا رشتہ سردار سے تب قائم ہوا جب وہ سردار کے کہنے پر گرفتار ہو کر اس کے محل میں پیش ہوئی تو سردار کی بات مان کر شادی کے لیے رضامند ہوئی اس کا تعارف ناولٹ میں یوں کرایا گیا ہے:

بڑی سردارنی ایک قبیلے سے تعلق رکھتی ہے جو ایک دریا کے کنارے ایک ریاست کی سرحد پر رسہ گیری کرتا اور ڈاکے ڈالتا تھا۔۔۔ جب وہ شیر دل خاتون گرفتار ہو کر نواب صاحب کے حضور پیش ہوئی تو اس کی وجاہت سے بہت متاثر ہوئے۔۔۔ کچھ عرصہ وہ نواب صاحب کے محل کی زینت بنی رہی۔۔۔ بڑی سردارنی کی جب کوکھ ہری نہ ہوئی تو سردار نے ایک اور شادی کرلی۔ بڑی سردارنی نے سردار کا رشتہ خود طے کیا اور دلہن کو اس طرح محل میں رکھا جیسے وہ اس کی بہو ہو۔۔۔ سردار کی تیسری بیوی قصبہ "ح" کے ایک درزی کی بیٹی ہے۔ جب وہ جوان ہوئی تو اس کے حسن کی دھوم مچ گئی۔۱۶

اس اقتباس سے سردار کی تینوں بیویوں کا ذکر ملتا ہے۔ جن کے ہاں اولاد نہ ہونے کے باعث سردار نے تیسری شادی کرلی اور اسے سردارنی حوراں کا نام دیا گیا۔ جس کی حسن و خوبصورتی کے چرچے پورے گاؤں میں سامنے آئے۔ بیویوں کے کردار میں جس طرح کا نرم لہجہ اپنایا گیا وہ سامنے آیا۔

اس طرح ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے متعدد کردار سامنے لائے ہیں جن کے اپنے خاندانی پسِ منظر کے حوالے سے ان کو متعارف کرایا۔ اُن کے اصلی خاندان کی نقش نگاری کے ساتھ انھیں اس صورت میں سامنے لایا تاکہ قاری ان کرداروں کے روپ سے متاثر ہو سکے اور انھیں اسی روپ میں واضح کیا جن میں ان کرداروں کا اصل تعلق تھا۔ ان کا وہی لب و لہجہ اور انداز دکھایا۔ جس سے ان کی تہذیب کی عکاسی بخوبی ہوتی ہے۔ غلام الثقلین نقوی کا تعلق زیادہ تر دیہات سے تھا اس لیے ان کی کہانیوں میں دیہاتی پس منظر کی کہانی ملتی ہے جس کی وجہ سے ناولٹ میں زیادہ تر دیہی معاشرت سے تعلق رکھنے والے کردار ہی ملتے ہیں جن کے ہاں دیہی لب و لہجہ رسم و رواج دکھائی دیتے ہیں۔ اور اس حوالے سے معاشرت کی عکاسی کرنے میں اسی نظام کا ذکر ملتا ہے جو جس گاؤں سے متعلق ہوتا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا دیہی معاشرت کی عکاسی کرنے کی وجہ سے ان کے کرداروں کو بھی دیہاتی کردار ہی کہا ہے ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں کہ:

غلام الثقلین نقوی نے دیہات کے کرداروں کو بڑی نفاست، خلوص اور جذبے کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انھوں نے ان کرداروں۔۔۔کے باہمی رشتے کو دریافت کر کے دیہات کو ایک نامیاتی کل کے طور پر پیش کیا ہے۔۱۷

مختلف کرداروں مرد اور عورت کے کرداروں کے حوالے سے ان کی الگ الگ نفسیات سے ان کو متعارف کرایا ہے۔ ان کی نفسیاتی حوالے سے نقشہ کھینچا ہے۔ اس طرح یہاں پر جاگیر دارانہ نظام کے تحت دیہی معاشرے میں جس طرح استحصالی نظام کی آڑ میں غریب کسان آجاتے ہیں اور غریب طبقہ پھنس جاتا ہے اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

شیر زمان:

غلام الثقلین نقوی کا تیسرا ناولٹ "شیر زمان" جس کا کرداری حوالے سے جائزہ لیا جائے۔ تو اس ناولٹ کا اہم اور مرکزی کردار "شیر زمان" کے روپ میں سامنے آیا ہے جو اپنی ان تھک محنت کے ذریعے پہلے انگریزی فوج کے لیے مقابلہ کرتا رہا اور فتح کا حق دار ہوتا ہے اس کے بعد وطن واپسی پر اس کا دوست اسے کشمیر کے حالات وواقعات سے آگاہ کرتا ہے اور اسے اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ وہ اپنے ملک کے لیے بھی کوشش کرے اور اس کی خاطر بھی جنگ میں شامل ہو۔ اس کا تعلق سنبل گاہ سے تھا۔ وہاں کے لوگوں کا پیشہ "فوج" تھا اسی لیے وہ بہادر اور نڈر کردار کے روپ میں ناولٹ کی کہانی میں اپنے ہنر دکھاتا رہا۔ جب شیر زمان اپنے گاؤں سنبل گاہ جانے لگا تو اس وقت جس لباس میں ملبوس تھا اس کا نقشہ کچھ یوں کھینچا گیا ہے:

صوبیدار شیر زمان نے لاری سے اتر کر جیپ سے رومال نکالا اور منہ پونچھا۔ وہ سفید شلوار اور سفید قمیض میں ملبوس تھا۔ سر پر کلف لگی سفید پگڑی کا اکڑا ہوا طُرہ، اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پتلی سی چھڑی تھی اور دوسرے میں ہینڈ بیگ۔۱۸

ناولٹ میں اس کردار کے ساتھ جن کرداروں کی گہری وابستگی ملتی ہے وہ ریشم جان کا کردار ہے جس کے ساتھ (شیر زمان) کی دلی جذباتیت قائم تھی۔ ریشم جان کا کردار جس روپ میں سامنے لاتے ہیں وہ ایک ایسا نسوانی کردار ہے۔ جس کے ساتھ ناولٹ کے مرکزی کردار کا گہرا رشتہ قائم ہے۔ اس کی بیوی ریشم جان کا نیلے رنگ سے گہرا لگاؤ تھا۔ ریشم جان کی اسی وابستگی کی بدولت شیر زمان کو بھی نیلے رنگ سے ریشم جان کی یاد تازہ ہو جاتی ہے ریشم جان بظاہر ثانوی کردار کے طور پر سامنے آئی۔ ناولٹ میں صرف شروع میں ہی اس کردار کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ لگن اور تعلق کی بنا پر پورے ناولٹ میں اس کا عکس ملتا ہے۔ ریشم جان شیر زمان کو ہر پل برائی سے بچانے میں مدد دیتی رہی۔ اس کی وفات کے بعد بھی جب شیر زمان پر کسی خیال کے اثرات اترتے تو ریشم جان اس کے ضمیر کی آواز بن کر حواس پر چھا جاتی اور اسے کسی برائی کی طرف بڑھنے سے روکتی رہتی۔ اس طرح ریشم جان کا کردار اس حوالے سے اہمیت کا حامل ہے۔ جس سے رومانی حوالے سے ناولٹ میں کرداروں کو بیان کیا گیا۔ جس طرح ریشم جان اس کے ساتھ ہر لمحے جڑی رہتی اس کی یاد میں کسی کی طرف بڑھنے کا تصور اسے روکتا اور وہ اپنے نفس پر ریشم جان کی بدولت قابو پائے رکھتا۔ غلام الثقلین نقوی کے کردار ریشم جان کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:۔

> اس کی بیوی ریشم جان اس کے جنسی کردار کی پاسبان ہے اور کسی مقام پر بھی اس کے حواس سے الگ نہیں ہوتی حتٰی کہ ناولٹ میں اینا اور نیلم کے کردار فطری انداز میں رونما ہوتے ہیں لیکن ان کرداروں پر بھی ریشم جان سایہ فگن رہتی ہے اور شیر زمان کے پائے ثبات کو قائم رکھنے میں معاونت رکھتی ہے۔۱۹

"ناولٹ میں ریشم جان کے ساتھ ساتھ دو اور نسوانی کرداروں کا ذکر ملتا ہے ان کا لگاؤ بھی شیر زمان سے وابستہ ہے۔ جس میں اٹلی کی لڑکی اینا ظلم اور جبریت کا شکار ہوتی ہے اور شیر زمان اسے اس ظلم سے نجات دلاتا ہے اس کے علاوہ نیلم کا کردار ہے۔

شیر زمان سے منسلک کرداروں میں اس کے چچا کا کردار بھی اہمیت کا حامل ہے جس کے دل میں شیر زمان کے لیے ہمدردی کے جذبات موجود تھے۔ یہ حقیقی معاشرت کی عکاسی کرتا ہے جہاں پر آپ کے رشتے دار آپ کی مدد کے لیے تیار رہتے ہیں۔ خون کے رشتے نہ چاہتے ہوئے بھی ختم نہیں ہوسکتے۔ اسی لیے جب وہ اپنے بھتیجے کی حالت خراب دیکھتا تو اس کا دل خون کے آنسو روتا۔ اور اسے گھر دوبارہ بسانے کے لیے رضامند کرتا۔ اس کے چچا کی حالت بھی خراب ہی رہتی۔ شیر زمان جب وطن واپس لوٹا تو اپنے چچا کے گھر گیا تو اس کے چچا نے اس سے بڑے غصے کا اظہار کیا اور اس سے پوچھا کہ وہ کہاں تھا۔ اس کردار کے حوالے سے جن مکالموں کا ذکر ناولٹ میں ملتا ہے وہ ملاحظہ کیجیے:

> رحم داد نے پائندہ خان کو پہنچان کر کہا "حوالدار صاحب! صبح صبح ادھر کس کام کے لیے آنا ہوا؟"
>
> اس نے شیر زمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "رحم داد پہچانو تو" بھلا یہ کون ہیں؟"۔۔۔ شیر زمان کو چند لمحے دیکھتا رہا؟ کسی نے بتایا تو لام میں کام آگیا ہے، تو میں نے کہا، نہیں میرے بھائی کرم داد کی نشانی مٹ نہیں سکتی۔ ادھر آ اور میرے سینے لگ جا!" شیر زمان اس سے بغل گیر ہوا تو اس نے محسوس کیا کہ اگر وقت چچا کے ہاتھ میں خنجر ہوتا تو بلا توقف اس کے سینے میں گھونپ دیتا۔ ۲۰

رحم داد کا کردار ایک سادہ کردار ہے۔ جو شروع سے لے کر آخر تک شیر زمان کے لیے ایک سے جذبات کا اظہار رکھتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی اس طرح مختلف کرداروں کے رویوں سے حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں جس طرح عام معمولاتِ زندگی میں رشتے ناطے سامنے آتے ہیں اور ان میں جس طرح کے جذبات ملتے ہیں انھیں سامنے لایا گیا ہے محض کرداروں کے ذریعے واقعات کو بیان کر کے قاری کے دل میں بھی جذبات کو ابھارا ہے۔ کرداروں کی جذباتی کیفیات اور ان کے ساتھ ہونے والے مسائل و معاملات کو پڑھ کر ایک قاری کے دل میں بھی انھی جذبات کا اظہار ملتا ہے۔

ناولٹ میں ایک کردار کیپٹن دلاور خان بھی شامل ہے جس کے اندر ہمت اور حوصلہ موجود ہے اور وہ شیر زمان کا دوست ہے جس نے شیر زمان کو ہمت دی کہ وہ کشمیر کے لیے فرائض سرانجام دے اپنے ملک کی رہنمائی کے لیے تگ و دو کرے۔ بلآخر وہ رضا مند ہو گیا کہ کشمیر کے لیے بھی اَن تھک محنت کرے گا اور دشمنوں کا مقابلہ کر کے فتح یابی حاصل کرے گا۔ غلام الثقلین نقوی نے انہی کے ہی انداز میں واقع کو یوں سامنے لایا۔

غلام الثقلین نقوی کی کردار نگاری کے حوالے سے جس طرح ڈاکٹر وزیر آغا نے روشنی ڈالی ہے ان کے بیان کے مطابق غلام الثقلین نقوی کے کردار اجنبی معلوم نہیں ہوتے ان کا تعلق جہاں سے بھی ہو وہ اپنی جگہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

> کردار کو اپنے غیر معمولی پن کے باوصف اس جزک مزاج، اس معمولی پن کا بھی حامل ہونا چاہیے جو کسی ملک کے باشندوں میں ایک قدر مشترک کے طور پر موجود ہوتا ہے۔ اور جن کا براہِ راست تعلق وطن کی مٹی میں اور اس کے اوصاف سے ہے۔ غلام الثقلین نقوی کے کردار چاہے وہ شہری ہوں یا دیہاتی اپنی کرداریت ،اپنے غیر معمولی پن کو سوادِ اعظم کے جزک مزاج پر استوار کرتے ہیں اور اسی لیے اجنبی نظر نہیں آتے۔۲۱

کرداروں کے معصومانہ جذبات کی عکاسی اور بہادری کے جذبات ان کے ناولٹ کا خاصا ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے جس طرح اس ناولٹ میں خواتین کرداروں کی معصومیت کا سامنا دکھایا ہے اسی طرح مرد کرداروں کو بہادر دکھایا ہے۔ زیادہ تر اس ناولٹ میں فوجی کردار کی جھلک ملتی ہے۔ کیونکہ یہ ناولٹ کشمیر کے موضوع اور جنگ کے حوالے سے تحریر کیا گیا۔ اس لیے اس میں کردار بہادری، شجاہت کا جوش اور ولولہ دکھاتے ہیں۔

اس کے علاوہ ناولٹ میں کچھ ایسے کردار جن کا ذکر ناولٹ میں کہانی میں ربط قائم رکھنے اور کہانی کو مکمل کرنے کے لیے شامل کیے گئے ہیں اِن میں دکاندار مکھن سنگھ، کرنل وغیرہ کا ذکر ملتا ہے جو کہانی میں تھوڑی دیر کے لیے نمودار ہوتے ہیں اور پھر ان کا مقام سامنے نہیں آتا۔

ناولٹ میں ایک کرنل کا کردار اس روپ میں دکھایا جب شیر زمان نے کشمیر کی خاطر فوج میں بھرتی ہونے کا عزم ظاہر کیا تب پلندری پہنچ کر اسے کرنل سے ملاقات ہونے پر فوج میں شامل کیا گیا۔ کرنل کا کردار اس لمحے میں ایک ایسے رویے کے طور پر سامنے آتا ہے جس میں کسی کو پرکھنے کا جذبہ ملتا ہے۔ کسی کو بھرتی کرنے سے پہلے جس طرح اس سے جانچ پرتال کی جاتی ہے اس طرح کرنل نے بھی شیر زمان سے سوال جواب کیے اور پھر اس کی باتوں کو تحمل مزاجی سے سُن کر اس کو فوج میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہاں پر اس کردار کے ہاتھ میں قوتِ فیصلہ کرنے کا اختیار ملتا ہے۔ جس کے جذبات میں ایک افسر کا سارا رعب و دبدبہ ملتا ہے جو کسی بھی فوجی کرنل کے ہاں دکھائی دیتے ہیں یہ کردار انہی معاشرتی مسائل کا اظہار کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کرنل کے صوبیدار کے ساتھ جس طرح کے مکالمات دکھائی دیتے ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

> صوبیدار شیر زمان نے خیمے کے اندر داخل ہو کر سیلیوٹ مارا۔ میز کے سامنے بیٹھے ہوئے کرنل صاحب کا نصف چہرہ ابھی تک گریٹ کوٹ کے کالروں میں چھپا ہوا تھا، تاہم اس نے جیپ والے افسر کو پہنچان لیا۔
>
> اس نے پوچھا "صوبیدار صاحب! آپ پاکستان آرمی سے کب ریلیز ہوئے؟"
>
> "سر! کوئی یہی سات آٹھ مہینے پہلے"۔۔۔
>
> "پھر آزاد کشمیر کی فوج میں بھرتی ہونے کا خیال کیسے آیا؟"۲۲

اس اقتباس میں غلام الثقلین نقوی نے جس انداز میں اپنے کردار شیر زمان کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اس سے وطن سے محبت اور وطن کی خاطر جان کی قربانی دینے تک کے سچے جذبات کی عکاسی ملتی ہے۔ غلام الثقلین نقوی کا کردار ایک حوالے سے ماضی میں بھی پناہ ڈھونڈتا ہے۔ محبت کی شدت کے احساس میں وہ

ماضی کے حسین لمحات میں کھویا رہتا ہے۔ اس طرح اس کی فطرت میں غم کے ساتھ یادِ ماضی کے جذبات لازم وملزوم دکھائی دیتے ہیں۔

کشمیر کے مشن سے جڑے جن کرداروں کا ذکر فوجی انتظامات سنبھالنے میں جن کا بیان ملتا ہے ان میں رحیم گل، حوالدار طماسپ خان اور سپاہی اورنگ زیب شامل ہیں۔ جن کے ہاں بہادری کے جذبات سے ان کی قربانیوں کے جلوے دکھائے ہیں۔ ان کا ذکر معمول سے ہٹ کر کیا گیا ہے مگر یہ ناولٹ میں تھوڑی دیر کے لیے رونما ہوتے ہیں ان کرداروں سے المیاتی کردار واضح ہوتے ہیں۔ جس طرح اِن دونوں کرداروں کے اندر ایک جنون اور چمک ابھرتی ہے وہی شیر زمان میں دکھائی دیتی ہے۔ غلام الثقلین نقوی کرداروں کی زبانی اس کیفیت کو یوں سامنے لاتے ہیں:

> کیپٹن دلاور خان اس کی آنکھوں میں جھانکا اور اسے وہاں وہی چمک نظر آئی جو اس نے سپاہی اورنگ زیب، ناٹک رحیم گل اور حوالدار طماسپ خاں کی آنکھوں میں دیکھی تھی اور وہ تھرتھرا کر رہ گیا۔ ۲۳

ایک دلچسپ کردار وکرم سنگھ کی صورت میں نمودار ہوتا ہے جس کے ساتھ شیر زمان نے ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا جس کردار کے ہاں غلام الثقلین نقوی نے دشمنی کے جذبات دکھائے اور اس کا مورچہ، جو کہ رات دن اس مورچہ میں تاک لگائے بیٹھا رہتا کہ کس وقت وہ گولا باری کرے اور وادی کو برباد کر دے اس کے مورچے کا منظر جس طرح ناولٹ میں دکھایا ہے اس کا نقشہ ملاحظہ ہو:

> وکرم سنگھ کا مورچہ سامنے کی پہاڑی پر ہے۔ اس کے پاس معلوم نہیں کون کون سی گنیں ہیں۔ اس کا ایک مہینے سے اپنی آرمی سے رابطہ کٹا ہوا ہے۔۔۔ وکرم سنگھ ہر روز اس وقت مارٹر کا ایک گولہ چلا کر ہمیں چیلنج دیتا ہے۔۔۔ دلاور خان! یہ وکرم سنگھ وہی ہے جس نے اٹلی میں ملٹری کراس لیا تھا۔"
>
> "ہاں شیر زمان"! ۲۴

غلام الثقلین نقوی کے کرداروں کی اخلاقیات اور ان کے جذبات و احساسات کی عکاسی جس انداز میں ڈاکٹر انور سدید نے متعارف کرائی ہے اس سے ان کے کرداروں میں مضبوط احساس اور ذمہ داری کے کارنامے چھلکتے ہیں۔بقول ڈاکٹر انور سدید:

> ان کے کردار مٹی کی مانند مورتیں یا لکڑی کے ٹکڑے نہیں بلکہ گوشت اور خون کو متحرک رکھنے والے کردار ہیں۔ یہ احساسات سے بھرپور، زندہ، توانا اور چلتے پھرتے انسان ہیں۔ یہ کردار ایک صحت مند معاشرے کے ذمہ دار افراد بھی ہیں، اس لیے معاشرے کی وضع کردہ ضابطوں کی تکذیب کے مرتکب بھی نہیں ہوتے۔ چنانچہ جسمانی قربت کا جب کبھی کوئی نازک لمحہ آتا ہے، تو معاشرتی قدر غالب آجاتی ہے۔۲۵

الغرض غلام الثقلین نقوی کے تینوں ناولٹ میں جس طرح کے کرداروں سے معاشرت کی عکاسی کی ہے ان سے معاشرے میں پیدا ہونے والے تمام مسائل کی تصویر کشی بڑی خوبصورتی کے ساتھ جھلکتی ہے۔ ان کے ہاں ابھرنے والے مسائل کو دکھا کر زندگی کے حسین تصورات اور المیاتی تصورات کی منظر کشی کرتے ہیں۔ ان کرداروں کو اتنی مضبوطی کے ساتھ کہانی میں مربوط پلاٹ کے ساتھ شامل کیا ہے جس سے یہ کردار زندگی میں پیش آنے والے تمام مسائل و مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ اور انھیں حل کرنے کی تگ و دو میں لگن کے ساتھ ناولٹ میں اپنے جوہر دکھاتے ہیں۔

غلام الثقلین کرداروں کے ساتھ ہنستے بولتے دکھائی دیتے ہیں۔ کہانی میں اس طرز کے کرداروں کو جلوہ گر کرتے ہیں جس طرح وہ حالات کے ساتھ خود جڑے ہوئے ہوں اور انھیں حل کرنے کے لیے کہانی کا حصہ خود بن کر کرداروں کا روپ اپنا کر کہانی میں دلکشی پیدا کرتے ہیں۔

ج) تکنیک:

ناولٹ کے فنی محاسن میں سے ایک اہم جزو ہے۔ تکنیک کے حوالے سے اگر مطالعہ کیا جائے تو اس سے مراد وہ طریقہ کار ہے جس سے مصنف اپنے تجربات ومشاہدات کا اظہار مختلف اسالیب اپنا کر بیان کرتا ہے۔ تکنیک کی تعریف لغت میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

> تکنیک ایک یونانی لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں ''فن یا طریقہ کار'' ادب میں لفظ تکنیک کو عموماً طرز تحریر یا قدرت بیان کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔۲۶

الغرض تکنیک وہ عمل یا طریقہ کار ہے جو خیال کو وجود دینے میں معاون ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے تین ناولٹ ''چاند پور کی نینا''، ''شمیرا'' اور ''شیر زمان'' کا تکنیکی حوالے سے جائزہ لیا جائے تو ان کے ناولٹ چاند پور کی نینا میں بیانیہ تکنیک کا استعمال بخوبی ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے مکالمے کی تکنیک کا استعمال کیا ہے۔ جس سے مکالمے کی تکنیک سے کہانی کو بڑی خوبی سے آگے بڑھایا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے اس ناولٹ میں جو رومانی کہانی ترتیب دی گئی ہے جہاں خورشید کو نینا سے محبت کا دعوے دار دکھایا ہے وہاں پر جب کہانی نینا کے لال محل میں جانے تک پہنچتی ہے تو وہاں پر غلام الثقلین نقوی نے آپ بیتی کی تکنیک میں کہانی کو پیش کیا ہے جہاں خورشید بیان کرتا ہے کہ نینا ہارڈی کی ٹیس کی طرح حالات کا مقابلہ کرتی اور زہریلے پھول کو مسل دیتی ہے لیکن اس نے بہادری کا مظاہرہ نہیں کیا اور حالات سے بے بس اور مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ نینا کے ساتھ ظلم کی انتہا اس صورت میں پیش آئی جب اس کے باپ کی وہ بے وفائی کی وجہ سے ماں بیٹی کو گاؤں چھوڑنا پڑا بلآخر کہانی کے اختتام میں جب نینا بے عزتی کے غم میں خورشید سے دور ہو گئی تو پھر وہی باپ واپس لوٹتا ہے اور نینا بے اختیار اپنے باپ کا ہاتھ تھام لیتی ہے۔ یہاں پر خورشید اور نینا کی آرزوئیں ٹوٹتی ہیں جو ایک دوسرے سے وفاداری کے جذبات رکھتے تھے مگر حالات کے آگے ہار مان گئے۔ ناولٹ کے اختتام میں آپ بیتی کی تکنیک کو اپنایا گیا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ شمیرا میں صیغہ واحد متکلم کی کہانی ترتیب دی ہے جس میں ایک شریف مدرس کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ جو حالات سے مجبور ہو کر قدرت اختیار رکھنے اور نہ رکھنے کی کشمکش میں ہمت وحوصلہ کے باوجود شکست کھاتا ہے۔ اس ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے واحد متکلم کی تکنیک برتنے کے ساتھ ساتھ ایک اور جو تکنیک اپنائی ہے وہ فلیش بیک تکنیک کا استعمال ہے۔ جس میں ماسٹر فاروقی کے واعقات کو اس کے احساسات وجذبات کو ماضی اور حال دونوں صورتوں میں دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ان ے اس ناولٹ پر تکنیک کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید یوں بیان کرتے ہیں:

> ناولٹ ''شمیرا'' میں بائیس برس کے یہ واقعات اور ماسٹر فاروقی کی بات یہ ہے کہ ناولٹ کا ''حال'' اور حیات پور کا ماضی یعنی منظر اور پس منظر متوازی دھاروں کی طرح ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ناولٹ شمیرا کا راوی ہیڈ ماسٹر فاروقی ہے جو بائیس برس پہلے اپنی تقرری پر اس جانگلی گاؤں میں آیا تھا تو صرف ماسٹر فاروقی تھا۔۲۷

اس طرح پوری کہانی اس کردار کے گرد گھومتی ہے۔ جہاں پر اس کو جبر کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ جوانی میں بھی حیات پور گاؤں میں سلوک روانہ رکھا گیا۔ تب اس میں ہمت کے باوجود مقابلہ کرنے کا حوصلہ موجود نہ تھا لیکن بڑھاپے میں زندگی نے پھر اسے موقع فراہم کیا کہ وہ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرے۔ اس بار وہ پورے جوش اور جذبے سے اس میں ایک المیائی پہلو بھی دکھائی دیتا ہے۔ جہاں سردار اسے ڈیرے پر زبردستی لے جاتا ہے اور وہ آزادانہ زندگی گزارنے کے بجائے اس کوٹھری میں قید ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس طرح کہانی کے اختتام پر مکالمہ نگاری کی تکینک دیکھنے کو ملتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی کا تیسرا ناولٹ جس تکنیکی پہلو سے تحریر کیا گیا وہ بھی پس منظر اور پیش منظر دو دھاریوں میں تحریر ہوا۔ اس ناولٹ میں جس طرح پس منظر میں اٹلی اور جرمن کی جنگ کے حالات وواقعات کو مقید کیا گیا ہے جہاں پر ان کا کردار شیر زمان بہادری سے جنگ میں شامل ہوتا ہے اور فتح یابی حاصل کر کے وطن واپس لوٹتا ہے۔ اس طرح کہانی میں پیش منظر کے طور پر جدوجہد کشمیر کے حالات وواقعات کو ترتیب دیا

گیا ہے جس میں پھر مکالمے کی تکنیک کا بھی استعمال دکھایا گیا ہے۔ اور ان کے ناولٹ شیر زمان کی تکنیک کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید رقمطراز ہیں:

> ''ناولٹ شیر زمان کے پس منظر میں ماؤنٹ کینو کی جنگ بھی موجود ہے جس کی یادوں کے جگنو اب بھی شیر زمان کے خوابوں کو جگمگا اٹھتے ہیں۔۔۔''لام اچھی نہیں ہوئی۔ اپنے ملک میں ہو یا کسی دوسرے ملک میں۔'' ہارنے والا تو نقصان اٹھاتا ہی ہے۔ لیکن جیتنے والے کا بھی نفع نہیں ہوتا۔''۲۸

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں جہاں پر شیر زمان کردار کو بہادری کا پیکر بنا کر پیش کیا ہے اس سے اٹلی کی جنگ اور پھر کشمیر کی جنگ کے حالات وواقعات بڑی خوش بیان کے ساتھ پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جس سے ان کے ہاں واقعات کو بیان کرنے کا سلیقہ اور شیر زمان کے الفاظ میں اس کی بہادری کے نقوش دکھائے ہیں۔ وہ ان کی پس منظر اور پیش منظر کی تکنیک کو نمایاں کرتے ہیں۔

الغرض غلام الثقلین نقوی کے تینوں ناولٹ ''چاند پور کی نینا''، ''شمیرا'' اور ''شیر زمان'' کا تکنیکی حوالے سے جائزہ پیش کرنے سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ انھوں نے اپنے ناولٹ میں تکنیک کے فن کو بڑی مہارت سے برتا ہے اور اپنے ناولٹ میں خاص تکنیک فلیش بیک کا استعمال کرنے کے ساتھ مکالمے کی تکنیک اور صیغہ واحد متکلم کی تکنیک کو استعمال کیا ہے۔

د) اسلوب:

اسلوب سے مراد چونکہ لکھنے کا طریقہ، انداز قرار دیا جاتا ہے۔ یا کسی بھی لحاظ سے کسی کے ہاں جو طور طریقے اپنائے جاتے ہیں اسے اسلوب کہا جاتا ہے۔ اسلوب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے اور کہا گیا ہے کہ اسلوب کا لفظ یونانی زبان سے نکلا ہے:

> اسلوب کو انگریزی میں (sTYLE) ،اردو میں اسلوب، عربی و فارسی میں "سبنک" کہتے ہیں۔ انگریزی لفظ sTYLE ایک یونانی لفظ sTITUS سے نکلا

ہے۔ جو ہاتھی دانت، لکڑی یا کسی دھات سے بنا ہوا ایک نوکیلا اوزار ہوتا ہے۔ جس سے موم کی تختیوں پر حروف، الفاظ اور طرح طرح کے نقوش کنندہ کیے جاتے تھے۔ اسلوب میں چونکہ لفظوں کا انتخاب، کانٹ چھانٹ اور تحریر ہوتی ہے اس لیے شاید اسے اسٹائل کہا گیا ہو۔۲۹

اوپر درج کی گئی تعریف سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلوب میں کسی تحریر یا الفاظ کی صورت یا کسی طرح کے منتخب الفاظ سے لکھنے کو شامل کیا جاتا ہے۔ اسلوب کو ہم طرزِ، طریقہ، ڈھنگ، ترتیب الفاظ کے زمرے میں شامل کرتے ہیں جس سے تحریر میں کسی بھی لفظ کو خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کرنا شامل ہوتا ہے۔ اسلوب کی جمع اسالیب کو لیا جاتا ہے۔ اسلوب کے لیے انفرادیت کو دیکھا جاتا ہے۔ ہر کسی کا اپنا مخصوص طرزِ بیان یا خط ہوتا ہے جس کے دائرے میں وہ رہ کر اپنے منفرد کام کی نمائندگی کرتا ہے۔ انفرادیت کے ساتھ جو چیز اسلوب میں اہم ہوتی ہے اسے "پروفیسر نثار احمد فاروقی" نے یوں بیان کیا ہے:

آسان نثر میں انفرادیت مشکل سے پیدا ہوتی ہے اور پر تکلف نثر میں نقالی کا اندیشہ رہتا ہے۔ اردو نثر میں۔۔۔ اشارے کو زیادہ وقعت دی گئی ہے۔ لیکن استعارے میں ندرت سب سے کم ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ کلام میں سب سے زیادہ جرات اور اثر پیدا کر سکتا ہے۔۔۔ اسلوب میں بے پناہ تاثیر کے علاوہ قاری کے لیے ذہنی مسرت کا بھی بڑا سامان ہو گا۔ اسلوب میں الفاظ کی ترتیب اور انتخاب کا سلیقہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اور اسی پر اسلوب کا دارومدار بھی ہے۔۳۰

کسی بھی شخصیت کے فن کی خوبیوں کو بیان کرنے کے لیے اسلوب کو جانچنا ضروری ہے۔ اس کی شخصیت کے تمام پہلو سمٹ کر الفاظ بیان کی تراکیب اور رنگ ڈھنگ بھی الفاظ میں ڈھل جاتے ہیں۔

ا۔ "چاند پور کی نینا"

غلام الثقلین نقوی کے اسلوب پر بحث کی جائے تو اس کا اپنا منفرد اسلوبِ بیان سامنے آتا ہے۔ ان کے ہاں شاعرانہ لب ولہجہ اور سادہ الفاظ کا چناؤ ملتا ہے اور سادگی بیان میں ہی کہانی کو سموڈالتے ہیں۔ خوش بیانی کا یہ اظہار انھیں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔

عام زندگی سے سادہ موضوعات کا چناؤ کرتے ہیں۔ واقعات کا بیان کرنے اور حقائق کو بیان کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں جس میں معاشرے کی سچائیوں کو کھول کر قاری کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ تاکہ قاری کے ذہن میں بھی تمام مناظر سامنے آجائیں۔

اِن کے اندر اس سے مقابلہ کرنے کی ہمت، حوصلہ اور جذبہ موجود ہو۔ سادگی کا اظہار بھی ایک مشکل عمل ہے۔ سادہ اسلوب بظاہر تو ایسا لگتا ہے کہ کوئی بھی اس طرح کی تخلیق کر سکتا ہے مگر یہ ایک مشکل امر ہے جس قدر سادہ اسلوب ہو گا اس قدر مشکل ہو گا کیونکہ سادہ الفاظ کا چناؤ کرنا بھی تو ایک پیچیدہ امر ہے جس میں خیال رکھنا ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ قاری کو مشکل پیش آئے اور نہ ایسے الفاظ کا استعمال ہونا چاہیے کہ قاری کو کہانی پڑھتے ہوئے لغات کو کھول کھول کر جائزہ لینا پڑے کہ اب یہاں پر مصنف نے کیا کہنے کی کوشش کر رہا ہے کیونکہ ہر کوئی اس قابل تو نہیں ہوتا کہ وہ اتنا ادبی لگاؤ رکھتا ہو کہ کیسے بھی بیانیہ انداز اپنائے جائیں وہ آسانی سے سمجھ لے ایک عام قاری کی ذہنیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہی قلم کار کو تخلیق میں الفاظ کا چناؤ کرنا ہوتا ہے تاکہ قاری چاہے عام ہو یا خاص دونوں کے ذہن میں الجھن نہ ہو اور دونوں اس مقصد کو سمجھ سکیں جو کہ ایک تخلیق کار ان تک پہنچانا چاہتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ "چاند پور کی نینا" میں سب سے پہلے اسلوب کا جائزہ لیا جائے گا۔

غلام الثقلین نقوی کے اس ناولٹ میں سادگی بیان ہوئی ہے۔ جس میں دیہی معاشرت کی عکاسی میں ایک رومانی کہانی کو بیان کیا گیا ہے۔ جس میں سادگی کا حسن دکھائی دیتا ہے۔ سادہ اور عام الفاظ کا چناؤ کیا گیا

ہے۔ اسلوب کی خوبصورتی کے حوالے سے رحمان مذنب کہتے ہیں کہ قلم کا استعمال آہستگی سے کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ غلام الثقلین نقوی:

> لکھتے ہیں تو ہلچل نہیں مچاتے۔ قلم دھیرے دھیرے چلاتے اور رس گھولتے رہتے ہیں۔ ایک الگ ادا رکھتے ہیں۔ ۳۱

اسلوب کی اس سادگی کے ساتھ ان کے ہاں پختگی دکھائی دیتی ہے وہ اپنے اس جوش و جذبے کے ساتھ ہی آگے بڑھتے ہیں۔ سادگی اور آہستگی کی بدولت ہی ایسی تخلیق کو سامنے لاتے ہیں جو ایک لطف کا باعث بنتی ہے اور کہانی میں رس گھولتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ غلام الثقلین نقوی کا اپنا ایک خاص اسلوبِ بیان ہے جو قاری کے دل و دماغ پر جادو بن کر جا چھا جاتا ہے۔ اپنا منفرد اسلوب جو انھیں دوسروں سے ممتاز کرنے میں بے حد مددگار ثابت ہوتا ہے ان کے فن کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ یہ ایک غلام الثقلین کا اپنا انداز ہے کہ وہ اپنے فن کو بیان کرنے میں بڑی آہستگی سے اظہار کی قوتوں کو سامنے لاتے ہیں اور پھر خوبصورت بیانی کے ذریعے کہانیوں میں رس گھولتے ہیں۔ وہ اپنے فن کی لطافتوں کو بے شک آہستگی سے سامنے لائے ہیں لیکن پھر بھی قاری کے دل و دماغ میں سرایت کر جاتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ "چاند پور کی نینا" میں اسلوب بیان پر نظر ڈالی جائے تو اس کا جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس ناولٹ میں انھوں نے شاعرانہ اسلوبِ بیان اختیار کیا ہے جس میں شعریت بھری ہوئی ہے۔ نینا کی خوبصورتی کو وہ اس انداز میں سامنے لاتے ہیں:

> نینا لفظوں کے قفس میں قید نہیں کی جا سکتی۔ خوشبو کا ایک ریلا، نسیم صبح کا ایک جھونکا ، کوئل کی کوک، بلبل کی چہک، شفق کی گلگوں جھلک، سیاہ بادل کے سنہری حاشئے کی ایک چھپ، دھنک کے سات رنگ اگر شاہکار میں جمع کیے جا سکیں تو محض نینا کا ہیولا ابھرتا ہے۔ ۳۲

اس پیرا گراف میں اب جہاں شعریت ابھرتی ہے وہاں پر حسن کی لطافتوں کو بیان کرنے میں تشبیہ کا تعلق بھی سامنے آتا ہے۔ جہاں پر لفظوں کی رنگین بیانی میں خوبصورتی کو سامنے لایا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا کے الفاظ میں غلام الثقلین نقوی کے فن کی قدر اس انداز میں بیان کی گئی ہے کہ:

> غلام الثقلین نقوی کے فن کا سب سے امتیازی وصف یہی ہے کہ قاری کو کہانی کے سیل رواں میں بہالے جاتا ہے۔ آپ پہلے ہی پیر گراف کی چند سطور کو پڑھتے ہی کہانی کار کے قبضہ قدرت میں چلے جاتے ہیں اور پھر وہ جس طرح چاہتا ہے آپ کے احساسات سے کھیلتا چلا جاتا ہے تا آنکہ کہانی ختم کرنے کے کافی عرصہ بعد آپ دوبارہ اپنے میں واپس آتے ہیں۔ ۳۳

غلام الثقلین نقوی کا اپنا یہ منفرد اسلوب انھیں دوسرے تخلیق کاروں کے ساتھ لا کھڑا کرتا ہے۔ اوپر والے پیرا گراف میں ڈاکٹر وزیر آغا کے بیان کے مطابق غلام الثقلین نقوی کہانی کے شروع میں ہی قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ جس سے قاری کہانی میں کھو جاتا ہے اور کہانی کے مکمل ہونے کے بعد بھی اسی دنیا میں کھویا رہتا ہے۔

تشبیہ بھی اس ناولٹ کی اہم خصوصیت ہے۔ جہاں نینا کو نغمہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے بڑی فن کاری کے ساتھ ناولٹ "چاند پور کی نینا" میں واقعات کو بیان کیا ہے۔ تشبیہ کا بیان اور الفاظ کی خوبصورتی ناولٹ میں صاف ظاہر ہوتی ہے اور ناولٹ کی دلکشی اور نازکی کو مزید ابھارتی ہے۔ نینا کو جس انداز میں نغمہ کہا۔

چاند پور کی نینا میں بھی رومانیت کے سحر میں کردار پیش کیے ہیں۔ جس سے ان کا رومانی اسلوب صاف جھلکتا ہے۔ اپنے ارد گرد کے معاملات کی عکاسی کرنے میں بھی ان کا حسن بیان ساتھ دیتا ہے اور فطری حسن کو اسلوبِ بیان سے اور زیادہ تازگی سے ہمکنار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی نے رومانی اسلوب کے ساتھ جہاں جذبات کی عکاسی کی ہے وہاں ناولٹ میں کچھ اس انداز میں ان جذبات و کیفیات کو رواں اور شاعرانہ لب و لہجے میں ناولٹ میں بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> وہ ننھا سا قہقہہ پلکوں پر کئی چاند بن کر ٹوٹ گیا تھا۔ ان چاندوں میں نینا کا جسم گھل مل گیا تھا۔ نینا کا جسم اس کی روح سے جدا نہیں تھا۔ نینا کا جسم جو اس کی روح کی طرح لطیف و منزہ تھا۔ ۳۴

رومانیت اور شعریت میں ڈوبا ہوا اسلوبِ بیان جہاں تازگی اور رونق بخشنے کا باعث بنتا ہے وہاں پر قاری کے دل دماغ میں ایک پُر کیف کیفیت بھی پیدا کرتا ہے۔ قاری اس میں ڈوب جاتا ہے۔ اس خیال و تخیل کی کیفیت میں رہ کر وہ ان تمام مناظر میں کھو جاتا ہے جو ناولٹ میں سامنے لائے جاتے ہیں۔ یہاں پر اب رومان اور شعریت کا پہلو دونوں کچھ اس طریق سے سامنے لاتے ہیں کہ ناولٹ کا حسن اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ وہ ایک لمحے کا ذکر کچھ اس طرح خوبصورت پیرائے میں بیان کرتے ہیں:

> یہ لمحہ اچانک گرنے والی بجلی کی طرح وارد نہ ہوا تھا۔ یہ لمحہ نسیم صبح کے اس خنک سانس کی طرح آیا جس کو مادی جسم کی کوئی قوت گرفت میں نہیں لے سکتی۔ البتہ روح کے حساس تار یہ ایک ایسا نغمہ بن جاتا ہے جس میں آواز نہیں ہوتی۔ ایک لطیف سی لرزش کہ روح اس کے تال پر وجد کرتی رہتی ہے۔
>
> دیر تک یہ نغمہ محروم صدا رہا۔ دیر تک اس کی لرزش غزل کا وہ شعر نہ بن سکیں جو حاصل غزل ہوتا ہے، وہ محور جس کے گرد غزل کے دوسرے اشعار گھومتے ہیں، آفتاب کے گرد گھومنے والے سیاروں کی طرح جو آفتاب ہی سے زندگی اور حرارت مستعار لیتے ہیں۔ ۳۵

خوبصورت الفاظ کا چناؤ اور رومانیت میں ڈوبا ہوا اسلوب اپنایا جس میں سادگی بھی ہے اور مشکل الفاظ کا چناؤ بھی۔ خیالات کا تصور اور ان کو شستہ الفاظ کا جامہ پہنا کر ناولٹ کو مکمل کیا۔

حقائق کی تلاش اور خوبصورتی تخیلاتی جذبات کے ساتھ امڈتی ہے جس سے اور زیادہ دلچسپی بڑھتی ہے۔ قاری کی دلی کیفیات کے مطابق جذبات کو سامنے لاتے ہیں۔ شعریت کا یہ اظہار ناولٹ میں بارہا دکھایا گیا ہے۔ غلام الثقلین نقوی لکھتے ہیں:

> نینا نے ایک ننھا سا قہقہہ لگایا جیسے کوئی فاختہ اڑ گئی ہو اور اس کے پیروں میں گھنگھرو چھنک اُٹھے ہیں اور۔۔۔ یکا یک ایک جُھنڈ کے پیچھے سے چاند کا نقرئی گولہ ابھرا۔۔۔ سائے لرزے، پھیلے اور سمٹے اور جوہڑ کے پانی میں چاندی کے ذرے اُڑے۔۳۶

ناولٹ کے اس اقتباس میں نینا کی ہنسی میں تشبیہات کا بیان اور استعمال ملتا ہے جو غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ کو اس کے فن کی پختگی میں شامل کرتا ہے۔

ناولٹ میں شاعرانہ انداز کے ساتھ سادگی کا اظہار بھی ملتا ہے سادہ الفاظ کا اتار چڑھاؤ اور عام باتوں کا بھی اظہار ملتا ہے جس میں رومانیت کے علاوہ انھوں نے جذبات کی عکاسی اور مکالمے دکھائے ہیں۔ جس میں سوالیہ انداز اور عام لب ولہجہ کا انداز بھی ملتا ہے۔ جہاں پر انھوں نے حقیقت کے زمرے میں رہتے ہوئے زندگی کے عام معاملات کو دکھایا ہے۔ جس میں عام روزمرہ کا محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے زندگی کے شرارے پھوٹتے ہیں۔ اور قاری کو سیلِ رواں میں بہالے جاتے ہیں۔ جہاں قاری کو عام جذبات کی عکاسی اور اتار چڑھاؤ بھی ملتا ہے اور فکری لب ولہجہ بھی ملتا ہے۔

جہاں پر ناولٹ میں وہ عام الفاظ استعمال کرتے ہیں ان میں بھی سادگی کے ساتھ حسن جھلکتا ہے۔ جس سادگی کے ساتھ عام واقعات کو سامنے لایا ہے وہ کچھ یوں ہے:

> "چاچا سیدو نے مسکرا کر کہا۔ اوئے تو کرشید ہے؟"
>
> "ہاں چاچا!"
>
> "اوئے تو کتنا بدل گیا ہے؟ واہ! تُو تو شہر کے رنگ میں رنگا گیا۔ میں تو پہلے تجھے پہچان ہی نہ سکا۔"۳۷

سادہ اور شستہ زبان کا استعمال غلام الثقلین نقوی کے ہاں بڑی خوبصورتی کے ساتھ ملتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے بڑی فنکاری کے ساتھ شعریت کا پہلو سامنے لایا۔ جہاں پر خورشید کے جذبات کی عکاسی مختلف تمثیلوں سے واضح کی اور تخیلاتی اور جذباتی انداز میں اس کے دلی جذبات و کیفیات کو ناولٹ میں قلم بند کیا۔ جب غم و الم کی کیفیات خورشید پر وارد ہونا شروع ہوئی تو اس وقت اس کے جذبات دل میں اترے ان کو غلام الثقلین نقوی نے تشبیہات کے پیرائے میں کچھ اس طرح بیان کیا:

> اور یکایک غم کا ایک ریلا آیا، اعصاب کے تاروں کی طرح جھنجھنائے اور میرا جسم سنسنا کر مٹی کا ڈھیر بن گیا۔ غم اور یاس کا سایہ گہرا ہوا تو میں نے ڈوبتے ہوئے دل کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ "نینا کا جسم اتنا حدت آمیز نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ آگ تو مجسم دعوت ہے، شمع کی آنچ ہے جو پروانوں کو پکار پکار کر اپنی طرف کھینچتی ہے"۔ "لیکن شمع کا کام تو جلنا ہے۔ پروانے اسے چھو کر خود جل جائیں تو اس سے شمع کا کیا بگڑتا ہے"۔ میرے شعور نے منطق سے کام لیتے ہوئے کہا۔۳۸

اس اقتباس کے پیشِ نظر غلام الثقلین نقوی نے اب اس میں ایک رومانی فکر کا تاثر بھی دکھایا ہے۔ رومانی لب و لہجہ اور شاعرانہ انداز اپنایا ہے جہاں پر علامتوں کا استعمال بھی دکھائی دیتا ہے۔ یہاں پر شمع کو ایک علامت کے طور پر سامنے لائے ہیں۔ جہاں تشبیہات کے استعمال سے ناولٹ کے فن میں اضافہ کیا۔ خوبصورت الفاظ و تراکیب کا استعمال ملتا ہے۔ مشکل الفاظ کے ساتھ ساتھ سادہ الفاظ کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ نینا کے وجود کو شمع سے تعبیر کیا ہے۔ عشق و محبت میں شمع اور پروانے خاص علامت کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ عاشق و محبوب کو شمع اور پروانے سے متعارف کرایا جاتا ہے۔ تاکہ تحریر کا حسن برقرار رہے اور قاری ان علامتوں اور تشبیہات سے تحریر کی خوبصورتی کو جان سکے۔

شاعرانہ انداز، خوبصورت اور دلکش انداز اپنایا ہے۔ جس سے قاری ان کی رنگین بیانی سے خواب و خیال کی دنیا میں کھو جاتا ہے۔ جس طرح اوپر والے اقتباس میں غلام الثقلین نقوی کی رنگین بیانی اور شاعرانہ لب و لہجہ اور شاعرانہ لطافت دکھائی گئی ہے۔ جس میں عشق و محبت اور عاشق و محبوب کے دل میں ابھرنے

والے جذبات کو مختلف پیرائیہ اظہار سے بیان کیا۔ غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں نینا اور خورشید کے جذبات کی عکاسی اس طرح رومانی اور سادگی کے ساتھ کی ہے ناولٹ میں اس لب ولہجے کے ساتھ جن سادہ اور خوبصورت اسلوب کے ساتھ لفظوں کا بر محل استعمال کیا گیا ہے وہ ملاحظہ ہو:

"نینا چاند کی منور وادیوں سے چھم چھم کرتی اتر آئی!

میں نے نینا سے کہا۔ "نینا تو نے اتنی بڑی جرات کیسے کر لی؟"

"میں تو چاند کی وادیوں سے اتر آئی ہوں۔"

"نینا! میں نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔ "چاند پور کی نینا"؟

"ہاں میں چاند پور کی نینا ہوں۔"

"تیرے آنے سے پہلے چاند پور کا نام بڑا حقیر سا تھا، بے جان سا نام، اس میں نغمہ تھا نہ شعریت۔ تیری آمد سے اس کا نام چاند پور ہو گیا۔"۳۹

اس اقتباس میں بھی سادگی اور سوال وجواب کے انداز سے غلام الثقلین نقوی نے مکالمے دکھائے ہیں جن میں چھوٹے اور بڑے مکالماتی انداز میں جذبات کی خوبصورت عکاسی کی گئی ہے۔ جہاں پر شعریت سے بھرپور اندازِ بیان ملتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کے بیان کے مطابق جس دور میں یہ ناولٹ لکھا گیا اس وقت انسانی جذبات کی عکاسی میں رومانی انداز کو زیادہ اہمیت حاصل تھی اس حوالے سے ڈاکٹر انور سدید کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

اس کا بیانیہ اس دور کا نمائندہ ہے جب " آتش جوان تھا" اور نقوی صاحب کے اسلوب پر رنگین بیانی اور شعریت غالب تھی۔ اس وقت نقوی صاحب کے ہاں انسای خواہشات کا تعاقب رومانی انداز میں کرنے کا رجحان پرورش پا رہا تھا لیکن بدلتے ہوئے معاشرے میں اخلاقی قدروں کا اثبات ان کا بنیادی مقصد تھا۔ جس کے حصول میں ناولٹ "چاند پور کی نینا" بھی معاون نظر آتا ہے۔ ۴۰

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ کے اقتباسات کو پڑھ کر بعض اوقات ایسے جملے سامنے آتے ہیں جن میں ترنم، رنگینی، لطافت پائی جاتی ہے۔ ایسے معنی خیز محاورے استعمال کیے ہیں جن سے جذبات کی عکاسی بخوبی ہوتی ہے "چاند پور کی نینا" میں نام ہی سے ظاہر ہے کہ جس طرح چاند ستاروں کی خوبصورتی ہوتی ہے اسی طرح نینا کو بھی خوبصورتی کا پیکر دکھایا ہے۔ حقیقت نگاری کے آئینے میں رہتے ہوئے زبان کی سادگی اور پرکاری دکھائی ہے۔ تخیل کی رنگ آمیزی بھی ملتی ہے۔ جہاں پر شبنمی انداز اور اسلوب ملتا ہے۔ جس میں فطرت کی رنگین بیانی اور خیال آفرینی سے جملوں کو ناولٹ میں سمویا جس میں ندرت الفاظ کا چناؤ کر کے مناظر کو بیان کیا ہے۔

اسلوب میں دلکشی اور خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے واقعات کو اس خوبصورت کے ساتھ سامنے لاتے ہیں کہ قاری اس میں کھو جائے اور رواں اسلوب کا استعمال کہانی میں دلکشی کا رنگ بکھیرتا ہے۔ زبان سادہ اور پیچیدہ دونوں صورتوں میں دکھائی ہے۔ مگر اتنی پیچیدگی نہیں سامنے لائی گئی کہ قاری ان باتوں تک رسائی حاصل نہ کر سکے بلکہ ایسے الفاظ کا استعمال ملتا ہے جو قاری کی ذہنی فکر کے مطابق ہوتے ہیں اور قاری باآسانی مصنف کی فکر تک پہنچ سکتا ہے کہ وہ کیا بتانے کی کوشش کر رہا ہے۔

خوبصورت الفاظ و تراکیب سے جملے پیوست کیے ہیں۔ جن میں حقیقت پر سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے اور سادگی بیاں کا بھی حُسن جھلکتا ہے۔ روانی، سادگی اور دلکشی اہم رول ادا کرتے ہیں۔ اسلوب میں سادگی سے بھی اسلوب کا حسن سامنے آتا ہے قاری کے لیے آسانی پیدا ہوتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے محاوراتی زبان بھی استعمال کی ہے جہاں پر مثالوں کے ذریعے کرداروں کے درمیان بات جیت دکھائی ہے۔ جس میں طنزیہ انداز بھی سامنے آتا ہے اور رعب و دبدبہ دکھایا گیا ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے تمثیلی انداز اور طنز آمیز لہجہ اپنایا ہے۔ ناولٹ میں جہاں پر اس طرح کی کیفیات ظاہر کی ہیں وہ منظر غلام الثقلین نقوی نے اپنے اسلوب میں مثالوں اور طنز کو شامل کر کے یوں دکھایا ہے:

"اوئے سیدو" !" تیرے باپ نے غصے میں آکر کہا۔ "تو ہر معاملے میں ٹانگ کیوں اڑاتا پھرتا ہے۔ حاتم طائی کی طرح تو کون ہے کہ ہر ایک کی مشکل آسان کرتا پھرے۔ تو کرشید کے رشتے کی بات کو کرشید کے باپ پر چھوڑ دے میں اس کے برے بھلے کو تجھ سے بہتر جانتا ہوں۔۔۔

"سیدو!" تیرے باپ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ تو کنول کے پھول کو گھورے پر پھینک دینا چاہتا ہے۔ سیانے کہتے ہیں نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہوتا ہے۔۴۱

زیادہ تر رومانی انداز ہمیں داستانوں میں ملتا ہے۔ اس طرح غلام الثقلین نقوی کے ہاں بھی عشق و محبت کی واردات و کیفیات کو بیان کرنے کا انداز داستانوی طرز کا ہی ہے۔

الغرض چاند پور کی نینا میں جس قدر غلام الثقلین نقوی نے سادگی کے ساتھ پرکاری دکھائی ہے وہاں پر شعریت سے ڈوبی ہوئی زبان بھی اختیار کی گئی ہے۔ جہاں پر پیچیدہ الفاظ اور محاورے استعمال کیے گئے وہاں عام زندگی سے بھی الفاظ کا چناؤ ملتا ہے۔ جہاں پر خشک اور کھردرہ انداز اپنایا ہے تو ساتھ میں رومانی لب ولہجہ بھی دکھایا ہے جس سے غم والم کے اندھیرے چھٹ جائیں۔ یاس اور ناامیدی کی بھی کیفیات سے دوچار کیا ہے۔ جہاں پر کوئی امید نظر نہیں آتی اور جدائی کا عالم دکھائی دیتا ہے۔ کبھی ایجاز و اختصار سے بھی کام لیتے ہیں۔ یہ سب خصوصیات ان کے اسلوب میں ملتی ہیں۔ خیالات و جذبات کی عکاسی کرنے میں بھی فطری حسن سے تعلق جوڑے رکھا۔

کہیں پر جزئیات نگاری سے کام لیا گیا تو کہیں چھوٹے جملے استعمال کیے اور کہیں پر بڑے جملوں کا استعمال ایسی سادگی اور پرکاری کے ساتھ کیا کہ ناولٹ کی اصل خوبی اور حسن کھل کر سامنے آگئے۔

غلام الثقلین نقوی نے "چاند پور کی نینا" میں بھی دیہات کی رنگینی کے حوالے سے اسلوب کو چنا اور سادگی میں بھی حسن پیدا کیا۔ مناسب الفاظ و تراکیب اور محاورے کا چناؤ ایسا کیا کہ جس سے پڑھنے والے پر گہرے اثرات قائم ہو سکیں اور مناسب لب ولہجہ کا یہ انداز انھیں دوسروں سے منفرد رکھتا ہے۔

شمیرا:

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ "شمیرا" میں بھی چونکہ دیہاتی رنگ کی جھلکیاں ملتی ہیں اس لیے اس میں بھی سادگی دکھائی دیتی ہے۔ اگر "شمیرا" ناولٹ کے اسلوب کا جائزہ لیا جائے تو اس کے اسلوب میں مختلف طرزِ نگارش سے کام لیا گیا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں بعض مقامات پر سوالیہ انداز میں کرداروں کی ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو دکھائی ہے۔ جس میں سوال و جواب سے بحث و تکرار دکھائی دیتی ہے۔ یہاں پر اس حوالے سے ناولٹ میں یہ مثال اس وقت سامنے آتی ہے جب ماسٹر حیات پور کے ماسٹر کی حیثیت سے روانہ ہونے لگے تو قلی نے ان سے سوال کیا۔ اس کی مثال کچھ یوں درج ہے:

> ایک نے پوچھا۔" سر! آپ گورنمنٹ سکول حیات پور کے ہیڈ ماسٹر لگ کر آئے ہیں؟"
>
> "جی! فرمایئے۔ اس نے کہا۔"۴۲

غلام الثقلین نقوی کے اس ناولٹ شمیرا میں بارہا سوالیہ انداز کے جملے ملتے ہیں جن سے سوال وجواب سے قاری کو آسانی رہتی ہے اس کے سامنے تمام واقعات اس انداز میں آتے ہیں جس طرح یہ تمام واقعات اس کی نظروں کے سامنے پیش ہو رہے ہیں وہ محض کہانی پڑھ کر اسی میں محدود نہیں رہتا بلکہ اس میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے دل کی گہرائیوں میں کہانی بس جاتی ہے۔ سوالیہ انداز مختلف اقتباسات میں بیان کرنے کی وجوہ سے بات کو عام لب و لہجے میں قاری تک پہچانے کی سعی کی گئی ہے تاکہ قاری کو اس میں عام زندگی میں معمول کے مطابق لب و لہجہ دکھائی دے۔ غلام الثقلین نقوی کا اس حوالے سے اپنا منفرد اسلوبِ بیان ہے

جس میں اس رنگ کی جھلکیاں ناولٹ کا خاصا ہے۔ غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں جن مقامات پر یہ جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں ان کی مثالیں یہ ہیں:

"اس نے پوچھا "ماسٹر! تو آباد کار ہے یا مہاجر؟

مہاجر۔" اس نے جواب دیا۔

کس چک سے آیا ہے؟"۴۳

اس اقتباس میں سوال وجواب کے بیان میں صرف سوالیہ انداز ہی نہیں ابھرتا بلکہ جس طرح دو افراد کے درمیان سوال وجواب میں حیرت و استعجاب شامل ہو جاتا ہے اس کی بھی صورت دکھائی دیتی ہے۔ اس اقتباس میں تانگے میں سوار ہونے والے ایک شخص نے ماسٹر سے سوال وجواب کیے۔ جس میں ماسٹر سے اس کے خاندان کے حوالے سے تعلق ماسٹر کا کہاں سے ہے وہ بیان کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ ناولٹ میں ماسٹر کے ذہن میں بکھاں کے رویے کی وجہ سے جس طرح کے شک و شبہات کے باعث باتیں ذہن میں آتی ہیں انھیں سوالیہ انداز میں یوں تحریر کیا:

"بکھاں نے یہ تحفہ کیوں دیا؟

اس نے آج پہلی بار مجھے "وے چھوہرا" کہہ کر کیوں مخاطب کیا؟

"یہ کہہ کر اُس کی آنکھ کیوں بھیگ گئی تھی؟۔۔۔

"کیا کہہ رہے ہو؟ ٹریکٹر؟۴۴

سوالیہ انداز اختیار کرنے کے ساتھ غلام الثقلین نقوی کے اسلوبِ نگارش میں ایک اور خوبی سامنے آتی ہے وہ ان کا مکالماتی انداز ہے۔ اس میں حقیقی نقطہء نظر جھلکتا ہے۔ ان کا مکالماتی انداز ناولٹ میں خوبصورتی کا باعث بنتا ہے۔ قاری کو بات آسانی سے سمجھ آجاتی ہے۔ بعض مکالمے چھوٹے اور بڑے بیان کیے ہیں۔ اختصار کے ساتھ ناولٹ میں جملوں کو ترتیب دیا ہے۔ ناولٹ میں چونکہ تفصیل کی بجائے اختصار سے کام

لیا جاتا ہے اس لیے زیادہ وضاحت کی بجائے مختصر جملوں سے ہی کہانی کو تخلیق کیا جاتا ہے تا کہ ناولٹ کی فنی خوبی قائم رہے۔ مکالماتی لب و لہجے میں بھی جملوں کی ترتیب و تحریر کو بڑی سادگی اور پر کاری سے درج کیا ہے۔

جس میں عام لب و لہجہ کا انداز اپنایا گیا ہے۔ جس سے بات کُھل کر قاری کے ذہن تک پہنچ جاتی ہے۔ گفتگو کا یہ انداز ناولٹ میں دلکشی اور خوبصورتی قائم کرتا ہے جس سے کہانی صرف تخلیق کی یا کتابی حد تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس سے پھر زندگی کی عکاسی بھی ہوتی ہے اور عام زندگی میں پیش آنے والے معاملات و مسائل یا بات چیت کا انداز ملتا ہے۔ جس میں مناسب الفاظ، مناسب لب و لہجہ اور زبان و بیان کی خوبصورتی صاف دکھائی دینے لگتی ہے۔ عام بول کی طرح مکالماتی انداز تحریر کی رونق کو بھی بڑھا دیتا ہے۔ خوبصورت الفاظ کا چناؤ اور قاری کی فکر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے الفاظ کا چناؤ کیا جاتا ہے۔ جس سے زندگی میں پیش آنے والے مسائل کی تصویر کشی ملتی ہے۔ اس کی مثال ملاحظہ ہو:

"وہ تانگہ بان کے پاس گیا اور پوچھا "بھائی! کیا تم مجھے حیات پور لے چلو گے؟"

کوچوان۔۔۔ پوچھنے لگا "تو حیات پور کیوں جا رہا ہے۔؟

میں وہاں پر ماسٹر لگ کر جا رہا ہوں"۔

"تو ماسٹر! کچھ دیر صبر کر۔ سردار آجائے تو میں اس سے پوچھوں گا۔ کیا پتہ وہ مان جائے"۔

سردار کون؟" اس نے پوچھا"۔

"حیات پور کا مالک۔۔۔"۴۵

اس اقتباس میں ماسٹر کا تانگہ بان کے پاس جا کر اس سے بات کرنے کے انداز کو بیان کیا گیا ہے۔ جس میں دو لوگوں کا مکالماتی ربط نظر آتا ہے جس میں غلام الثقلین نقوی نے چھوٹے اور بڑے مکالموں کی مدد سے اور سوالیہ لب و لہجے سے مکالماتی انداز بیان کیا ہے۔

ناولٹ میں جس طرح ناول سے ہٹ کر اختصار کے ساتھ جملوں کی ترکیب استعمال کی جاتی ہے اسی حوالے سے ان کے ناولٹ میں چھوٹے جملوں کے بیان کرنے سے اختصار کی بھی عمدہ مثال ملتی ہے۔ چھوٹے جملوں اور بڑے جملوں کی ترکیب و ترتیب سے کہانی میں حسنِ بیان کی ایک ایسی صورت نکھرتی ہے جس سے قاری بآسانی کہانی کو پڑھ کر نتائج اخذ کرتا ہے اور الجھاؤ پیدا نہیں ہوتا اور اکتاہٹ کا احساس باقی نہیں رہتا مختصر اور طویل جملوں کی ترتیب کی وجہ سے کہانی میں سہل پسندی بھی ابھر آتی ہے۔

ایک اور اقتباس میں ماسٹر کی بیوی کے مکالموں کو جس خوبصورتی سے بیان کیا گیا اس کی مثال ملاحظہ ہو:

"اس نے بکھاں کی "پکھی" نکال کر تکیے پر رکھ دی۔ بیگم کی نظر اس پر پڑی تو وہ بولی "کتنی خوبصورت پنکھی ہے۔ تمھیں کہاں سے ملی؟"

"کہاں سے ملنی تھی؟ کسی نے تحفے میں دی ہے"۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"کس نے تحفے میں دی؟" بیگم نے پوچھا۔

"کچھ باتیں سوچی جاتی ہیں، پوچھی نہیں جاتیں"۔

"کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو"۔ بیگم کچھ دیر سوچ کر بولیں۔

"تحفہ دینے والی کا نام پوچھنا چاہتی ہو، تو سنو، اس کا نام بکھاں ہے۔"

اس نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ سے جواب دیا۔"۴۶

اس ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی کا اندازِ بیان جس سادگی کے ساتھ سامنے آیا ہے وہاں پر ناولٹ میں کسی کسی مقام پر محاورات کا بھی استعمال ملتا ہے۔ ناولٹ میں بعض مختلف محاورات کو استعمال کر کے باتوں کو صاف الفاظ میں کہنے کی بجائے لفظوں کے پھیر سے سامنے لایا ہے۔ جس سے محاوراتی انداز کے استعمال کرنے

کی وجہ سے ناولٹ کے حسن میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ غلام الثقلین نقوی کے مکالماتی انداز کے حوالے سے پروفیسر صابر لودھی لکھتے ہیں:

> اسلوب کی انفرادیت اور اپنی تہذیب کی ترجمانی سے کام لیا ہے اس لیے چھوٹے چھوٹے عام واقعات کا بیان دلکش اور دلپذیر پیرائے میں بدل گیا ہے۔۔۔غلام الثقلین نقوی کے مزاح کا جادو ان کے برجستہ مکالموں میں بھی ہے اور اس گہرے مشاہدے میں بھی جسے خوش قسمتی سے الفاظ کا خوبصورت لباس میسر آ گیا ہے۔۴۷

غلام الثقلین نقوی کے ہاں مکالماتی انداز کے ساتھ ساتھ محاورے کا استعمال بھی ملتا ہے جس کی مثال ناولٹ میں کچھ اس طرح سے ملتی ہے:

> انقلابی صاحب، دریا میں رہ کر مگرمچھ سے پرکھنا بھی اچھا نہیں"۔ چھوڑیئے لطیف صاحب! ہم نے مگرمچھوں کے سارے کس بل نکال دیے ہیں۔۴۸

غلام الثقلین نقوی کا تعلق چونکہ دیہات سے تھا اس لیے ان کے اسلوب میں اس کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ دیہاتی رنگ ان کے اسلوب میں جھلکتا ہے بعض الفاظ و ترکیب پنجابی لب و لہجہ کے بیان کرتے ہیں اور انداز بھی دیہاتی ہوتا ہے۔ گاؤں کے لوگوں کے حوالے سے بول چال کا انداز ملتا ہے۔ جس میں عام زندگی کے معاملات و مسائل کی ترجمانی کی گئی ہے۔ دیہات سے ان کی دلچسپی ان کی ہر تحریر میں جھلکتی ہے۔ دیہات کا حسن وہاں کی زبان و بیان غلام الثقلین نقوی کے افسانوں کی طرح ناولٹ میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ "شمیرا" ناولٹ میں بھی بعض واقعات کا بیان اسی زبان میں کرتے ہیں۔ جہاں پر جس طبقے کی بات کرتے ہیں وہاں پھر انھی کی طرح زبان استعمال کرتے ہیں۔ جس سے غلام الثقلین نقوی کے اسلوب کی دلکشی اور خوبصورتی سامنے آتی ہے جس طرح کا ماحول دکھاتے ہیں اس طرح کا لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں یہ ان کا خاص فن ہے جس سے قاری کو اپنی کہانی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

دیہی معاشرت کی عکاسی اسلوب میں بھی فطرت کے گہرے نقوش دکھا کر کرتے ہیں۔ اسلوب میں دیہی معاشرت کی عکاسی اسی گاؤں کے لوگوں کا انداز سامنے لا کر زبان سے کراتے ہیں۔

ناولٹ میں جس طرح فنکاری سے اور چابکدستی سے پنجابی الفاظ کا استعمال جملوں کی تکمیل میں شامل کیا۔ اردو کے ساتھ پنجابی لفظوں کا بیان سامنے لایا ان کی چند مثالیں درج ذیل بیان کی گئی ہیں۔ جہاں پر سردار کے ملازموں کا ذکر آتا ہے وہاں پر ان کی اپنی زبان سے واقعات کو بیان کرتے ہیں جس طرح کے کردار ہوتے ہیں اسی طرح کا اسلوب اپنا لیتے ہیں۔ یہ ان کے اسلوب کا منفرد انداز ہے مثالیں ملاحظہ ہوں:

"بکھاں نے کہا" ماسٹر! دیکھ لے، کسی اور شے کی تو لوڑ نہیں؟"۴۹

پنجابی زبان کے الفاظ کا چناؤ بھی ملتا ہے۔ جس سے پنجابی زبان کی مناسبت دکھائی دیتی ہے جو کہ دیہاتی رنگ کے حوالے سے پنجابی الفاظ کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ جس کی مثال ملاحظہ ہو:

"صاحب! دودھ تو اپنے گھر ہی کا ہو گا۔ بکھاں نے "مجھ" رکھی ہوئی ہے۔ دیکھے گا تو تیری بھکھ لہہ جائے گی۔ اتنی سوہنی "مجھ" تو نے پہلے کبھی نہ دیکھی ہو گی۔ رب سائیں نے ہمیں بال بچہ نہیں دیا۔ یہ سوہنے کی مرضی ہے۔ بکھاں اپنی "مجھ" کو اپنی چھوہر کہتی ہے۔"

"وے چھوہرا! میں تیری روٹی لیے جانے کب سے بیٹھی ہوں۔

یہ پکھی میں نے تیرے لیے بنائی ہے"۔۔۔

"تو روٹی کھا! میں پکھی جھلتی ہوں۔"۵۰

غلام الثقلین نقوی نے داستانوی لہجہ بھی دکھایا ہے۔

حقائق کا بیان اور محبت کے جذبات کی عکاسی خوبصورت الفاظ کے چناؤ سے کی گئی ہے۔ ناولٹ (شمیرا) میں محبت کی وارفتگی کا بیان کرداروں کے بول چال میں آسان اور دلکش لب و لہجہ دکھایا ہے تاکہ اسلوب میں روانی بھی ہو اور تازگی بھی برقرار رہے۔ ناولٹ میں نغمہ اور شعریت کا تاثر بھی اپنایا گیا ہے۔

خوبصورت الفاظ کو تحریر میں شامل کر کے قاری کے دل تک دلفریب مناظر کو بیان کرنے کا فن شامل کیا ہے مگر اس ناولٹ میں کم ہی شاعرانہ انداز اپنایا گیا ہے مگر ایسے الفاظ کا چناؤ ان کے اسلوب کو اور بھی دلکش بنا دیتا ہے جن سے وہ فطرت کی عکاسی اور رنگینی لفظوں کے ذریعے کر کے قاری کے دل تک بات پہنچا دیتے ہیں اس کی مثال یوں ملتی ہے:

> سکول کے صحن میں کہ جہاں تاروں کی چھاؤں تھی، اس کا پلنگ بچھا ہوا تھا اور ان کی تاریکی میں آہستہ آہستہ ٹھنڈک رچ رہی تھی اور آسمان پر بڑے بڑے شوخ تارے چمک رہے تھے اور کہکشاں کی دھول بھی اڑ رہی تھی اور تارے ٹوٹ ٹوٹ کر اس غبار میں تحلیل ہو رہے تھے۔ ۵۱

اس میں سادگی اور حسن کے ساتھ نغمگی ملتی ہے۔ جس سے قاری ان مناظر میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی کے اس ناولٹ میں ان کے اسلوب میں ایک اور جو چیز ملتی ہے وہ ان کے فن میں کسی کسی مقام پر انگریزی الفاظ کا چناؤ بھی ملتا ہے۔ انگریزی الفاظ کے چناؤ کی مثال ملاحظہ کیجئے:

> ابھی تک ان میں سے کوئی بھی ایچ۔ او۔ آر۔ ایس۔ ای۔ ہارس (Horse) بمعنی "ٹیرا" کی منزل سے آگے نہیں بڑھا۔ ۵۲

انگریزی الفاظ کے چناؤ میں وہ صرف چند الفاظ سے ہی عبارت میں روشنی ڈالتے ہیں۔ قاری کی دلچسپی بڑھانے کے لیے وہ اس طرح کا انداز اپناتے ہیں۔ کہانی میں ایک نیا اور منفرد پن دکھانے کے لیے مختلف تجربات سے اسلوب کو ڈھالتے ہیں۔ کسی کسی جملے میں انگریزی کا کوئی لفظ مل جاتا ہے۔ بہت زیادہ انگریزی زبان کے الفاظ نہیں شامل کیے گئے جس میں زیادہ تر جملوں میں ایک یا دو الفاظ انگریزی کے ہوتے ہیں اور باقی اردو یا پنجابی کے شامل کرتے ہوں تو وہ بھی ایک دو ہی دکھائی دیتے ہیں زیادہ تر اردو کی ہی بامحاورہ اور سلیس زبان کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ چند اور مثالیں جو ناولٹ میں اس زمرے میں آتی ہیں انھیں ملاحظہ کیجئے:

اس نے کہا "ہیڈ ماسٹر صاحب! اگر آپ کو سزا کے طور پر یہاں بھیجا گیا ہے، آپ یہاں ٹیچ (TEACH) کیا کریں گے!" عزیزم! مجھے حیات پور کی بجائے کالے پانی میں بھی بھیج دیا جاتا، میں وہاں بھی ٹیچ ضرور کرتا کیونکہ ٹیچنگ میرے فرائض منصبی کا سب سے اہم حصہ ہے۔ ۵۳

اس اقتباس میں اب ٹیچ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ تدریس کے لیے "ٹیچ اور ٹیچنگ" کے فرائض کا ذکر ملتا ہے۔ اس طرح کرداروں کی زبان سے ایک کسی دوسری زبان کا لفظ استعمال کراتے ہیں تاکہ ان کرداروں کے ماحول اور کہانی میں دلچسپی سامنے آئے۔ ایک اور مثال اس کی یہ سامنے آتی ہے جس میں "سٹاف میٹنگ" کا لفظ شامل کیا گیا ہے جیسے:

مولوی صاحب بولے ایک عرصے تک سٹاف میٹنگ میں شامل ماسٹروں پر سکتہ سا طاری رہا۔ ۵۴

ان مثالوں میں انگریزی الفاظ سے خوبصورتی ظاہر کرتے ہیں ان الفاظ کے متبادل اردو الفاظ کا چناؤ نہیں کیا جملے کی ساخت کو بھی صحیح بنانے کے لیے ایسے الفاظ کا چناؤ کیا جاتا ہے تاکہ ناولٹ میں خوبصورتی قائم ہو ایسے الفاظ کا چناؤ کیا جاتا ہے جس سے تحریر کی پختگی برقرار رہے۔

اس کے علاوہ خوبصورت تشبیہات و استعارات کا استعمال بھی اسلوب میں رونق کا باعث بنتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے اپنے ناولٹ "شمیرا" میں خوبصورت تشبیہات اور استعارات کا چناؤ کر کے ناولٹ کے جملوں کو ترتیب دیا ہے جن سے قارئین کی دلچسپی مول لی ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے جس خوبصورت بیانی کے ساتھ تشبیہات واستعارات کو ناولٹ میں واضح کیا ہے وہ ان کی خاص فکر کی عکاسی کرتا ہے۔ تشبیہات کے بیان میں بھی آسان اور سادہ الفاظ کا چناؤ ملتا ہے۔ جس طرح اشعار میں تشبیہ اور استعارے سے دلکشی پیدا کی جاتی ہے اس طرح ان کا استعمال ناولٹ میں بھی، نثر میں بھی رونق بخشتا ہے۔ خوبصورت تشبیہات کا گٹھ جوڑ اور استعاروں کا بیان منفرد الفاظ سے کرتے ہیں۔ جن

میں الفاظ کا چناؤ اس طرح کرتے ہیں کہ اسی جملے کی ترتیب و تدوین کے لیے وہ الفاظ مکمل گرفت کے ساتھ اچھے لگنا شروع ہو جاتے ہیں۔ مناسب الفاظ کا چناؤ، بکھرے ہوئے الفاظ کو خوبصورتی سے بیان کرنے کا ڈھنگ غلام الثقلین نقوی کے اسلوب میں دکھائی دیتا ہے۔ بات سے بات کہنے کا انداز اور بات کو موقع کی مناسبت سے ترتیب دیتے ہیں جن میں تشبیہ کا تعلق جوڑتے ہیں اور اختصار کے ساتھ بات کو بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ ناولٹ میں جس طرح کی تشبیہات کا چناؤ ملتا ہے ان کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

> میں تجھے کیسے سمجھاؤں!۔۔۔ سردار تجھے بھی اپنی کبڈی ٹیم میں شامل کرنا چاہتا ہے، کہتا ہے، ماسٹر اچھا بنتا تنتا گبھرو ہے۔۔۔ اکھاڑے میں اترے گا تو یوں لگے گا جیسے جنگلی کبوتروں میں خُمرا۔ آج شام بکھاں کھانا لے کر آئی تو میں اسے اپنا آئینہ بنالوں گا۔۔۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر شمیرا بولا "ماسٹر! تو بہت خوش نظر آرہا ہے۔ تو تو مور کی چال چلتا رہا۔۔۔ شمیرا اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا، کندھے سے کندھا ملا کر "۔۔۔ ہم دونوں کے قد بت اور ڈیل ڈول میں کوئی فرق نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ تو خمرا ہے اور میں کبوتر۔۔۔ سرہانے پڑی پنکھیا پر شمیرے کی نظر پڑی تو وہ بولا "یہ تیری خمری نے تجھے تحفے میں دی ہے۔ ۵۵

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں جہاں سادہ اسلوب کا پرتو دکھایا ہے وہاں پر ناولٹ میں کہیں کہیں پیچیدہ الفاظ کا چناؤ بھی کیا ہے۔ جس میں بعض اردو کے ہموار الفاظ اور ایک دوسرے سے ربط رکھنے والے الفاظ سے جملوں کو ترتیب دیا ہے۔ جس سے ناولٹ کی دلکشی اور فنی پختگی اور بھی بڑھ گئی ہے۔ محاورہ صاف اور ادائے بیان میں خالص اردو کے الفاظ جن میں اسلوب کا فن اور بھی نکھر کر سامنے لایا جاتا ہے ان کو استعمال کیا گیا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں اور افسانوں میں جس طرح کا اسلوب اپنایا گیا ہے یا جس طرح مکالموں کا بیان ملتا ہے اس حوالے سے شاید شیدائی کے الفاظ میں:

کہانیوں کی بنت کاری ، نہایت مضبوط اور دلچسپ ہے۔ ان کے کردار جیتی جاگتی تصویریں ۔۔۔ زبان بامحاورہ ، میٹھی اور دلکش لفظوں کا استعمال ۔۔۔بر محل، مکالمہ۔۔۔برجستہ اور استعارہ سحر انگیز۔۵۶

ناولٹ میں جس طرح کے الفاظ و تراکیب کا استعمال کیا گیا ہے ان میں ہموار اور مناسب الفاظ کا چناؤ بھی ملتا ہے اور مشکل الفاظ کا چناؤ بھی ان کی مثالیں درج ذیل میں بیان کی گئی ہیں۔ غلام الثقلین نقوی لکھتے ہیں:

پستی و تنزل، نکبت و ادبار، افلاس و احتیاج کے دو نمونے اس کے سامنے موجود تھے اور وہ زمیندار کے ڈیرے سے بھاگ رہا تھا۔۵۷

رواں اسلوب کے ساتھ غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں الفاظ کی درستگی کو بھی بیان کیا ہے۔ عام طبقے کے لوگوں میں جس طرح الفاظ کو غلط تلفظ سے ادا کیا جاتا ہے۔ ناولٹ میں پڑھے لکھے لوگوں کی بھی اس غلطی کو سامنے لایا۔ ان کا صحیح تلفظ سامنے لایا۔ اور الفاظ کے پیچ و خم سے اس ناولٹ میں مختلف اسلوبِ نگارش کا استعمال کیا۔ ناولٹ کے ذریعے ہی قاری تک ایک نیا نقطہ نظر سامنے لایا جس میں الفاظ کی درستگی کو سامنے لانے کا سلیقہ بھی دکھایا۔ جس کی مثال کچھ اس طریقے سے ناولٹ میں درج کی گئی ہے:

سائیں! میں مولوی فضل احمد فاضل اَربی ہوں"۔۔۔بہت خوب! لیکن مولانا "عربی" میں رائے کے اوپر جزم ہے یا زبر؟ یوں بھی آپ نے "عربی" کو "اربی" کہا یا میرے کان نے غلط سُنا۔۵۸

الغرض غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں اسلوب جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اس میں شعریت اور نغمگی بھی کسی حد تک سامنے آئی اور ساتھ ساتھ تشبیہ اور استعارہ کا خوبصورت چناؤ بھی ملتا ہے اس کے علاوہ مشکل الفاظ و تراکیب کے ساتھ رواں اسلوب بھی شامل کیا گیا ہے۔ ناولٹ کی خوبصورتی کو بڑھانے کے لیے اور دیہاتی نقطہ نظر کو ظاہر کرنے کے لیے پنجابی الفاظ و محاورہ کے ساتھ انگریزی الفاظ کم و بیش ناولٹ میں شاملِ ترتیب دیے گئے ہیں۔ جس سے ناولٹ کا اسلوب بارونق بنایا گیا ہے۔

شیر زمان:

غلام الثقلین نقوی کے تینوں ناولٹ میں اسلوبِ بیان جو اختیار کیا گیا ہے اس میں سادگی، سلاست، روانی بھی ہے اور مشکل الفاظ کا چناؤ بھی کیا مگر وہ مکالموں سے اتنی دلکشی پیدا کرتے ہیں اور ایسی پرکاری دکھاتے ہیں جہاں پر غلام الثقلین نقوی کا فن خود بخود قاری کے سامنے آجاتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ "شیر زمان" میں اسلوب کا جائزہ لیا جائے تو اس میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ الفاظ کا چناؤ کیا گیا ہے ایک خاص ترکیب کو استعمال کرنے کے پیشِ نظر فن میں سادگی بھی ملتی ہے اور جس علاقے کی بات کر رہے ہوتے ہیں اسی لب ولہجہ کو بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی کے اس ناولٹ میں بھی سوالیہ انداز کے جملے ملتے ہیں جن میں سوال جواب کے ذریعے ناولٹ میں دلکشی قائم رہتی ہے۔ اتنی خوبصورتی کے ساتھ سادہ الفاظ کے استعمال میں ہی ان کا یہ فن بھی نکھر کر سامنے آیا۔

مناسب الفاظ کا چناؤ اور پھر لفظوں کا ایک دوسرے سے ربط قائم کرنے کی بدولت صاف اور نکھرا ہوا انداز سامنے آتا ہے۔ واقعات کو اس انداز سے ترتیب دیتے ہیں کہ وہ بالکل اسی دور کے عکاس بن جاتے ہیں۔

غلام الثقلین کے ناولٹ میں زبان کے حوالے سے جائزہ لیں کہ اسلوب میں انھوں نے کس طرح کی زبان کا استعمال کیا ہے اس کے پیچ وخم کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ غلام الثقلین نقوی نے اردو کے الفاظ و تراکیب کے ساتھ ساتھ پنجابی، انگریزی اور پشتو کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ چونکہ غلام الثقلین کا تعلق دیہات سے تھا اس لیے بھی انھوں نے جو مثالیں دی ہیں وہ ذیل میں بیان کی جارہی ہیں:

> جمعدار ڈسپلن پر زور دیتا لیکن سپاہی موقع پر بنکروں سے باہر نکل کر ہلڑ بجاتے ۔۔۔اسے سپاہی کی بات پر اتنا غصہ آیا کہ اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔
>
> اس نے اپنے آپ کو کنٹرول کر کے کہا "جوان! ابھی لام ختم نہیں ہوئی۔" اس نے حوالدار میجر مکھن سنگھ سے کہا "حوالدار صاحب! یہ کیا ہو رہا؟ جوان ڈسپلن توڑتا ہے، گستاخی کرتا ہے، مجھ سے پوچھتا ہے۔ ۵۰

اس ناولٹ میں بھی انگریزی الفاظ کا چناؤ اردو الفاظ کے ساتھ ساتھ ملتا تو ہے مگر کم ہی الفاظ کو ترتیب دیا ہے۔ جس کی مثال یوں درج کی گئی ہے:

"یس سر! جمعدار نے کہا۔

"لیکن حوالدار مکھن سنگھ کو ہم ضرور سزا دے گا۔" کرنل سنتھی نے کہا۔ چنانچہ مکھن سنگھ کو سات دن کوارٹر میں رہنا پڑا۔ ۶۰

جہاں پر انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے وہاں پر ساتھ میں غلام الثقلین نقوی پٹھانوں کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا لب و لہجہ ہی بیان کرتے ہیں اسی طرح اسلوب میں اور بھی رنگینی سادگی سامنے آتی ہے۔ شیر زمان میں بھی غلام الثقلین نقوی نے سوالیہ جملوں کا استعمال کیا۔ سوالیہ انداز کا یہ استعمال ناولٹ میں وقفے وقفے سے جملوں میں دکھائی دیتا ہے۔ جس سے وہ بات کو خوبصورتی کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

وہ ٹرنک اور بستر اتروانے کے لیے آگے بڑھا تو ایک آدمی نے پوچھا "صاحب!

آپ پل کے اس پار جائے گا؟"

"ہاں گرائیں!"

اس نے آواز دی "او جہانے! ادھر آ"۔

"بنارس نے پوچھا "صاحب! آپ آگے کہاں جائے گا؟" ۶۱

غلام الثقلین نقوی کے دوسرے دونوں ناولٹ کی طرح اس ناولٹ میں بھی سوالیہ پیرائے میں اقتباسات ملتے ہیں ان میں بھی مختصر اور طویل جملوں کے ساتھ واقعات کو درج کیا گیا ہے۔ جس سے سہل پسندی کا انداز ملتا ہے۔ الجھاؤ کی بجائے آسانی اور سلاست اور رواں لب و لہجے کا انداز دکھایا گیا ہے۔ اس طرح کے ہر اقتباس میں صرف ایک پہلو ہی نہیں جھلکتا بلکہ اسلوب کے ایک فن کے ساتھ اور بھی فن اگھٹے بیان کر ڈالتے ہیں۔ حیرت اور استعجاب کے جملے بھی دلکشی قائم رکھتے ہیں۔ عام بول چال کا انداز اور دیہی معاشرت

سے عکاس کرتے فقرے اور پھر ان فقروں میں سادگی کے جلوے پر تولتے ہیں۔ ایک اور مثال اس حوالے سے درج کی جاتی ہے جیسے کہ:

جمعدار دلاوخان اس سے پہلے سٹیشن پر آگیا تھا۔

اس نے پوچھا "شیر زمانا! آج کل کہاں ہو؟"

"اپنے گراں میں"۔

کیا کرتے ہو؟ ۶۲

شعریت سے معمور غلام الثقلین نقوی کا لب و لہجہ جن مکالموں میں نظر آتا ہے ان میں خوش بیانی اور رنگینی پائی جاتی ہے۔ اتنی خوبصورتی کے ساتھ الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں کہ ایک کے ساتھ دوسرے کا رشتہ صاف گوئی کے ساتھ سامنے آجاتا ہے۔ مثال کے طور پر:

آزاد پتن پر صبح کاذب کا کہر آلود نور پھیلا۔ کچھ عرصے کے لیے منظر واضح ہوا۔ دریا
اور پل نظر آئے اور جلد ہی اندھیرا چھا گیا۔ ۶۳

خوبصورت مناظر کو الفاظ کی قید میں رکھتے ہوئے تشبیہات کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی کی زیادہ تر تحریروں میں اسی طرح کا اسلوبِ نگارش ملتا ہے۔ ناولٹ شیر زمان میں کم ہی تشبیہات کا استعمال ملتا ہے۔ مثال ملاحظہ کیجیے:

وہ ایک نالے کے کنارے دبے پاؤں مارچ کر رہے تھے کہ میجر ٹھٹک کر
کھڑا ہو گیا اور اس نے جمعدار کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "روشنی!"
جمعدار کو یوں معلوم ہوا جیسے ایک جگنو ٹمٹما کر بجھ گیا ہو۔ ۶۴

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں جس طرح انگریزی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے ان میں انھی کا لب و لہجہ دکھایا جس سے خوبصورتی کے ساتھ الفاظ کے ردوبدل سے ایک نیا انداز سامنے آتا ہے۔ اس حوالے سے ایک اور مثال پیش کی ہے:

> کرنل نے اپنی ٹوپی اتار کر کہا "اور ہم آپ کو سیلیوٹ مارتا ہے۔ جمعدار صاحب! آپ نے پرانے زمانے کے نائٹ(Knight)کا رول پلے کیا۔۔۔ آپ نے اپنی ہر چیز کو ایٹ سٹیک (At stake) کر دیا۔" کرنل ٹوپی سر پر رکھ کر مسکرایا "ویل شیر زمان! آپ کچھ کچھ ڈان کیوہوٹے(Don Quixote) بھی ہے۔۶۵

غلام الثقلین نقوی نے بڑی سادگی کے ساتھ ناولٹ میں ترکیب الفاظ کو بیان کیا اور علامتی انداز بھی ان کے ناولٹ میں دکھائی دیتا ہے۔ علامت کے طور پر الفاظ کا چناؤ کیا۔ علامتی الفاظ کے ایسے منظر نامے پیش کیے جن سے ساری رنگینیاں جڑی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

علامت کا ایسا پیرائیہ اپنایا جس سے ناولٹ میں الجھاؤ کی بجائے ایک لفظ کے ساتھ تمام چیزوں کا حسن اور تعلق اسی سے جوڑ دیا۔ جس میں رومانی لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس رنگ کو دیکھتے ہی اس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ماضی پرستی بھی دکھائی دیتی ہے جس میں پس منظر اور پیش منظر کے واقعات کو تکنیک کے ساتھ برتا گیا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے ان تمام مناظر کو خوبصورتی کے ساتھ الفاظ کا چناؤ کر کے ناولٹ میں ترتیب دیا ہے جن سے ناولٹ میں حسن اور دلکشی زیب تن ہو۔ اس کی مثال ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی کے اسلوب بیان کے مطابق الفاظ کی ترتیب اور مناسبت کے ساتھ جس طرح سامنے آتی ہے وہ نیچے درج کی جارہی ہے:

> لالٹین کی دھیمی دھیمی سرخ روشنی سے کمرے میں آہستہ آہستہ اجالا ہوا۔ کمرے کی دیواروں پر نیلا رنگ بھرا ہوا تھا ایک دیوار کے متوازی پلنگ بچھا ہوا تھا جس پر نیلے رنگ کی چادر تھی۔ انگیٹھی کے چھجے پر سے نیلے رنگ کا رومال لٹکا ہوا تھا۔۔۔ ریشم

> جان جب اس کے گھر آتئ تھی تو سرخ عروسی جوڑے میں آئی تھی۔۔۔جب وہ اپنی نوکری پر واپس جارہا تھا، تو ریشم جان اور نیلا رنگ لازم وملزوم ہو چکے تھے۔ کیونکہ بیٹھک کی دیواروں پر ریشم جان نے نیلا رنگ پھیر دیا تھا اور اس کا لباس بھی نیلا تھا اور ڈوپٹہ بھی۔٦٦

غلام الثقلین نقوی کے اس ناولٹ میں جس طرح رنگینی کے ساتھ اور اشاروں میں بات کو بیان کیا گیا اس طرح علامت کے طور پر الفاظ کا استعمال کیا گیا اس کے علاوہ تشبیہ کا بھی کچھ تعلق دکھایا۔ سوالیہ انداز، چھوٹے اور بامعنی جملوں کی ترکیب وترتیب کے ساتھ طویل جملوں کا بھی انتخاب ملتا ہے۔ جس مقام کی بات کرتے ہیں اسی طرح کی زبان کو بھی استعمال کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جس سے ذرا بھی کسی دوسرے انداز کا شائبہ نہیں ہوتا۔ الفاظ و زبان کا ایسا چناؤ ملتا ہے کہ اسلوب اسی کی عکاسی کرنا شروع ہو جاتا ہے۔ مزاج میں جس چیز کا اثر ہوتا ہے وہی اسلوب میں انداز جھلکتا ہے۔ شعریت سے بھرپور اور لبریز لب ولہجہ سامنے آنے سے ہی اسلوب میں شعروشاعری کا عکس جھلکنے لگتا ہے۔ سوالیہ انداز سے اتار چڑھاؤ بھی ندرت الفاظ سے رنگینی بیان کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ڈاکٹر انور سدید کے مطابق:

> ان کی طبیعت شعر کی لطافت سے تازگی محسوس کرتی ہے اور نغمہ ان کی روح کے تاروں کو ہلا دیتا ہے لیکن وہ حقیقت نگاری کے مکتب سے کبھی الگ نہیں ہوئے۔ انہوں نے علامت اور تجرید کو بڑی ہوش مندی سے استعمال کیا۔٦٧

غلام الثقلین نقوی کا بیانیہ اس قدر شستہ ہے جس میں سادگی کے ساتھ ایسی پرکاری دکھاتے ہیں جس سے ناولٹ پڑھنے کے ساتھ ہی ان کے اسلوبِ بیان کی خصوصیت سامنے آجاتی ہے۔

منظر نگاری:

منظر نگاری لفظ عربی زبان سے لیا گیا ہے جس کے معنی مختلف صورتوں میں سامنے آئے ہیں۔ جس کو شکل چہرہ، صورت، چہرہ، نظر سب کہہ سکتے ہیں۔ منظر نگاری کسی بھی ادبی صنف کا بنیادی جزو ہے۔ چاہے وہ

افسانہ، ناول، ڈراما، ناولٹ، سفر نامہ وغیرہ کیوں نہ ہو۔ جن میں منظر نگاری ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ منظر نگاری کرنے والے چاہے ناول نگار ہو، ناولٹ نگار، افسانہ نگار یا پھر ڈرامہ نگار وہ اپنے ارد گرد کے ماحول کے حالات وواقعات کی تصویر کشی سامنے لاتا ہے۔ جس طرح کے حالات اور فطری حسن وہ دیکھتا ہے وہ انھیں اپنی تحریر میں اپنے خیالات اور الفاظ کی بدولت شامل کرتا ہے۔ فطرت کی دلکشی اور تازگی پورے طور پر سامنے لانا ایک تخلیق کار کا خاص فن ہے یہ اس کی نظر کا ہی کمال ہے کہ وہ کس نظریے سے دیکھتا ہے اور تمام مناظر کو جوں کا توں بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ قدرت کی کرشمہ سازیاں، باغ وبہار، ابر وبرق کے نظارے یہ سب جس طرح قلم کار دیکھتا ہے تو اس کے اندر تمام مناظر سمٹ جاتے ہیں اور وہ انھیں پوری کوشش کے ساتھ کہانی میں بیان کرتا ہے۔ یہ بیان کرنے کا سلیقہ ہی اس کے فن کو مضبوط سے مضبوط تر بنا دیتا ہے۔

لغت میں منظر نگاری کو یوں بیان کیا گیا ہے:

> منظر نگاری عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی (۱) جائے نظر، آنکھ، نظر (۲) نظارہ، سیر گاہ، تماشا گاہ (۳) چہرہ، صورت، شکل (۴) حدِ نظر (۵) دریچہ، کھڑکی، وزن وغیرہ۔۶۸

ڈاکٹر قمر رئیس نے جن خیالات کا اظہار منظر نگاری کے حوالے سے کیا ہے ان میں کچھ اس طرح بتایا گیا ہے کہ منظر نگار دو طرح جائزہ لیتا ہے۔ یا تو وہ کسی منظر کو اپنی کہانی میں بیان کرتا ہے یا پھر کرداروں کے جذبات کو سامنے لاتا ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس لکھتے ہیں:

> عام طور پر ناول نگار اس سے دو کام لیتا ہے اول یہ کہ دشت و باغ کے خاکے بنا کر یا دریاؤں، کوہساروں اور موسموں کی کیفیت بیان کر کے وہ اپنی کہانی کو ایک خاص فضا خطہ یا زمانہ میں پہنچا دیتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ قدرتی مناظر کے پس منظر میں وہ اپنے کرداروں کی فطرت ان کے جذبات اور ذہنی کیفیات کو اجاگر کرتا ہے۔۶۹

زندگی کے مسائل اور معاملات سے ہی جڑے ہوئے حالات کو دیکھتا ہے اور انھی میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ قوتِ مشاہدہ جس میں جس قدر زیادہ ہو گا وہ اسی قدر اچھے مناظر کا عکاس بن سکے گا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی لکھتے ہیں:

> جن لوگوں میں قوتِ مشاہدہ کی کمی ہوتی ہے وہ معمولی باتوں کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں اور غیر معمولی واقعات اور حالات کی تلاش کرتے ہیں۔ غیر معمولی حالات تو صرف غیر معمولی لوگوں کو کبھی کبھی پیش آسکتے ہیں وہ زندگی کے عام معمولات سے خارج ہیں۔ ۷۰

الغرض منظر کشی بھی فن پارے کی قدر و قمیت کو بڑھانے کا ایک اہم ذریعہ ہے چاہے قدرتی مناظر، فطری، تخیلاتی، ثقافتی یا پھر جنگ و جدول کے مناظر ہوں۔ ایک تخلیق کار بہتر طور پر جانتا ہے کہ کس طرح کے مناظر کی تصویر کشی میں مہارت رکھتا ہے۔ پھر وہ اسی حوالے سے مناظر کی تصویر کشی کرتا ہے۔

ایک انسان اپنے گرد و بیش کے حالات و واقعات کو دیکھتا ہے اور اسی کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ انھی حالات و واقعات اور معمولِ زندگی کو کسی فن پارے میں شامل کرنا ایک اہم فکری عمل ہے جس میں تخیل کی تمام تر قوتوں کو مدِ نظر رکھ کر ہی ایک ادب پارہ اپنے تمام حسن و راعنائی کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

منظر کشی یا تصویر کشی کرنے سے کسی بھی فن میں زیادہ حسن پیدا ہو جاتا ہے اور خوبصورت الفاظ سے مناظر کو بیان کرنا جس سے قاری کے ذہن تک ان مناظر کی خوبصورتی بحق پہنچ جائے۔ پھر یہ چیز بھی مد نظر رکھی جاتی ہے کہ منظر نگاری کسی بے رنگ اور بے جان خطوط سے حاصل نہیں کی جاسکتی اس میں زندگی سے متعلق حقائق اور عام زندگی سے مدد لی جاتی ہے تاکہ عام حقائق کو بھی ملحوظِ خاطر رکھ کر فن پارے میں مناظر کو بیان کیا جاسکے۔ جس پر عام قاری کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی فنکار کا کام ہوتا ہے کہ ان پہلوؤں تک بھی رسائی حاصل کر سکے۔ اس کا کام یہی ہوتا ہے کہ وہ عام قاری کی سطح سے اوپر رہتے ہوئے مناظر کو بیان کرنے کا سلیقہ رکھتا ہے جس کی بدولت اس کا درجہ بلند و بالا ہو جاتا ہے۔ یہ بالیدگی تک پہنچنے کی حب ہی اُسے دوسروں سے منفرد و

ممتاز بنانے میں مدد گار ثابت ہوتی ہے۔ جس کا اظہار وہ اپنے جذبات وخیالات سے اپنے فن پارے میں کر کے دوسروں کو اس سے روشناس کراتا ہے۔ منظر کشی کسی بھی فن پارے کی قدر و قیمت اور خوبی کو بڑھانے میں مدد گار ثابت ہوتی ہے۔ مناظرِ فطرت اور خوبصورت قدرت کے نظارے رنگین بیانی سے سامنے لانا کہ قاری ان میں ڈوب جائے۔

اب غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں منظر نگاری کا جائزہ لیا جائے تو دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ غلام الثقلین نقوی ایک خوبصورت منظر نگاری کے عکاس ہیں۔ انھوں نے اپنے ہر فن میں ہی منظر نگاری کی واضح صورتیں پیش کی ہیں۔ غلام الثقلین نقوی ایک ایسے منظر نگار کے روپ میں سامنے آتے ہیں جن کے فکر کی گہرائی ان کی تحریروں میں خوب دکھائی دیتی ہے۔ وہ زندگی کے ہر پہلو کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ عام حقائق سے لے کر خاص حقائق کو بھی بیان کرتے ہیں کہ وہ تمام مناظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتے ہیں۔ ایسی فنکاری سے کام لیتے ہیں کہ قاری میں اس میں محو ہو جاتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی ان تمام حسین اور دلکش وادیوں، نظاروں کو اپنے قوتِ متخیلہ سے ناولٹ میں پیش کرتے ہیں کہ ان کی فکری اپج اور الفاظ کی رنگینیوں سے ان کا بیانیہ سامنے آجاتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کی کہانیوں کی بنیادی خصوصیت منظر نگاری بھی ہے۔ جس میں قدرتی مناظر کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے۔ وہ ایسے الفاظ و ترکیب کو بیان کرتے ہیں کہ تمام واقعات خود ہی کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ پہاڑ، درخت اور وادیوں کا ذکر اس انداز میں کرتے ہیں کہ انسان ان میں کھو جاتا ہے۔ فطرت کے حسن کو بیان کرتے ہیں جن سے انسانی فطرت کا گہرا لگاؤ ہوتا ہے، ان نظاروں سے والہانہ محبت اور اپنایت ہوتی ہے۔

فطرت کی عکاسی اس خیال سے کرتے ہیں جس میں رومانی پہلو بھی شامل رہتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی کے افسانوں میں بھی فطری حسن اور دیہاتی حوالے سے منظر کشی ملتی ہے اور ناول میں بھی اسی طرح کا اندازِ بیان ملتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے جس طرح اپنے ناولٹ میں منظر نگاری پیش کی اس میں جس طرح فطرت نگاری سامنے لائی گئی جن حقائق کے بیان میں منظر کشی کی وہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ ناولٹ میں ترتیب دیے گئے ہیں۔

دھوپ کی چمک اور پانی میں سورج کی روشنی سامنے سے پیدا ہونے والی چمک کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ الفاظ کے ذریعے سامنے لایا۔

ناولٹ میں ایک اور خوبصورت منظر کو پیش کرتے ہیں جس میں فطری حسن کے ساتھ تخیل کی رنگ آمیزی بھی دکھائی دیتی ہے لکھتے ہیں:

> شبنم کے قطرے جھلمل جھلمل کانپے۔ پاس کے درخت پر سے چڑیاں پھر سے اڑیں، زمین کو چھونے سے پہلے کرن نے میری پیشانی پر بوسہ دیا اور میں اس بوسے کی لطافت کے ساتھ اُڑا اور آسمان کی نیلگوں بلندیوں میں کھو گیا اور دوسرے لمحے شفق کے دامن سے اس مکان کی دیواریں ابھریں۔ ۱۷

ہر کسی فنکار کا حسن بیان ہوتا ہے کہ وہ کس طرح مناظر کی خوبصورتی کو بیان کرتا ہے جس سے تمام واقعات خود بخود کھل کر الفاظ کے ذریعے سامنے آجاتے ہیں۔ جس طرح اوپر درج کیے ہوئے اقتباس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں کس طرح فطرت اور تخیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ربط قائم کیا گیا۔ شبنم کے قطروں کی خوبصورتی اور چڑیا کا ذکر خوشی کا پیکر بنا کر دکھایا۔ جس طرح ناولٹ میں خورشید کے جذبات و خیالات وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے ہیں انھی کیفیات کو بیان کرتے رہتے ہیں۔ خوشی اور غم کے اظہار میں مناظرِ فطرت کو جس انداز میں ممکن ہوتا ہے دکھائی دیتے ہیں۔

یہاں پر اب ایک اور منظر جس میں خورشید کا نینا کے مکان کے سامنے سے گزر ہوتا ہے تو نینا کے گھر میں جس قدر دھوپ رنگینی بکھیرتی ہے اور بہار کی خوبی و خوبصورتی کا ذکر کرتے ہیں۔ جس سے دلفریب نظارے آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتے ہیں۔ محض الفاظ کی تبدیلی سے ہی تمام مناظر کو گرفت میں لے لیتے

ہیں اور پھر ان کو تحریر میں شامل کرتے ہیں۔ جس طرح انہوں نے یہاں پر بھی تخیل کی خیال آفرینی کے ساتھ قدرتی مناظر کو بھی موسم کی خوبصورتی کو جوڑا ہے۔ وہ ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی کے الفاظ میں یوں سامنے آئی ہے:

> لیکن ایک دن جب میں صبح کے وقت نینا کے مکان کے سامنے سے گزر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ نینا کے آنگن میں سنہری دھوپ پھیلی ہوئی ہے۔ اس دھوپ میں بہار کا دھیما رنگ تھا۔ بہار کے رنگ میں زندگی کا نیا خون تھا اور کروڑوں کلیوں نے کھل اٹھنے کا مژدۂ جانفزا ابھی، جو ابھی شاخ پر بھی نہیں آئی تھیں۔ ۷۲

غلام الثقلین نقوی کے ہاں جس طرح ہمیں قدرتی مناظر کی دلکشی ملتی ہے۔ وہاں پر ایسی منظر نگاری کرتے ہوئے بھی دکھائی دیتے ہیں جس میں رومانی خیالات کا خوبصورت بیان ملتا ہے۔ جس میں فرد کی داخلی اور خارجی کیفیات کا خوبصورت بیان ملتا ہے۔ جہاں پر وہ اپنے پورے تخلیقی شعور سے رومانیت کا بھی بیان کرداروں کے ساتھ پیش آنے والے مسائل کے ذریعے کرتے ہیں۔ جس میں خیال آفرینی اور فطرت کی عکاسی دونوں جوڑتے ہیں۔ فطرت کی تمام رنگینیوں کو شاعرانہ پیرائے میں اور لطافت سے بیان کرتے ہیں۔ فطرت نگاری میں تخیل کی کارفرمائی دکھاتے ہیں جس سے ان کے قلم کی جنبش گہری دکھائی دیتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ اس فطری حسن میں ڈوب کر لکھ رہے ہوں۔ جملے کی ساخت، حرکت اور ترتیب میں بھی باریک بینی سے کام لیتے ہیں تاکہ خوبصورتی کا سرچشمہ دکھائی دے سکے۔ مناظر فطرت کو دیکھنے کا گہرا شعور اور پھر ان مناظر سے اپنے ناولٹ میں بھی جاذبیت پیدا کرنا غلام الثقلین نقوی کا خاص فطری حسن اور خوبی اس میں شامل و حامل ہے۔ جس سے قاری بھی رومان پرستی میں گمراہ ہو جاتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی جس حوالے سے ماحول کی خوبصورتی کی تصویر کشی کرتے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے وہ حقائق زندگی کی تلخیوں کا ادراک محبت کے جذبات سے کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ "عشق و محبت" کی رنگینیوں کو منظر نگاری میں بھی بیان کرنے کا بھرپور مرحلہ طے کیا۔ غلام الثقلین نقوی نے جس راعنائی کے ساتھ ایک رومانی منظر کو قلم بند کیا اس کی مثال ملاحظہ ہو:

اور نجانے کیوں ایک خلا میں سے مونٹ ایورسٹ کی بلندیوں نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔ میں سینہ چیرنے والی برف کی تیز نوک کے دامن میں کھڑا تھا اور نینا چوٹی پر کھڑی تھی اور اُس کا سر آسمان کی نیلگوں بلندیوں کو چھو رہا تھا۔ برف کی چوٹی سے ایک برفانی سانس آیا اور میرا جسم منجمد ہو گیا، لیکن میری روح نے کہا۔ "چاچا"! میں اس بلندی پر ضرور پہنچوں گا۔۔۔ اور میں نینا سے اسی جوہڑ کنارے ملا جہاں نینا پہلی بار زندگی کے خلا سے ابھری تھی۔ وہ "لمحہ "سورج کی تیز چمک میں نہایا ہوا تھا۔ "یہ لمحہ "شفق کے ارغوانی سمندر میں ڈوبا ہوا تھا اور شام کی ہواؤں میں خنکی تھی اور خوشبو تھی۔ ۳۷

اب اس اقتباس میں انھوں نے رومان اور فطرت کے منظر کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سمویا ہے۔ جہاں پر دونوں کی ایک دوسرے سے ملاقات کا منظر اور اِن کے جذبات و کیفیات کی تصویر کشی غلام الثقلین نقوی نے الفاظ کے ذریعے کی تاکہ تمام منظر قاری کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔ جس میں برف کی چوٹی اور آسمان کی بلندیوں کا ذکر کر کے قدرت کے نظارے بھی دکھائے۔ جس لمحے جس طرح کا منظر دکھایا اس میں سورج کی چمک تیز اور شام کا خوبصورت نظارہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان تمام مناظر کو خوبصورتی کے ساتھ قلم بند کیا۔

غلام الثقلین نقوی کے ہاں جہاں پر رومان پرستی کے ساتھ مناظر فطرت کی تصویر کشی ملتی ہے وہاں پر وہ معاملات زندگی کی بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ تصویر کشی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں وہ عام واقعات، مکان وغیرہ کا بھی نقشہ کھینچے ہیں۔ رہن سہن کا ذکر کرتے ہیں۔ جس سے ثقافتی حسن کی بھی جھلکیاں اپنے رنگ خوب بکھیرتی ہیں۔ جن میں زندگی کے خوبصورت لمحات مسکراہٹیں بکھیرتے ہوئے اور رقص کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ غم والم کی کیفیات کی تصویر کشی کے ساتھ ساتھ رنگین مناظر اور ماحول اور خوشی کے لمحات کو بھی ندرت الفاظ سے روشن کرتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں قدرتی مناظر کی خوبصورتی دکھانے کے ساتھ ساتھ جہاں زندگی کے عام مسائل کو پیش نظر رکھا اس میں وہ طبقاتی کشمکش کی بھی تصویر کشی کرتے ہیں۔ ناولٹ میں ایک محل کا نقشہ کھینچا ہے جس میں اس کی تعمیر نامکمل دکھائی ہے۔ اس کی دیواروں کے رنگ اور کمروں کا حال جس طرح دکھایا اس سے وہ محل کی تصویر تمام تر بیان آفرینی سے لفظوں کا خوبصورت پیکر بن کر سامنے آتی ہے۔

ندرت الفاظ اور رنگین الفاظ سے غلام الثقلین نقوی نے محل کے اندر کا نقشہ بڑی جدت طرازی کے ساتھ ناولٹ میں سامنے لانے کی سعی کی۔ محل کا منظر ناولٹ میں یوں سامنے لایا گیا ہے:

> لال محل ابھی نامکمل تھا۔ ابھی بہت سے کمروں پر چھت بھی نہ پڑی تھی لیکن جس کمرے میں پرویز کی رہائش تھی، اس کے فرش پر قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں کا رنگ نیلا تھا اور ان پر کلنڈر لٹکے ہوئے تھے اور قالین پر صوفہ سیٹ تھا ایک کونے میں پرویز کا پلنگ بچھا ہوا تھا، جس پر بڑا اجلا بستر تھا۔ کھڑکیاں بند تھیں۔ پرویز نے ایک ایک کر کے کھڑکیاں کھول دیں۔ باہر گندم کے کھیت لہرا رہے تھے۔ صبح کی ہوا کا پہلا تازہ جھونکا آیا تو پلنگ کی سفید چادر کے پلو لہرائے۔۔۔ سرسبز کھیتوں اور درختوں کے گھنے جُھنڈوں میں چاند پورا ابھرا۔ ۴۷

اس اقتباس میں غلام الثقلین نقوی نے محل کے ایک کمرے کا نقشہ کھینچا ہے جس میں سارا سازو سامان پڑا ہوا ہے۔ اور اس کمرے کی خوبصورتی میں اضافہ کے لیے اس طرح کمرے میں کھڑکی سے باہر کھیت دکھائی دیتے ہیں۔ ان کھیتوں سے صبح کی ہوا کا جھونکا آتا ہے تو پھر اس کی خوبصورتی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس طرح غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ تمام سجاوٹ جو کمرے میں کی گئی تھی یا اس سے باہر کا نظارہ جو دل میں ایک خوشی کی لہر کو شامل کرنے میں پیش پیش تھا اُسے بیان کرنے کا ایک سلیقہ پیش کیا۔

اس طرح خوبصورتی اور دلکشی سے تمام واقعات کو سمیٹتے ہیں کہ قاری اس میں دل گرفتہ ہو جاتا ہے اور اس سے باہر آنے کا موقع نہیں ملتا قاری اس دنیا میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد عالم خان رقم طراز ہیں کہ:

> گاؤں کی منظر نگاری ہو یا دیہاتی زندگی کی مصوری، نقوی ایک طلسماتی فضا پیدا کرتے ہیں اور کہانی کی ابتداء میں ہی قاری کے دل و دماغ پر قابض ہو جاتے ہیں اور وہ پھر ایک ماہر کہانی نگار کی طرح اس کے جذبات، احساسات سے کھیلتے ہیں وہ ایسی دنیا میں کھو جاتا ہے کہ کہانی ختم ہو جاتی ہے مگر وہ اپنے بدن میں بہت دیر کے بعد واپس آتا ہے اور یہ ان کے فن کا جادو ہے۔۷۵

غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوش بیانی سے مختلف مناظر کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے فن کی قدر و قیمت کا اسی بات سے ہی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غلام الثقلین نقوی نے کس قدر مہارت کے ساتھ ایک ایک چیز کی خوبی کو کھول کر سامنے لایا ہے جس سے قاری اس حسن کو پڑھ کر فطرت کی دلکشی میں کھو جاتا ہے یا پھر قوتِ متخیلہ کے بیان کے مطابق تخیل کی وارفتگی میں ڈوب جاتا ہے جہاں سے واپسی پھر کہانی کے مکمل ہونے کے بعد ہی ہوتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں بڑی خوبصورتی اور دلفریبی کے ساتھ برسات کے نظارے کی جھلک دکھائی ہے۔ انھوں نے بڑی چابکدستی سے الفاظ کی مدد سے برسات کے خوبصورت نظارے کالی کالی گھٹاؤں کو سامنے لایا ہے۔ اس موسم میں جس طرح لوگ دلفریب نظارے میں خوش و خرم ہوتے ہیں ان کی خوشی کو اسی طرح خوش اسلوبی کے ساتھ دکھایا ہے کہ لوگ برسات کے نشے میں کس طرح جھوم رہے ہیں۔ اپنے کاموں میں مگن لوگ کسی بھی چیز کی پروا کیے بغیر جھوم رہے ہیں۔ بادلوں سے کس طرح ہر طرف اندھیرا چھایا رہا اور پھر اس کے بعد بادل چھٹے تو ہر طرف روشنی کی کرنیں پھیل گئیں۔ گاؤں میں اس قدر برسات کی دلفریبی جھلکتی ہوئی دکھائی جس سے ہر طرف خوشی کی لہر اُمڈ آئی ہر طرف نغمے اور شور و غل مچانے کا منظر

سامنے لایا گیا۔ محض پڑھ کر اس کے الفاظ آنکھوں کے سامنے پورے منظر کو ہو بہو لے آتے ہیں۔ جس طرح ناولٹ میں منظر نگاری کی یہی خوبی گردانی جاتی ہے کہ الفاظ سے اس طرح تصویر کشی کی جائے کہ تمام منظر کہانی پڑھنے سے ہی قارئین کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ تب ہی کسی بھی فن پارے کی قدو قیمت کا صحیح طور پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں جس طرح اس برسات کے موسم کا دلچسپ واقعہ قلم بند کیا اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ہاں گہرا مشاہدہ ملتا ہے جس سے وہ کائنات کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کرتے ہیں پھر انھیں کہانی میں بیان کرتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی نے جس طرح ناولٹ میں برسات کے اس پورے منظر کو قلم بند کیا ہے اس کو انہی کی زبانی ناولٹ میں اس طرح پیش نظر کیا گیا ہے برسات کا خوبصورت منظر جو دلچسپی کا باعث بنتا ہے وہ ملاحظہ ہو:

> حسبِ معمول بادل جھوم کر آئے۔ ان کے دامن میں آبِ حیات ک چشمے تھے۔ چند خنک چھینٹے پڑے تو زندگی پژمردہ پڑی جمع ہونٹوں پر ہنسی کی بہار آگئی اور یہ بہار ہر طرف پھیل گئی۔ گاؤں کے اندر کیچڑ تھا اور گاؤں سے باہر سبزے کی چادریں تھیں اور آموں اور جامنوں میں کوئل کی مست کوک تھی اور بادلوں کے نیچے آسمان میں پپیوں کی سرمست اُڑانیں تھیں اور پی پی کا پیار بھر رس گھلا ہوا تھا۔ اور کالی گھٹاؤں کی یلغار کی راہ نمائی بگلوں کی سفید قطاریں کر رہی تھیں، گویا برسات میں زندگی تھی اور زندگی میں نغمے تھے اور کالی گھٹاؤں کی پورش میں شراب و شباب کے خم کے خم تھے اور مینا کی قلقل تھی اور لبریز جام جھلک رہے تھے اور گاؤں کے لوگ بڑے خوش تھے اور بڑے مصروف تھے۔ گھٹنوں گھٹنوں پانی اور کیچڑ میں ہل چل رہے تھے اور دھان کی پنیری لگ رہی تھی مکی، جوار اور باجرے کی فصلیں مست جوانیوں کی طرح پروان چڑھ رہی تھیں اور نکھر رہی تھیں۔ بادل چھٹے تو دھوپ نکل آئی اور نیم آلود زمین سے بخارات اٹھتے اور میلوں جسموں سے زندگی کی شراب

بھٹکتی اور پھر ٹھنڈے سایوں کے دامن میں سکون اور راحت کے نرم نرم بوسے ملتے۔۷۶

ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی کے ہاں جس طرح برسات کے خوبصورت منظر کو بیان کرنے کا سلیقہ نظر آیا اسی طرح انھوں نے دیہات کی بھی خوبصورت عکاسی دکھائی جہاں پر فصلوں کی شادابی اور سرسبز لہراتی فصلیں ایک امید کی کرن بن کر سامنے آئی ہیں اور مسرت کا باعث بنتی ہیں بادلوں کا ذکر اور پھر بادل کے بعد کا منظر خوب حقیقت کے قریب رہ کر قدرت کے نظارے دکھاتے ہیں جن میں زندگی کی کرن جھلکتی ہے۔ ہر کسی میں ایک امید کی لہر اُمڈتی اور پھوٹتی دکھائی دیتی ہے۔ زندگی پوری شادابی کے ساتھ راعنائی دکھاتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے ہاں زندگی میں عام معاملات و مشاہدات کو بھی سمیٹا گیا ہے۔ جس میں حسین تصورات اور پس منظر اور پیش منظر سے حقائق کی منظر کشی کرتے ہیں۔ ان کی تحریر ہر طرح کی منظر کشی کے ساتھ ساتھ فطرت کشی سے مزین ہے۔

غلام الثقلین نقوی جہاں پر فطرت کی مصوری کرتے ہیں وہاں پر پنجاب کے دیہات کا بھی ذکر کرتے ہیں جس طرح اوپر درج کیے ہوئے اقتباس میں قدرتی حسن کے ساتھ ساتھ دیہات میں فصلوں سے پیدا ہونے والے دلکش رنگ و نظارے بھی دکھائے ہیں

الغرض غلام الثقلین نقوی نے اپنے ناولٹ "چاند پور کی نینا" میں جس طرح قدرتی مناظر کو پیش نظر رکھا یہ ان کا ایک خاص مشاہداتی فن اور نقطۂ نظر ہے۔ جس میں غلام الثقلین نقوی نے سورج کی کرن کی چمک اور دھوپ کی سنہری روشنی کو بڑے فنکارانہ انداز سے قلم بند کیا ہے۔ جہاں پر دیہات میں نینا کے صحن میں سورج کی چمک دکھا کر رومانی پسِ منظر میں تصویر کشی کی ہے۔ لہراتے اور سرسبز کھیت اور اُجلا اُجلا اور صاف منظر دکھاتے ہیں جس سے آسمان کی نیلگوں خوبصورتی کو سمیٹتے ہیں۔

آسمان پر گہرے کالے بادلوں کی گھٹائیں جس سے دل میں بھی موسمِ بہار کا سفر شروع ہوتا ہے اس کی تصویر کشی ملتی ہے۔ ناولٹ میں دلکشی اور سادگی کے ساتھ شام کا منظر ہو یا صبح کا حسین نظارہ غلام الثقلین نقوی نے بڑے گہرے مشاہدے سے منظر کو بیان کیا۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں ایک اور مقام پر بڑی خوبصورتی کے ساتھ دیہات کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جہاں پر بل کھاتے ہوئے راستوں کو پیشِ نظر رکھا گیا۔ جس میں لال محل کی بھی تصویر کشی ملتی ہے۔ جہاں پر شاہانہ زندگی کا پیکر دکھایا گیا ہے۔ عام طبقے اور زندگی کی بات کرنے کے ساتھ ساتھ امیر طبقے کی بات بھی کرتے ہیں۔ زندگی کے دونوں رُخ سامنے لاتے ہیں۔ ایک اور منظر کی خوبصورت تصویر کشی غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں کی گئی ہے۔ جس میں کھیتوں کا ذکر بھی ملتا ہے اس منظر کو ناولٹ میں جس انداز سے سامنے لایا گیا ہے وہ منظر غلام الثقلین نقوی کے الفاظ میں کچھ اس روپ میں جھلکتا ہے یہ منظر ملاحظہ ہو:

> میں کھلے کھیتوں کی طرف ہو لیا۔ ایک بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی پر میرے قدم یونہی بڑھنے لگے۔ دوپہر کی دھوپ تیز تھی اور آسمان دھلا دھلا نکھرا ہوا تھا۔ بھیگی زمین سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔۔۔ اور ایک موڑ پر "لال محل" کی سرخ دیواریں اچانک زندگی کے پیچ و خم سے ابھریں۔ زندگی کا موڑ۔۔۔ "لال محل" کی ایک کھڑکی کے شیشے نے چمکار امار کر کہا۔ "تم بھٹک کر اس موڑ پر کیوں پہنچ گئے۔۔۔ پرویز کندھے پر بندوق رکھے پھاٹک سے نکلا۔ اس نے تیز دھوپ میں آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر مجھے دیکھا اور پہچان لیا۔۷۷

اس اقتباس میں تمام منظر صاف اور نکھرا ہوا دکھانے کی کوشش ملتی ہے۔ دھوپ کی سنہری چمک اور آسمان ایسا صاف و شفاف دکھایا۔ غلام الثقلین نقوی نے بڑی چابکدستی کے ساتھ فنی بصیرت کو سامنے رکھتے ہوئے تمام مناظر فطرت کو اپنے ناولٹ میں سمویا جس میں عام زندگی کے مسائل کی عکاسی بھی ملتی ہے جس طرح زندگی میں بعض واقعات دلچسپ ہوتے ہیں اور بعض بڑی کڑی حقیقت چھپی ہوتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی کا یہ ناولٹ منظر نگاری کی ایک مثال کے طور پر سامنے آتا ہے۔ جس میں قوتِ متخلیہ کو بروئے کار لاتے ہوئے غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ کو تخلیق کیا۔ اس میں غلام الثقلین نقوی کے فن کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ جس طرح دوسرے تخلیق کاروں کے ہاں فطرت کی عکاسی ملتی ہے اسی طرح غلام الثقلین نقوی کے ہاں بھی فطرت پرستی کی گہری چھاپ نظر آنے کے ساتھ ساتھ اور بھی منظر نگاری میں جن خصوصیات کا بیان ملتا ہے انھیں بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ جس سے غلام الثقلین نقوی کے دل میں انسانوں کے لیے پیدا ہونے والا جوش و ولولہ بھی دکھائی دے گا جو عام انسان کو زندگی میں مسائل اٹھانے پڑتے ہیں انھیں ترتیب کے ساتھ ناولٹ میں شامل کرنے کی بھرپور کوشش ملتی ہے۔

شمیرا:

غلام الثقلین نقوی کے چونکہ تینوں ناولٹ میں ہی منظر نگاری کی گئی ہے اس لیے ناولٹ "شمیرا" کا بھی جائزہ لیا جائے تو ان کے اس ناولٹ میں بھی بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ منظر کشی کی گئی ہے جس میں دیہاتی حوالے سے بھی دیہی زندگی کی عکاسی نظر آتی ہے۔ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ہی غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں مختلف پہلوؤں کی تصویر کشی ایسی خوبصورتی کے ساتھ کی ہے جس میں تمام مناظر کی عکاسی بڑی واضح ہو جاتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے اپنے ناولٹ میں بڑی چابکدستی اور فنی مہارت کے ساتھ مختلف مسائل کو پیشِ نظر رکھا جس میں پنجاب کی عکاسی بھی ملتی ہے جہاں پر عوام کے لیے ان کے دل میں درد و الم کا جذبہ ابھرتا ہے ان کے دکھ اور سکھ میں برابر کے شریک دکھائی دیتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی نے اس فکر کی تصویر کشی کی ہے جس میں دیہات نگاری کی خوبصورت تصویر نظر آئی ہے اور جس میں پھر دیہی زندگی کے تمام مسائل و معاملات کو بھی کسی حد تک بیان کیا ہے جہاں پر جاگیر دارانہ نظام کا بھی عمل دخل دکھایا گیا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوش بیانی سے واقعات کو ناولٹ میں سمویا ہے جس کی تصویر قاری کو ناولٹ پڑھنے کے ساتھ ہی نظر آنا شروع ہو جاتی ہے اور وہ ان مناظر میں ڈوب جاتا ہے قدرتی ماحول کی عکاسی

کے ساتھ ساتھ رومانی پہلو کی بھی تصویر کشی کرتے ہیں۔ اس ناولٹ میں بھی غلام الثقلین نقوی کے ہاں رومانی حسن اور جذبات و کیفیات کو ادا کرنے کا خوبصورت منظر جھلکتا ہے جس کو پڑھنے کے ساتھ ہی انسان مصائب میں کھو جاتا ہے۔ تمام واقعات کی منظر کشی اس انداز سے ملتی ہے جس طرح وہ خود اس کہانی کے کردار ہیں اور سب کچھ انھی کے ساتھ بیت رہا ہے۔

"شمیرا" میں غلام الثقلین نقوی نے جس طرح ایک شریف مدرس کی کہانی کو بیان کیا ہے۔ جس طرح گاؤں میں سفر کر کے آنا اور پھر گاؤں سے روانہ ہونے کا ذکر کیا اس میں غلام الثقلین نقوی کی خوبصورت منظر نگاری کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

ناولٹ کے آغاز میں ہی غلام الثقلین نقوی نے جس خوبصورتی کے ساتھ پلیٹ فارم پر پہنچنے کا حال بیان کیا ہے کہ جب ماسٹر سٹیشن کے پلیٹ فارم پر پہنچتا ہے تو اس وقت کس طرح کے حالات و واقعات ماسٹر کے سامنے آتے ہیں کن مناظر کو دیکھ کر اسے فرحت محسوس ہوتی ہے۔ اور جس طرح وہ حیات پور جانے کا سفر شروع کرتا ہے اسے غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں یوں پیش نظر رکھا گیا:

> جب وہ قصبہ "ح" کے سٹیشن پر گاڑی سے اُترا تو مئی کی چلچلاتی دھوپ میں جلتے ہوئے پلیٹ فارم پر اسے خاصی چہل پہلو نظر آئی۔۔۔ پلیٹ فارم کے ہجوم اور ریل کے پسِ منظر میں ایک ہیولیٰ سا ابھرا اور چلچلاتی دھوپ میں تحلیل ہو گیا۔ ایک ہلکا سا نقش جو کسی تصویر سے اڑ کر پھر اسی میں سما گیا ہو۔۸۷

یہاں پر غلام الثقلین نقوی نے پلیٹ فارم پر ہجوم کا پیچ و خم دکھایا۔ دھوپ کی شدت میں ریل گاڑی میں سے ایک مسافر کا نقش بھی سامنے لایا۔ غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ہر طرح کے مناظر کی منظر کشی کی ہے جس میں انسان اسی منظر میں کھو جاتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں ماسٹر کا جس وقت وہ سفر کر کے آتا ہے تو ان مناظر میں جس طرح کے حالات سامنے آتے ہیں ان میں مئی کے مہینے کا ذکر اور پھر گرمی کی شدت سے پیدا ہونے والے تاثرات کو

جس باریکی سے بیان کیا ہے جس طرح کے لمحات کو بیان کیا ہے جذبات و کیفیات کی عکاسی کی ہے اس میں بالکل اسی موسم کے مطابق حالات و واقعات کو بیان کیا ہے اسی حوالے سے منظر کشی کی ہے جہاں پر تخیلاتی منظر نگاری بھی جھلکتی ہے۔ اور حقیقی جذبات کی عکاسی بھی ملتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے مناظر کی عکاسی صرف فطری حوالے سے نہیں کی بلکہ انھوں نے منظر کشی مختلف پہلوؤں سے سامنے لائی ہے زندگی کے عام واقعات اور مسائل اور چھوٹے چھوٹے مسائل کو بھی نظر انداز کرنے کی بجائے اپنی کہانیوں میں بیان کیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جزو سے حقائق کی تلاش کی ہے انھیں منظر نگاری کی حدود میں لا کھڑا کیا ہے۔ جس سے ناولٹ میں جابجا مختلف مناظر کی قیود دکھائی دیتی ہیں۔

غلام الثقلین نقوی نے جس نقطۂ نظر سے جن بھی مسائل کو پہلے دیکھا محسوس کیا انھیں اسی پر تو کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی۔ ڈاکٹر انور سدید غلام الثقلین نقوی کی منظر نگاری کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ وہ دیہات نگاری اور اس سے تمام مسائل سے آگاہ ہیں۔ مشاہدہ کرنے کی قوت بھی خوب جھلکتی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کے الفاظ میں:

> گرد و پیش کی منظر نگاری دیہات کی فطرت اور کسان کے داخلی مزاج سے ہم آہنگ ہے لیکن یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ غلام الثقلین نقوی مشاہدے کی قوت مناظر کو جذبہ و احساس کے زاویوں سے دیکھتے ہیں اور اس کی حقیقت پسندانہ عکاسی کرتے ہیں۔۷۹

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلام الثقلین نقوی کے ہاں جو مناظر کا بیان ملتا ہے اس میں دیہات لازمی جزو ہے جہاں پر دیہات میں ہرے بھرے کھیت اور کسان کا داخلی جذبہ اور کیفیت بڑی خوبصورتی کے ساتھ سامنے لائے ہیں۔ جہاں پر عام طبقے اور متوسط طبقے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے یہاں پر کچے مکانوں کا ذکر اور وہاں پر رہنے والوں کی رہائش کی تصویر کشی ملتی ہے۔ جہاں پر غلام الثقلین نقوی نے بڑی دلجوئی کے ساتھ مناظر کو بیان کیا۔ جس میں شگفتگی اور تازگی کا اظہار ملتا ہے۔

اس طرح مناظر کو ترتیب دیتے ہیں جس میں قاری کے دل و دماغ کی جذبات و کیفیات کو بھی سامنے رکھتے ہیں۔ جس سے قاری کے ہی دل سحر زدہ ہو جاتے ہیں اور کہانی پڑھ کر وہ اسی فضا میں کھو جاتا ہے۔

زندگی کے مسائل و معاملات جہاں پر زندگی اپنا تمام تر حسن بکھیرتی ہے اور جہاں زندگی کی بدصورتی سامنے آتی ہے۔ دونوں طرح کی کیفیات کو بیان کرنے کا سلیقہ نظر آتا ہے۔ معاشرے میں ہونے والی برائیوں کا بیان اور کھردری حقیقتوں کی منظر کشی ملتی ہے۔ جاگیر دارانہ نظام کی منظر کشی میں بڑی فنکاری کا ثبوت دیتے ہیں۔ جبر اور ظلم کی کیفیات کا بیان معاشرے کی جیتی جاگتی تصویریں بن کر ان کے ہاں رنگ بکھیرتی ہیں۔

غلام الثقلین نقوی اس خیال کو سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں جس میں انسانی فطرت کے مطابق جو جو جذبات ان کے دل میں اترتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی نے باریک بینی سے جس طرح واقعات کو بیان کرنے کا سلیقہ دکھایا ان کا اپنا فنی نقطۂ نظر ہے۔ ناولٹ میں تانگے میں سوار ہونے کے بعد جس طرح کے حالات سامنے آئے ان کی منظر کشی غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں یوں ملتی ہے:

> تانگے کو جھٹکا لگا۔ وہ اوندھے منہ سڑک پر گرتے گرتے بچا۔ متلی نے اسے بازو سے پکڑ کر تھام لیا۔۔۔ماسٹر اگر اوندے منہ سڑک پر گر جاتا تو کیا ہوتا! سڑک پر اتنی دھول تھی کہ ماسٹر کو گر کر چوٹ تو نہ لگتی البتہ وہ دھول کی قبر میں گڑ ضرور جاتا۔ دھول اڑ کر اس کے کپڑوں پر پڑ رہی تھی اور چہروں پر بھی۔ سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ اگر تانگے میں آرائشی آئینوں کے قرص لگے ہوتے تو اپنے چہرے بھی پہنچانے نہ جاتے۔ ۸۰

شمیر ا ناولٹ کے اوپر درج کیے گئے اقتباس سے بھی یہی منظر سامنے لایا گیا جب تانگے میں ماسٹر سفر کر رہا تھا اور راستے میں گرد اور دھول بہت زیادہ تھی۔ جس سے ان کے چہرے بھی مٹی مٹی ہو گئے تھے۔ یہاں پر

اب اسی حقیقت کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ غلام الثقلین نقوی نے بڑے مسائل کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ عام مسائل کی بھی تصویر کشی کی ہے۔ جس سے دیہی معاشرت کی تصویر خود بخود سامنے آجاتی ہے۔

اس اقتباس میں راستے میں پڑی ہوئی دھول کا سب سے پہلے ذکر کیا۔ جہاں پر ماسٹر نے دھول کی شدت کی وجہ سے جس طرح کا تصور سامنے لایا اپنے جذبات کا اظہار کیا انھیں کی بدولت ناولٹ میں عام منظر کشی سادگی سے ہوتی ہوئی دکھاتی دیتی ہے۔

چونکہ ناولٹ کا تصور دیہاتی نقشے پر مشتمل ہے اس لیے غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں دیہی معاشرت کی سادہ سی تصویر ہمارے سامنے پیش کی ہے۔ جس سے دیہاتی زندگی کے عکس جھلکتے ہیں۔ اس ناولٹ مین فطرت نگاری بھی ملتی ہے مگر غلام الثقلین نقوی نے زیادہ تر عام زندگی اور رہن سہن کے طور طریقوں کی منظر کشی کی ہے جس میں پھر تخیلاتی منظر نگاری بھی ملتی ہے۔

ناولٹ میں کچھ ایسے لوگوں کا بھی تصور سامنے لایا جو کہ مکانوں میں بڑی سادگی کے ساتھ رہنا پسند کرتے تھے۔ خانہ بدوشوں کی طرح ان کی رہائش ہوتی تھی۔ ان کو "جانگلی" کہا گیا۔ واقعات کو اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ جوڑتے ہیں جس طرح وہ اس دور کا ہی آئینہ بن جاتی ہے اس میں انھی لمحات کا ذکر کرنے کے لیے الفاظ کا ایسا چناؤ کرتے ہیں کہ تحریر پڑھ کر اسی کی مصوری ہوتی ہے اور مناظر آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

اس ناولٹ میں ہمیں تخیلی مناظر سموئے ہوئے ملتے ہیں، ارد گرد کی عکاسی ملتی ہے۔ اور قدرتی مناظر کو تخیل کی قیود میں رہتے ہوئے بیان کیا ہے۔ تخیل کی وارفتگی زیادہ سامنے لائی ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں جس طرح ثقافتی منظر کشی کی، تخیلاتی منظر کشی کی اس طرح فطرت نگاری کو بھی کسی حد تک بیان کیا۔ جس میں جذبات و احساسات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی کرداروں کی آنکھوں سے ہی تمام مسائل و معاملات کو دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ناولٹ میں اپنے کردار کے ذریعے اس کے جذبات و احساسات پر جس طرح اپنا حسن بکھیرتا ہے اُسے منظر کشی میں بیان کیا۔ جس

طرح رات میں تاروں کی چمک اور رات کا منظر پیش کیا اس میں کردار کا کھو کر رہ جانا اور یادِ ماضی میں چلا جانا ان لمحات کو دیکھ کر پرانی یادوں سے وابستگی کو دکھایا گیا۔ آسمان پر چمکنے والے ستارے اور رات میں روشنی بکھیرتے ہوئے نظارے کی غلام الثقلین نقوی نے اس انداز میں منظر کشی کی ہے:

> سکول کے صحن میں کہ جہاں تاروں کی چھاؤں تھی، اس کا پلنگ بچھا ہوا تھا اور رات کی تاریکی میں آہستہ آہستہ ٹھنڈک رچ رہی تھی اور آسمان پر بڑے بڑے شوخ تارے ٹوٹ ٹوٹ کر اس غبار میں تحلیل ہو رہے تھے۔ یہ منظر اس نے ایک عرصے کے بعد دیکھا اور اس میں کھو کر رہ گیا۔ حسن پور میں بجلی آ گئی۔ اگرچہ وہ گرمیوں کی رات کو چھت پر سوتا تھا، لیکن تارے صاف نظر نہیں آتے تھے۔ ۸۱

اس اقتباس میں جس طرح کی منظر نگاری کی گئی اس میں پیش منظر کے ساتھ ساتھ پسِ منظر کی بھی منظر نگاری جھلکتی ہے۔ جس میں یادِ ماضی میں کھو جانا انسان کا فطری لائحہ عمل ہے۔ بعض لمحات کو دیکھتے ساتھ ہی انسان یادِ ماضی میں کھو جاتا ہے اس چیز کو بھی دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ منظر کشی کرتے ہوئے غلام الثقلین نقوی کا قلم رکتا نہیں وہ مزید سے مزید بہتر بنانے کی تلاش میں خوبصورت اور سادہ الفاظ سے لمحات کو پروتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی نے جہاں منظر کشی میں فرد کی داخلی جذبات کی عکاسی کی ہے وہاں غلام الثقلین نقوی کے ہاں منظر کشی میں معمولِ زندگی میں جس طرح رہنے کے طور طریقے سامنے آتے ہیں انھیں بھی الفاظ سے تصویر کشی کر کے بیان کیا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوش بیانی کے ساتھ مختلف طرح کے حالات و واقعات کی عکاسی کی ہے۔ ناولٹ میں ایک مقام پر غلام الثقلین نقوی نے ڈیرے پر رہائش گاہ کی منظر کشی بڑی خوبصورتی کے ساتھ کی ہے۔ جہاں پر کمرے کا نقشہ وہاں پر سجا ہوا فرنیچر اور کمرے کی سجاوٹ الفاظ سے کی تاکہ قاری کے دل تک جو بات پہنچانا چاہتے ہیں وہ پہنچ جائے۔ ناولٹ میں محض پڑھ کر ہی واقعات تک پہنچ جائے۔ الفاظ کی ادائیگی سے ہی کہانی میں مختلف طرح کے مناظر کو پیش کیا جاتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ میں ایک ڈیرے میں جس طرح اس کے ڈرائنگ روم کا منظر پیش کیا اس کا منظر غلام الثقلین نقوی کے اپنے الفاظ میں یوں پیش کیا گیا ہے:

> سہ پہر کو جب لو کی شدت کم ہوئی تو وہ سردار شاہد کے ڈیرے پر پہنچے۔ خدمت گار نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا جہاں چھت کا پنکھا چل رہا تھا۔ کمرے میں قالین بچھا تھا، صوفے تھے اور دوسرا فرنیچر بھی نہایت اعلیٰ تھا۔ ایک پلنگ بھی ایک دیوار کے ساتھ بچھا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کمرہ کوئی وی آئی پی قسم کا مہمان آجائے تو اس کی رہائش کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہو گا۔ کمرے کے اندر، باہر کی نسبت کچھ ٹھنڈک تھی۔ ۸۲

اس اقتباس میں غلام الثقلین نقوی نے ڈیرے کا ذکر کیا اس سے گاؤں کا نقشہ ہی ذہن میں ابھرتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ گاؤں کی سادہ زندگی کے ساتھ سکول میں گرد و غبار کا پیش خیمہ دکھایا جس سے نہایت نازک حالات سکول کے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں پر سکول کو رہائش گاہ بھی بنایا گیا تھا، اس پر بڑی کڑی نگاہ دکھاتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی نے حقیقت نگاری کے زمرے میں رہتے ہوئے ہی سکول کی بھی تصویر کشی کی۔ جہاں پر درختوں کی چھاؤں اور دھول سے اٹے ہوئے ماحول کا منظر پیش کیا گیا۔ غلام الثقلین نقوی نے جس خوبصورتی کے ساتھ صبح کے منظر کو پیش کیا جہاں پر ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے اور صبح کے بعد دھوپ کا نکلنا دن کے آغاز کا پیغام دیتا ہے۔ اس کیفیت کو غلام الثقلین نقوی نے جس مشاہدے سے دیکھا اُسے ناولٹ میں اس طرح سامنے لایا منظر ملاحظہ ہو:

> کمرے سے باہر صحن میں ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی اور اس میں آہستہ آہستہ ٹھنڈک رچ رہی تھی اس نے تکیے پر سر رکھا تو نیند اور نیم بیداری کی سرحد میں اسے یوں

محسوس ہوا جیسے وہ جنت میں پہنچ کر واپس آ چکا ہو۔۔۔جب صبح اس کی آنکھ کھلی تو
ڈیرے کے کھلے صحن میں دھوپ چھا چکی تھی اور صبح اپنے تمام ترکیب کے ساتھ،
اس کے جسم وروح پر مسلط ہو چکی تھی کہ وہ صبح کی نماز بھی نہ پڑھ سکا۔۸۳

رات کو سونے کے بعد جس طرح کی کیفیت ان کے کردار کے ساتھ پیش آئی اُسے رنگین بیانی سے سامنے لایا۔ جس طرح صبح کی نئی روشنی نئی امید دل میں جگاتی ہے اور معمولِ زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرح رات کے پہر میں بھی انسان کے آرام کرنے کی خاصیت چھپی ہوئی ہے۔ انسان نیند کی آغوش میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے اسی طرح غلام الثقلین نقوی نے بھی نیند میں اپنے کردار کو سوتے ساتھ ہی جنت تک پہنچنے کی کشش کو دکھایا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے اپنے ناولٹ میں جس طرح صبح کی آمد کے بعد دھوپ کی حدت کا منظر دکھایا ہے وہاں پر ناولٹ میں کسی مقام پر دوپہر کے وقت بادلوں کے چھا جانے سے سہانے منظر کو بھی پیش نظر رکھا۔ اپنے قوتِ متخیلہ سے غلام الثقلین نقوی نے خوبصورت موسم کا منظر سامنے لایا۔ جس سے انسان کا دل ان رنگینیوں میں کھو جاتا ہے اور خوبصورت نظارے دیکھنے سے انسان کے اندر کا بھی موسم اچھا ہو جاتا ہے۔ داخلی اور خارجی کیفیات دونوں انسان کے خارج اور باطن کو مسرور کرتی ہیں اس لیے حسین نظارے قدرتی مناظر دیکھنے سے انسان ان میں ڈوب جاتا ہے اور یہ خوشی کے پل اس کے لیے رنگینی کا باعث بنتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ مہینے کے نام کے ساتھ اسی موسم کو منظر نگاری سے پیش کیا۔ خوبصورت موسم کا جو منظر دکھایا وہ ملاحظہ کیجئے:

اگست کے آخری ہفتے کی اس دوپہر کو بادل چھائے، بارش ہوئی اور پھر
ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔۸۴

اس ناولٹ "شمیرا" کا منظر نگاری کے حوالے سے جائزہ لینے سے پہلے جو مناظر سامنے آتے ہیں ان میں غلام الثقلین نقوی نے صبح کے مناظر اور پھر دن کی دھوپ سے روزانہ کے معمول کے آغاز کا نقشہ کھینچتے

ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جہاں پر گاؤں میں رہنے والے لوگوں کا ثقافتی حوالے سے منظر پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ قدرتی مناظر کا جلوہ دکھایا جو انسان کے لیے روح افزاء اور فرحت بخش ماحول کا پہلو سامنے لاتے ہیں۔

انسان کی داخلی اور خارجی کیفیات کا اتار چڑھاؤ دکھاتے ہیں۔ اور منظر کشی میں کرداروں کے جذبات کو ہی مدِ نظر رکھتے ہوئے ہی ماحول کی عکاسی کرتے ہیں۔ جس میں مناظر فطرت کی جھلکیاں دکھانے کے ساتھ ساتھ عام معمولاتِ زندگی کی بھی تصویر کشی کرتے ہیں۔

اس طرح کے الفاظ سامنے لاتے ہیں جس سے اس ماحول کی بھرپور منظر کشی نظر آسکے۔ تمام ماحول کے واقعات کا گہرا مطالعہ ومشاہدہ کرتے ہیں تاکہ رنگینی پیدا کرنے کے لیے بات کو اس انداز سے بیان کریں کہ اس میں حقیقت اور سچائی کا عکس جھلکنے لگے۔ زندگی میں پیش آنے والے مسائل و معاملات کی فنی حوالے سے منظر نگاری ملتی ہے جن میں سفارک حقیقتیں بھی چھپی ہوئی ہیں اور کئی سمت دکھائی دیتی ہیں۔ ہر سمت پورے ماحول کی تاب ناکی کے ساتھ اپنے اثرات چھوڑتی ہے۔ جسے غلام الثقلین نقوی نے منظر نگاری کے روپ میں بیان کیا ہے اور قاری ان نظاروں میں ڈوب جاتا ہے۔ یہی رنگینیاں قاری کے دل و دماغ میں الجھنوں کے باوجود روشنی فراہم کرتی ہیں۔

قاری اپنی زندگی میں درد والم اور الجھنوں اور پریشانیوں کا شکار ہونے کے باوجود کہانی کے سحر میں کھو جاتا ہے اور جن مناظر کی تصویر کشی غلام الثقلین نقوی کرتے ہیں قاری بھی انھیں اپنے دل میں سمولیتا ہے۔

شیر زمان:

غلام الثقلین نقوی کا تیسرا ناولٹ "شیر زمان" ایک خوبصورت موضوع "کشمیر" پر تحریر کیا گیا۔ جس میں جدوجہد کشمیر کے حوالے سے غلام الثقلین نقوی نے کشمیر کے حوالے سے جنگ و جدل اور سیز فائر کے حوالے سے بات کی ہے۔ ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے جدوجہد کشمیر کے لیے بڑی دلچسپی کے ساتھ واقعات کو ترتیب دیا ہے جس سے غلام الثقلین نقوی کی کشمیر سے لگن کا پتہ چلتا ہے کہ غلام الثقلین نقوی نے کتنی دلچسپی کے ساتھ اس ناولٹ میں کشمیر کے حالات و واقعات کو بیان کیا ہے۔ جس میں غلام الثقلین نقوی

نے خوبصورت مناظر کی تصویر کشی کی ہے۔ مختلف مقامات کا ذکر ملتا ہے۔ جن میں قدرتی مناظر کی منظر نگاری کے ساتھ ساتھ معمول زندگی کے بھی حالات وواقعات کی منظر کشی ملتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے مختلف مقامات کی منظر کشی کرتے ہوئے مناظرِ فطرت کے رنگارنگ جلوے دکھائے ہیں۔ خوبصورت، پہاڑ، درخت اور ارد گرد کے ماحول کی عکاسی بڑی رنگینی کے ساتھ کی ہے۔ جس سے ناولٹ میں منظر کشی سے حسن اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی اپنے ارد گرد کے حالات و واقعات اور گاؤں کے حوالے سے مناظر فطرت کی تصویر کشی زیادہ طور پر کرتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی کی کشمیر سے وابستگی اس بناء پر تھی کہ غلام الثقلین نقوی زیادہ تر کشمیر سے ہی وابستہ رہے وہاں پر رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے ناولٹ میں بھی کشمیر کو موضوع بنا کر اپنی فکری اور دلی خواہش کو پورا کیا۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ "شیر زمان" کا منظر نگاری کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تو ناولٹ میں جن مناظر کی منظر کشی کرنے کی کاوش دکھائی دیتی ہے ان میں جنگ وجدل کی تیاری کے حوالے سے حالات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح ناولٹ میں جس طور کی منظر نگاری ملتی ہے اسے جنگی اور رزمیہ حوالے کی منظر کشی میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ جس میں جنگ کے حالات وواقعات کا نقشہ قاری کے سامنے لایا گیا ہے۔

پروفیسر غلام جیلانی اصغر غلام الثقلین نقوی کے مطالعہ ومشاہدے کے حوالے سے بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> معمولی جزئیات جو قاری کے روزمرہ مشاہدہ اور حسی تجربہ کا ایک حصہ ہیں، کہانی کی بنت میں آکر ایک غیر معمولی واقع بن جاتی ہیں۔ ۸۵

غلام الثقلین نقوی نے غیر معمولی واقعات کو بھی کہانی میں بیان کیا ہے ان کی منظر نگاری بھی اس طرح کرتے ہیں کہ وہ بھی ایک واقعہ کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ شیر زمان ناولٹ میں جس حوالے سے منظر کشی کے مختلف واقعات کو بیان کیا گیا ہے ان میں جس طرح کی خوبصورتی بیان ہوئی ہے اور جن مقامات کو

سامنے لایا گیا ہے ان میں پہاڑی علاقے کی دلکشی اور تازگی اور قدرتی اور فطرتی مناظر سے حسن دکھایا گیا ہے۔ جس طرح سنبل گاہ میں پہاڑ کی چوٹی کی گرم و سرد لہر کے اتار چڑھاؤ کی جس نازگی کے ساتھ منظر کشی ناولٹ میں کی گئی ہے اسے غلام الثقلین نقوی کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے:

> اگرچہ سہ پہر کی دھوپ میں نرمی تھی اور حدت نہیں تھی، تاہم مسلسل چڑھائی سے اس کے مسام کھل گئے اور ماتھے پر نمی کا احساس ہوا۔ پھر جھاڑیاں ختم ہوئیں اور چیڑھ شروع ہوگئی۔ ان کے سائے میں خنکی تھی اور ہوا کی سرسراہٹ کا دھیمہ سا نغمہ تھا۔ پہاڑ کی چوٹی سے تھوڑا سا ادھر ایک ہموار قطعہء زمین پر چڑھ کر خشک جھانجھروں کا فرش بچھا ہوا تھا اور ان کے نیچے سے بہار کے موسم کا سبزہ بھی سر نکال رہا تھا، فضا میں چیڑھ کے جگن کی ہلکی سی تیکھی سی بو بھی رچی ہوئی تھی جو ناخوشگوار نہیں تھی۔۸۶

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ شیر زمان کے اس اقتباس کو سامنے رکھتے ہوئے یہی مناظر ذہن میں آتے ہیں کہ انھوں نے کتنی خوبصورتی کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر سرسبز وادی کا ذکر کیا۔ موسم بہار کا نغمہ سناتی ہوئے فضا کا دلفریب نظارے کے طور پر پیش کیا۔

یہاں پر قدرتی مناظر کی منظر کشی دیکھنے کو ملتی ہے جس کا تعلق انسان کے داخلی اور خارجی جذبات سے ہوتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے فرد کے اندر پیدا ہونے والے جذبات و کیفیات کے حوالے سے منظر کشی سامنے لائی جہاں پر قاری کی زیادہ تر توجہ مرکوز نظر آئے۔ اسی کے جذبات و خیالات کو سامنے رکھتے ہوئے منظر کشی کو یا تو فطری حوالے سے پیش کیا یا پھر معاشرے میں پیدا ہوتے مسائل و معاملات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے شامل کیا۔

کشمیر کے موضوع پر اور کشمیر کے لیے جنگ کی تیاری کا ذکر کرنے سے پہلے ناولٹ کے آغاز میں غلام الثقلین نقوی نے اٹلی اور جرمن کی جنگ کے حالات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور اٹلی، لیبیا اور جرمن کے بھی خوبصورت مقامات کی سیر کرائی۔ دوسرے ملکوں کی بھی منظر کشی ملتی ہے۔

لیبیا کے حوالے سے وہاں پر جنگ کے مناظر کو ان تخیلاتی مناظر سے پیش کیا اور الفاظ کو اور واقعات کو ذو معنوی انداز میں بیان کر دیا تا کہ اصل بات کا علم نہ ہو سکے۔ لیبیا میں بہت گرمی دکھائی گئی اور لیبیا کی منظر نگاری میں جس طرح شام کا منظر دکھایا جس میں غم کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اسے غلام الثقلین نقوی نے اپنے ناولٹ میں یوں درج کیا ہے:

> لبیا کے جلتے تپتے ریگستان کی شام، لہو کے کھولتے ہوئے سمندر میں ڈوبی ہوئی تھی۔۔۔ ہوا رُک رُک کر چلنے لگی اور آہستہ آہستہ اس میں خنکی رچنے لگی۔ ہر ہر رکا رکا سانس ٹھنڈا پایا بن گیا اور تن بدن سے تھکن کی طرح اڑنے لگی اور گہری نیند تھکے ہوئے خوفزدہ اعصاب کو سکون عطا کرنے لگی۔۸۷

غلام الثقلین نقوی فطری حسن سے زیادہ لگاؤ رکھتے ہیں اور وہ اپنے تخیلاتی بصیرت سے کائنات کی ہر چیز اور ہر جزو کو اس انداز سے اپنے فن میں سمیٹتے ہیں اور خوبصورتی کا پیکر بنا کر حسن کے ساتھ مزین کرتے ہیں کہ وہ زندگی میں کسی بھی رُخ کے حوالے سے منظر کشی کرنے کی سعی کر رہے ہوتے ہیں تو اس میں ان کے تخیل کی بلند پروازی تمام مناظر کی منظر کشی رومانی حسن کے ساتھ رنگ دینے میں مدد کرتی ہے اور غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ مختلف مقامات کے دلفریب نظارے اپنے تخیل کی رنگ آمیزی سے واہ کیے ہیں۔ یہاں پر اب ناولٹ میں حسن کے ساتھ صبح کے ستارے کا ذکر کیا اور پھر سورج کا نکلنا، اس منظر کو جس خوبصورتی کے ساتھ سامنے لایا گیا اس کی منظر کشی ملاحظہ ہو:

> کیپٹن براؤن نے یکایک بیدار ہو کر تاروں بھرے آسمان کی طرف دیکھا، جہاں صبح کا تارا نمودار ہو چکا تھا۔ اس نے کندھے سے ہلا کر حوالدار شیر زمان کو جگایا۔ وہ جاگتے

ہی اٹن شن ہو گیا۔۔۔ سورج نکلا اور صحرا کی ریت چمکنے لگی اور فضا گرم ہونے لگی۔
بوتلوں کا پانی گھونٹ گھونٹ ختم ہو گیا۔ حلق میں کانٹے پڑنے لگے اور ریت میں
سراب نظر آنے لگے۔ سپاہیوں کے قدم لڑکھڑانے لگے۔۸۸

اس اقتباس میں جہاں پر تخیل کی کافرمائی سے فطرت کی رنگارنگی دکھائی گئی ہے وہاں پر جنگ کے لیے تیاری اور سفر کے لیے تیاری کا جذبہ بھی دکھایا گیا ہے اور سپاہیوں کا گرمی سے حلق خشک اور پھر خوف سے لڑکھڑاتے قدم، منزل کو پالینے کا جذبہ سامنے لاتے ہیں۔ ان کی کہانیوں میں جذبہ اور امید کی لہر دوڑتی ہے۔ خوبصورت مناظر کا ذکر ایک روشن ستارے کی طرح نئی آرزوؤں کے جگنے کا پیغام سناتے ہیں۔ صبح کا ستارہ جس طرح نئی امید اور پیغام لے کر آتا ہے اس طرح دِن کی روشنی بھی کام میں محنت اور لگن پیدا کرنے کا جذبہ سونپتی ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے زیادہ تر منظر نگاری میں صبح کی خوبصورتی، سورج کی چمک، پہاڑوں کے دامن میں بسی وادی، درخت پھل دار اس طرح کے خوبصورت اور دلفریب نظارے سامنے لانے کی تگ و دو کی ہے۔ اس طرح کے مناظر فطرت کو بیان کرنے سے قاری کے دل و دماغ پر ایک سحر طاری ہو جاتا ہے۔ وہ قاری کے تخیل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کے ہی شوق اور جذبے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مشاہدہ کرتے ہیں اور اُن مشاہدات کو مناظرِ فطرت کے پورے حسن کے طور سے ہی کہانی میں بیان کر ڈالتے ہیں اور یہ بیان کرنے کا سلیقہ جس ہنر مندی سے اپنایا جاتا ہے اس میں ایسی سادگی، دلکشی اپنائی جاتی ہے کہ قاری اس کیفیت کے تاثر کو اپنائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان تمام مناظر کی راعنائیاں اس کے دل کی دھڑکنوں کو جگا دیتی ہیں وہ ان تمام مناظر کی دلکشی میں کھو جاتا ہے اور کہانی پڑھ کر ان کیفیات میں کھو جاتا ہے جن کو کہانی میں دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ قاری محض پھر قاری کی حد تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ قاری سے بڑھ کر ناظر بن جاتا ہے جو محض کہانی پڑھ کر اس کی گرفت کی وجہ سے منظر کو دیکھ بھی لیتا ہے۔ یہی وہ کمال فن ہے منظر نگاری کا جس سے ایسی مصوری ملتی ہے جہاں صرف پڑھ کر ہی تمام مناظر کو ایک قلم کی صورت میں سامنے آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی نے جس طرح مختلف طرح کی مصوری کر کے کہانی میں حسن کو قائم کرنے کی کوشش کی یہی فطری حسن اور ارد گرد کے ماحول کی عکاسی کہانی کے حسن کو آگے بڑھانے کے لیے مدد فراہم

کرتی ہے۔ زندگی کے حسین تصورات اور ٹھوس مشاہدات و تجربات کی رنگارنگی سے مشاہدات کو سامنے لانا اور پھر منظر کشی کے ذریعے انھیں پورے طور سے بیان کرنا بھی کہانی کے فطری حسن اور کہانی کو مزید لطافت اور رنگینی فراہم کرنے کے لیے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جن کے بغیر کہانی میں دلچسپی اور گہرائی ناممکن ہو جاتی ہے۔ زندگی کی حسین تصویر وہ شاعرانہ لطافت کے زمرے میں رہتے ہوئے کرتے چلے جاتے ہیں۔ واقعات کی منظر کشی میں ترتیب و ترکیب بھی بڑی رونق بخشنے کے ساتھ کرتے چلے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر اے بی اشرف نے ان کے حسین تصورات کے بیان کرنے میں اور زندگی کی گہری لطافتوں کو بیان کرنے کے حوالے سے انھیں شاعرانہ فکر رکھنے کا درجہ عطا کیا ہے۔ اور انھیں ایک مصور کا درجہ عطا کیا ہے جس سے وہ ایسے خاکے سامنے لاتے ہیں جن سے زندگی اپنے پورے طور سے کہانی میں اپنے جلوے دکھاتی ہے۔

ڈاکٹر اے بی اشرف غلام الثقلین نقوی کی اس فکر کے حوالے سے اپنی رائے یوں پیش کرتے ہیں:

> غلام الثقلین نقوی۔۔۔ حسن کی تصویر کشی ایک شاعر کی طرح کرتے ہیں اور ایک مصور کی طرح اپنے بوئے قلم سے حسن کے خاکے میں ایسا رنگ بھرتے ہیں جو نہ صرف حسن کو جاذبِ نظر بنا دیتا ہے۔۸۹

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں فطرت کی تمام راعنائیاں اور رنگینیاں ایک ایسے انداز میں سامنے لائی گئی ہیں جن سے شاعرانہ لطافت اور شگفتگی کا نغمہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ جس سے حسن کی وارفتگی اپنے قول و فعل سے اپنے دامن میں چھپی رنگینیاں بکھیرتی ہیں۔ فطرت کے چھپے ہوئے راض اور رنگینیاں ایک ایسے احساس کے ساتھ شوخ انداز سے کہانی میں سامنے آئے ہیں جن سے انسانی زندگی میں غم و الم اور خوشی کے جذبات کے گزر کے ساتھ کائنات کی رنگینیاں بھی اپنے گہرے نقوش چھوڑتی ہیں جن سے زندگی کے اتار چڑھاؤ کے باوجود انسان کی زندگی ان رنگینیوں سے لطف اندوز ہو جاتی ہے۔ ناولٹ میں بڑی چابکدستی کے

ساتھ ایک خوبصورت منظر کی مصوری کچھ اس طریقے سے کی ہے کہ اس میں فطرتی حسن اپنے جلوے خوب دکھارہاہے۔ غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں خوبصورت نظارے کو یوں جلوہ گر کیا گیاہے:

> یہ ایک چھوٹا سا نخلستان تھا۔۔۔ کھجوروں کا ایک ننھا سا جھنڈ۔ ایک کھجور کی جڑ سے شفاف پانی کی ایک پتلی سی دھار پھوٹ رہی تھی اور یہاں ایک ننھا سا چشمہ بن گیا تھا۔ اس چشمہ آبِ حیات سے سپاہیوں نے سیر ہو کر پانی پیا، بوتلیں بھریں اور ریت پر دراز ہوگئے۔ شیر زمان نے بھی کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگائی۔ اس کے سر پر کھجور کا سایہ تھا اور اس میں ٹھنڈک رچی ہوئی تھی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے سر پر چیڑھ کا سایہ تھا اور قدموں تلے جھانجھریں تھیں۔ جن سے سر سبز گھاس سر نکال رہی تھی۔ ۹۰

زیادہ تر قارئین کی نگاہ فطرت پرستی سے ہی چمک اُٹھتی ہے۔ قدرتی مناظر اور رنگ و بو سے دل میں بے کیف دل گیری پیدا ہوتی ہے۔ جس سے تمام مسائل و معاملات کے باوجود کہانی کو پڑھنے سے الجھنوں سے چھٹکارا بھی مل سکتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی زیادہ تر ہر طبقے کے لوگوں کا خیال ذہن میں رکھتے ہیں اور یہ احساسِ برتری انھیں ہر کسی کو ایک دوسرے کے لیے یکجاں محبت کا جذبہ عطا کرتا ہے۔ اسی لیے وہ ہر کسی کو خیال و جذبات سے پُر سکوں اور محبت کے جذبات فراہم کر کے ان کے دکھ کو حل کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ان دنیاوی دکھوں کے ساتھ چپکے رہنے کے باوجود کہانی پڑھنے سے کچھ دیر کے لیے اس تخیلاتی دنیا میں کھو جاتا ہے اور کچھ دیر کے لیے خواب، خیال حیرت اور خوشی کے لمحات میں خود کو محسوس کرنے لگ جاتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے کہانیوں میں خیالات و تصورات سے ایسی پرتیں کھولیں ہیں جن سے خوشی کی لہر دوڑ جائے۔ کشمیر کے حوالے سے غم و درد پھیلانے کی بجائے ہمت اور حوصلے کے جذبات اور واقعات فراہم

کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک اور خوبصورت منظر کا بیان ناولٹ میں اٹلی کے حوالے سے غلام الثقلین نقوی نے قدرتی مناظر کے حسن میں یوں سامنے لایا ہے لکھتے ہیں:

> اٹلی کا پہاڑی علاقہ بہت خوبصورت ہے۔ سرسبز وادیاں، باغات ندی نالے، چشمے اور درختوں سے ڈھکے ہوئے پہاڑ۔ ڈھلوانوں پر جنگلی انگور کی بیلیں ایک دوسرے سے لپٹی ہوئیں۔ ۹۱

چونکہ ناولٹ کے آغاز میں اٹلی کے حوالے سے جنگ کا ذکر ملتا ہے اسی لیے ناولٹ میں کشمیر کے بھی حالات کو بیان کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اٹلی کے بھی حالات وواقعات اور خوبصورت وادیوں کو نکھارا گیا ہے جس سے ناولٹ میں منظر کشی میں اٹلی کی خوبصورتی سے بھی دلکشی قائم کی گئی ہے۔ انھوں نے چونکہ جنگ کا منظر سامنے لایا۔ کشمیر کے لیے جدوجہد اور لگن کا جذبہ دکھانے کے لیے کار فرمائی کی اس لیے اس میں جن مناظر کو کہانی میں بیان کرنے کا سلیقہ دکھائی دیتا ہے ان میں کشمیر کے حوالے سے ہی کی جانے والی جنگ کی تیاری کے منظر نامے ملتے ہیں۔ جس میں پہاڑی راستے پر چلنے کا ذکر ملتا ہے۔ گولیوں کے چلنے سے جس طرح کے مناظر سامنے آتے ہیں۔ انھیں ناولٹ میں یوں کار فرمائی سے بیان کیا گیا ہے:

> اینا کی راہنمائی میں جب وہ پہاڑی سڑک پر پہنچے تو شام پڑ گئی۔ سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔۔۔ شام کے اندھیرے میں وہ اینا کی آنکھوں میں تشکر آمیز آنسوؤں کو نہ دیکھ سکا۔۔۔ بس ایک پہاڑی موڑ پر نظروں سے اوجھل ہوئی تو اسے اپنے وجود کا احساس ہوا۔۔۔ ہوا کے ایک جھونکے نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔۔۔ اس نے پایاب نالہ عبور کیا۔ ایک پتھر سے دوسرے پتھر پر پاؤں رکھتے ہوئے جب دوسرے کنارے پر پہنچا تو اسے گولی چلنے کی آواز آئی وہ کسی پتھر کی اوٹ میں پناہ بھی نہ لے سکتا تھا کہ دوسری گولی، سنسناتی ہوئی اُس کے سر سے گزر گئی۔ وہ فوراً زمین پر لیٹ گیا۔ ۹۲

گولیوں کی سنسناہٹ اور پھر ان کی آوازوں سے جس طرح کا خوف و حراس والا منظر سامنے آتا ہے۔ ناولٹ میں بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ تکمیل کے مراحل تک پہنچایا گیا ہے۔ اوپر درج کیے گئے اقتباس میں کسی حد تک جنگ کے مناظر کا ہی نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جس میں ایک لڑکی کے لیے درد کا احساس بھی ملتا ہے۔ جہاں پر اِن مناظر کو بیان کرنے کا درجہ اختیار کیا گیا ہے۔ وہاں پر خوش اسلوبی کے ساتھ شیر زمان کے مکان کی تعمیر کا نقشہ کھینچا ہے۔ جس طرح کہانی میں اس کے مکان کی تعمیر کا پیغام سامنے آیا ہے۔ اس میں ایک جذبہ اور جنون دکھائی دیتا ہے۔ مکان کی تعمیر کا ذکر اس لیے ملتا ہے چونکہ شیر زمان کا پہلے انگریزی فوج میں حصہ لینا جس کی وجہ سے اپنا گھر بار چھوڑ کر وہاں چلے جانا اس کی واپسی پر مکان کی خستہ حالی دیکھ کر اس کے دل میں مکان کی تعمیر کرنے کا جنون پیدا ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ کہانی میں حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ معمولات زندگی کے لمحات کو بھی بیان کرنے کا پیش خیمہ ملتا ہے۔ جس طرح پہاڑی سفر میں جیپ کے گزرنے کا ذکر خوبصورتی سے بیان کیا اور اس کے ساتھ ساتھ پہاڑ پر برف اور پھر وادی میں ہرے بھرے کھیت کی منظر کشی جس انداز میں کی گئی اسے ملاحظہ کیجئے:

> جیپ کئی تنگ دروں میں سے گزری۔ ایک طرف گہرا کھڈ، دوسری طرف پہاڑ کی عمودی دیوار۔۔۔ جب وہ پہاڑ سے اترے تو انہیں وہ چھوٹی سی وادی بہت خوبصورت لگی جہاں دسمبر کی دھوپ نے ایک نہایت پر سکون منظر تخلیق کیا ہوا تھا اور اس سے کچھ دور پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کو آگ لگ رہی تھی۔۔۔ پہاڑ کے دامن میں ایک نالا بہہ رہا تھا۔ ایک پتھر سے دوسرے پتھر پر کودتے ہوئے انہوں نے نالے کو عبور کیا۔ پرلے کنارے پر پہنچ کر صوبیدار نے پانی کی ایک لپ بھری۔ پانی یخ برفیلا تھا۔۔۔ اس کی چوٹی پر ابھی دھوپ نظر آرہی تھی لیکن ڈھلانوں پر اور کھڈوں میں شام کا سایہ گہرا ہو چکا تھا۔ چوٹی پر کوئی درخت نہیں تھا۔ سپاٹ چوٹی کے چاروں طرف سیاہ چٹانوں کے چھجے سے بنے ہوئے تھے۔ چوٹی کی دھوپ یکدم بجھی تو سیاہ چٹانوں سے خوف، دہشت اور ہیبت کی ایک تند لہر تھی۔ ۹۳

الغرض اس ناولٹ میں اتنی گہری سوچ اور فکر کے ساتھ تو کائنات کے نظاروں کی منظر کشی نہیں ملتی بلکہ عام حالات و واقعات کو بھی ان کے ساتھ جوڑ کر منظر نگاری کا وصف سامنے لایا گیا ہے۔ قاری کے دل و جذبات میں الجھاؤ کی بجائے رنگینیاں بھرنے کے لیے عام زندگی کی بھی منظر کشی کرنے کی کوشش ملتی ہے۔ جس سے ناولٹ میں حسنِ بیان کے ساتھ پُر کیف نظاروں کی منظر نگاری کی گئی ہے جہاں پر کشمیر سے والہانہ جذبات اور لگاؤ سے نازکی کے ساتھ مناظرِ جنگ کو بھی قید کیا گیا ہے۔ تینوں ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے منظر کشی کرنے کے لیے جو اصول اپنایا ہے اس میں محبت کے حوالے سے بھی مناظر فطرت کی منظر کشی ملتی ہے جس میں رومانی حسن سے جذبات و خیالات کے اظہار سے خوبصورت مناظر کی مصوری ملتی ہے اس کے عام روزمرہ کے واقعات سے بھی مناظر کو چنا گیا ہے اور اِن کی تصویر سامنے لائی گئی ہے اور دیہی معاشرت کے حوالے سے وہاں کے خاص و عام حالات اور خاص و عام طبقے کا ذکر کر کے ان کی ثقافتی حوالے سے منظر کشی ملتی ہے۔

جس طرح ان کے افسانوں میں پنجاب کے دیہات کی مصوری ملتی ہے۔ وہاں پر ثقافت کے رنگ جس طرح سامنے آتے ہیں ان کا عمیق نگاہی سے مشاہدہ و مطالعہ کیا گیا ہے اور انھیں کہانی میں پورے طور سے شامل و لازم کیا گیا ہے۔ اسی طرح گاؤں کی خوبصورت رنگینی ان کے ناول میں بھی بڑی خوشی بیانی کے ساتھ سامنے لائی گئی ہے۔

تحریر میں ہی ہمیں دیہاتی، رومانی اور فطرتی حوالے سے منظر کشی ملتی ہے جس سے غلام الثقلین نقوی کے جذبات و خیالات اور ذہنی گرہوں کا پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں کس طرح کی دلکشی اور کس طرح کی فکر پائی گئی ہے جس سے انھوں نے ان تمام موضوعات کو شاملِ بحث لا کر انھی کے حوالے سے منظر کشی کی۔

حوالہ جات

۱۔ ابوالکلام قاسمی، ناول کا فن، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۲ء، ص۶۹

۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص۱۳۵

۳۔ غلام الثقلین قنوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، ۱۹۹۹ء، ص۱۹۷

۴۔ نجم الہدٰی، ڈاکٹر، کردار اور کردار نگاری، مظفر پور، ۱۹۸۰ء، ص۵

۵۔ اشفاق احمد خان، ناول کے اوصاف، علم و عرفان پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۶۷

۶۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص۱۳۱

۷۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ، (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص۱۵

۸۔ ایضاً، ص۱۷

۹۔ ایضاً، ص۱۹

۱۰۔ سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی کی افسانہ نگاری پر ایک نظر، مشمولہ، "چہار سو"، ص۲۳

۱۱۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ، (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص۱۶

۱۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص۱۳۵

۱۳۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ، (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص۹۵

۱۴۔ ایضاً، ص۸۲

۱۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص۱۴۳

۱۶۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ، (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص۱۳۹۔۱۳۸

۱۷۔ محمد خان کلیم، ماہنامہ محفل، دسمبر ۱۹۹۵ء، ص ۳۰

۱۸۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ، (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۱۶۸

۱۹۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۴۔۱۵۳

۲۰۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ، (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۱۹۹

۲۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی کے افسانے، مشمولہ "روشنائی" ص ۲۴۹

۲۲۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ، (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۲۰۵

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۱۲

۲۴۔ ایضاً، ص ۲۰۹

۲۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان ۲۰۱۰ء، ص ۹۰

۲۶۔ فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو افسانہ میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۱۸

۲۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی، شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۱۳۹

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۵۰

۲۹۔ محمد ناظم علی، ڈاکٹر، www.jahan-e-urdu.com/style of writings

۳۰۔ اسلوب کیا ہے۔ http.//www.urduweb.org/.../

۳۱۔ رحمان مذنب، "ادب کا سادھو"، مشمولہ "چہار سو"، ماہنامہ راولپنڈی، جلد ۵، شمارہ ۴۷۔۴۶، ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۶ء، ص ۱۹

۳۲۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ، (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲

۳۳۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، "غلام الثقلین نقوی کے افسانے"، مشمولہ "روشنائی"، ص ۲۵۰

۳۴۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ، (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۲۶

۳۵۔ ایضاً، ص ۲۲

۳۶۔ ایضاً، ص ۲۵

۳۷۔ ایضاً، ص ۳۰

۳۸۔ ایضاً، ص ۳۳

۳۹۔ ایضاً، ص ۵۱

۴۰۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان ۲۰۱۰ء، ص ۱۳۳

۴۱۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ، (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۶۱

۴۲۔ ایضاً، ص ۸۴

۴۳۔ ایضاً، ص ۸۱

۴۴۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۴۵۔ ایضاً، ص ۷۸

۴۶۔ ایضاً، ص ۱۴۷

۴۷۔ غلام الثقلین نقوی، اِک طرف تماشا ہے، مکتبہ فکر و خیال لاہور، ۱۹۸۵ء، ص فلیپ

۴۸۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ، (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۹۱

۴۹۔ ایضاً، ص۱۰۷

۵۰۔ ایضاً، ص۹۳

۵۱۔ ایضاً، ص۹۲

۵۲۔ ایضاً، ص۱۰۸

۵۳۔ ایضاً، ص۱۰۹

۵۴۔ ایضاً، ص۱۱۱

۵۵۔ ایضاً، ص۱۰۶

۵۶۔ غلام الثقلین نقوی، ایک قلم کار، مشمولہ "اوراق"، ص۲۶۹

۵۷۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ، (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص۱۲۵

۵۸۔ ایضاً، ص۱۰۲

۵۹۔ ایضاً، ص۱۰۷

۶۰۔ ایضاً، ص۱۸۶

۶۱۔ ایضاً، ص۱۶۸

۶۲۔ ایضاً، ص۱۹۷

۶۳۔ ایضاً، ص۲۰۳

۶۴۔ ایضاً، ص۱۸۰

۶۵۔ ایضاً، ص۱۹۰

۶۶۔ ایضاً، ص۱۷۶

۶۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص۸۷

۶۸۔ الحاج فروزالدین،مولوی، فیروز اللغات (اردو)، فیروز سنز لمیٹڈ کراچی، تیسرا ایڈیشن، ۱۹۸۳ء،ص۱۲۹۵

۶۹۔ قمر رئیس،ڈاکٹر،پریم چند کا تنقیدی مطالعہ، بحیثیت ناول نگار،ایجوکیشنل پبلشنگ دہلی، ۲۰۰۲ء، ص۳۸۰

۷۰۔ ابواللیث صدیقی،ڈاکٹر،ناول فنی نقطہ نظر سے، مضمون(مشمولہ)اردو نثر کا ارتقا،مرتب،فرمان فتح پوری،ایجوکیشنل پبلشنگ دہلی،۱۹۹۴ء،ص۸۸

۷۱۔ غلام الثقلین نقوی ، تین ناولٹ، (چاند پوری کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن،۲۰۰۴ء،ص۱۲

۷۲۔ ایضاً،ص۲۰

۷۳۔ ایضاً،ص۲۴

۷۴۔ ایضاً،ص۳۵

۷۵۔ محمد عالم خان،ڈاکٹر،اردو افسانے میں رومانی رجحانات، علم و عرفان پبلشرز،س ن،ص۴۶۵

۷۶۔ غلام الثقلین نقوی ، تین ناولٹ، (چاند پوری کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن،۲۰۰۴ء،ص۴۲

۷۷۔ ایضاً،ص۴۶

۷۸ ایضاً،ص۷۶

۷۹۔ انور سدید،ڈاکٹر،غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن،اکادمی ادبیات پاکستان ۲۰۱۰ء،ص۱۱۷

۸۰۔ غلام الثقلین نقوی ، تین ناولٹ، (چاند پوری کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن،۲۰۰۴ء،ص۸۲

۸۱۔ ایضاً،ص۹۲

۸۲۔ ایضاً،ص۱۰۹

۸۳۔ ایضاً،ص۱۳۶

۸۴۔ ایضاً، ص۱۵۳

۸۵۔ گلزار جاوید، ماہنامہ "چہار سو"، راولپنڈی، ستمبر۔اکتوبر۱۹۹۶ء، ص۵۶

۸۶۔ غلام الثقلین نقوی ، تین ناولٹ، (چاند پوری کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص۱۷۳

۸۷۔ ایضاً، ص۱۷۳

۸۸۔ ایضاً، ص۱۷۳

۸۹۔ اے۔بی اشرف، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی کی افسانہ نگاری، مشمولہ "روشنائی"، ص۲۵۸

۹۰۔ غلام الثقلین نقوی ، تین ناولٹ، (چاند پوری کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص۱۷۴۔۱۷۳

۹۱۔ ایضاً، ص۱۷۸

۹۲۔ ایضاً، ص۱۸۸

۹۳۔ ایضاً، ص۲۰۶

باب: چہارم

"ناولٹ نگاری میں غلام الثقلین نقوی کے مقام کا تعین"

الف) غلام الثقلین نقوی کے معاصرین ناولٹ نگار:

غلام الثقلین نقوی کے معاصرین ناولٹ نگاروں میں تقسیم کے بعد کے افسانہ نگار شامل ہیں۔ جنھوں نے اپنے تخلیقی شعور کے مطابق جس صنف کو چاہا اس میں طبع آزمائی کی بعض نے افسانہ نگاری، سفر نامہ نگاری کی۔ ان تمام ناولٹ نگاروں کے ہاں مختلف اسالیب کو اپنایا اور اپنا منفرد مقام حاصل کیا۔

یہ دور تقسیم کا دور جس میں مختلف حالات کا سامنا رہا۔ اس میں سماجی مسائل، معاشی مسائل، ہجرت کے مسائل کو بیان کیا گیا۔ ہجرت کا دکھ لوگوں کے دلوں میں سمایا ہوا تھا۔ اسے بیان کیا گیا۔ اسی طرح غلام الثقلین نقوی کو ترقی پسند تحریک سے تعلق رکھنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لیے ان کے ہاں حقیقت پسندی اور ترقی پسندیت والے موضوعات ابھرتے ہیں۔ ان کا تعلق زیادہ تر دیہات سے رہا اس لیے ہمیں ان کے ہاں بھی وہی موضوعات شاملِ بحث دکھائی دیتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی نے بھی فن کی ہر جہت کے ساتھ تعلق وابستہ رکھا۔ ان کے ہاں افسانہ، ناول، ناولٹ سفر نامہ اور مضامین سبھی کچھ نظر آتا ہے۔ جس میں انھوں نے فنی پختگی دکھائی ہے۔

آزادی کے بعد جن مسائل کا سامنا لوگوں کو کرنا پڑا انھیں اس دور کے ادیبوں نے اپنایا۔ ناول میں تو وسیع کینوس کی وجہ سے تمام مسائل اور حالات کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ مگر ناولٹ میں طوالت کم ہوتی ہے۔ جس میں مسائل کو سمیٹنا مشکل ہوتا ہے مگر ان تخلیق کاروں نے بڑی خوبی کے ساتھ اسے نبھایا۔ اس دور میں ناولٹ نگاری کو کافی فروغ ملا۔ بہت سے تخلیق کاروں کی کہانیاں افسانے سے طویل ہو کر ناولٹ کے زمرے میں آ گئیں جن میں مقبول ہونے والوں میں پروفیسر قمر رئیس ذکر کرتے ہیں کہ:

بیدی کا "ایک چادر میلی سی"، عصمت کا "دل کی دنیا"، ابوالفضل صدیقی کا "چڑھتا سورج، یا "خالی ہاتھ"، بلونت سنگھ کا "ایک معمولی لڑکی"، جیلانی بانو کا "جگنو اور ستارے"، سہیل عظیم کا "بے جڑ کے پودے"، قراۃالعین حیدر کا "ہاؤسنگ سوسائٹی"، جوگندر پال کا "بیانات" شامل ہیں۔ ۱

اس دور کے ناول کے مقابلے میں ناولٹ کو زیادہ خوبصورت اور نکھار ملا اور اپنا آپ پہنچاننے کا موقع ملا۔ جن مسائل کا ذکر ان ناولٹ میں کیا گیا۔ جن حقیقتوں پر سے پردہ اٹھایا گیا ان کو بخوبی پروفیسر قمر رئیس کی زبان میں یوں بیان کیا گیا ہے:

عصری زندگی کے تضادات کی حقیقت پسندانہ تصویریں بھی اس دور کے ناول کے بجائے، ناولٹ میں زیادہ نمایاں نظر آتی ہیں۔ پرانے زمیندار اور جاگیر دار طبقے کا زوال، ابھرتے ہوئے، صنعتی معاشرے کی پیچیدگیاں، عشق و محبت کے بارے میں نئے ذہنی رویے، نئی اور پرانی نسل کا تصادم، قدروں کی بے قدری کا احساس ۔۔۔اس دور کے اردو ناولٹ میں مل جاتی ہیں۔ ۲

گویا ان تمام مسائل کا ذکر ادیبوں نے بڑی خوبی سے کیا ہے اگرچہ ناولٹ کی کم طوالت کے باوجود اعلیٰ کردار ا اپنائے ہیں اور پلاٹ کو مضبوط بنایا ہے۔ مختصر الفاظ کی مدد سے ان پیچیدگیوں کو حل کیا ہے۔ لوگوں کے معاشی، معاشرتی سطح پر ابھرنے والے مسائل کو زیر بحث لایا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے معاصرین ناولٹ نگاروں کا تذکرہ جس طرح کیا گیا ہے۔ اِن کی تفصیل درج ذیل ہے:

غلام الثقلین نقوی نے جہاں دوسری اصنافِ نثر کو اپنایا وہاں اپنے اسلوب اور فن کو پختگی بخشتے ہوئے ناولٹ نگاری میں بھی جوہر دکھائے۔ ان میں اپنے دور کے حالات کے مطابق مختلف موضوعات کو موضوع

بحث بنایا۔ جس میں رومانیت ، حقیقت نگاری اور دیہات نگاری کے چرچے سامنے آئے۔ ترقی پسند ہونے کے حوالے سے انھوں نے حقیقت پر مبنی مسائل کو عام دیہاتی طبقہ کے مسائل کو موضوع بنایا۔

بقول ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش:

> نقوی صاحب کے اسلوبِ بیان میں رومانی چاشنی بھی ہے، جزئیات نگاری کا میل بڑے فنکارانہ طریق سے ان کے افسانے میں ظاہر ہوا ہے۔ غلام الثقلین نقوی کا دیہات صرف خارج میں موجود نہیں بلکہ ان کی جڑیں ان کے داخل میں بھی اتری ہوئی ہیں۔۔۔۳

الغرض حقیقت اور رومان کا بیان ان کی بہترین کہانیوں کا موضوع ہے۔ منفرد اسلوبِ بیان کی بناء پر ہی تو انھیں ممتاز درجہ ملا۔ جزئیات نگاری بھی ان کے فن کا خاصا ہے۔ مسائل کو ایسے بیان کرتے ہیں کہ اس کی باریکی میں قاری کھو کر رہ جاتا ہے۔

قدرت اللہ شہاب نے بھی اپنے فن میں ناولٹ نگاری کو بھی شامل کیا۔ ان کا ناولٹ "یاخدا" ہمارے سامنے آتا ہے جو کہ سیپ میں شائع ہوا۔ ان کے موضوعات میں رومانوی فکر اور حقیقت کے گہرے اثرات چھائے ہوئے ہیں۔ ایک المیاتی ناولٹ ہے۔ جس میں عورت کو موضوعِ بحث رکھا گیا۔ ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

> "یاخدا" اس مظلوم عورت کا المیہ ہے جسے فسادات کے مظالم نے بے حس بنا دیا تھا۔ شہاب نے ایک غیر جانبدار مبصر کی طرح اس المیے کو سمیٹا اور عورت کا روحانی کرب ناظرین کو منتقل کر دیا۔۴

شوکت صدیقی نے غربت اور استحصالی نظام کے خلاف آواز اٹھائی ان کی ناولٹ "وہ اور اس کا سایہ" ناولٹ نگاری کی صنف میں شامل ہوتا ہے۔ جس میں انھوں نے لکھنوی سماج کا نقشہ کھینچا ہے۔ معاشرے کے

دردناک حالات کو پیشِ نظر رکھا۔ شوکت صدیقی کے اسلوب پر نظر ڈالیں تو اس حوالے سے ڈاکٹر اعجاز راہی یوں رقم طراز ہیں:

> وہ خصوصاً نچلے طبقوں کو ان کی الم نصیبیوں اور نفسیاتی وارفتگیوں کو تجزیہ و تحصیل کی کسوٹی پر لائے ہیں۔ ۵

اشفاق احمد ادب کے اہم ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں انھوں نے جو ناولٹ لکھا وہ "مہمانِ بہار" کے نام سے شائع ہوا۔ اشفاق احمد کی کہانیوں میں محبت کے والہانہ جذبات ابھرتے ہیں۔ انسانیت میں محبت کا رشتہ قائم کرتے ہیں۔ ماضی پرستی ان کے ہاں ابھرتی ہے۔

جوگندر پال بھی انھی ناولٹ نگاروں میں شامل ہیں ان کے ناولٹ "آمد و رفت" اور "بیانات" شائع ہوئے۔ ان کی کہانیوں میں ان کے دور کے حالات اور عام انسانیت کا غم والم سامنے آتا ہے۔

بانو قدسیہ کی تحریروں میں قدیم طرز اور نئے طرز کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ماضی کی روایات قائم کرتی ہیں۔ اور رومانی حسن پایا جاتا ہے۔

جمیلہ ہاشمی نے جو ناولٹ لکھا وہ "آتش رفتہ" کے عنوان سے سامنے آیا۔ جس میں سکھ معاشرے کی عکاسی کی گئی ہے۔ ان کی کہانیوں میں دیہی معاشرت خصوصاً اس ناولٹ میں دیہی زندگی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ سادگی اور روانی کے ساتھ کہانی کے اسلوب کو برتا گیا ہے۔ کہانی کو بیان کرنے کا انداز اور ماحول کی تصویر کشی خوبصورتی سے کرتی ہیں:

> کہانی کا تار و پود بڑی چابکدستی سے بُنتی ہے اور وہ نہ صرف صورت واقعہ کو ابھارتی ہے بلکہ۔۔۔ اس ماحول کی تصویر کشی سے بھی بھرپور فائدہ اٹھاتی ہے۔ ۶

قاضی عبدالستار کا جہاں ذکر آتا ہے ان کا فن تاریخ کے اثرات قبول کرتا ہے۔ ترقی پسند ہونے کے باعث ان کے ہاں اسی طرح کے موضوعات کارفرما ہوتے ہیں۔ تشبیہات و استعارات ان کی تحریروں کا امتیازی وصف ہے۔

امراؤ طارق کا ناولٹ بھی ادبی افق پر نمودار ہوا جیسے "عینائم کے تراہے پر نامار" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کی کہانیوں میں منفرد اسلوب اور موضوع اپنائے گئے ہیں۔ جزئیات نگاری، معاشرتی مسائل کو بیان کیا ہے۔ پرانے اور نئے دور کے مسائل کا ادراک کیا ہے۔

حفیظ احسن نے اپنی کہانیوں میں معاشرتی برائیوں اور ناانصافیوں کے خلاف قلم اٹھایا ہے۔

> "پورٹریٹ کی تکمیل" کی کہانی چناں جیسی روشن خیال حسین لڑکی اور آئیڈل، باوقار اور خوبصورت نقاش پونی(پونس) کے گرد گھومتی ہے حفیظ احسن نے اس میں معاشرے کی صدیوں پرانی فرسودہ روایات کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح نوجوان لڑکیاں اپنے بزرگوں کے دماغ سے سوچتی اور انہی کی آنکھوں سے دیکھتی ہیں۔ ۷

جیلانی بانو ادب میں ناول نگاری اور افسانہ نگاری کی بدولت مشہور و معروف ہوئیں اور ناولٹ نگاری میں بھی انھوں نے ادبی سفر کو جاری رکھا۔ ان کے ناولٹ "جگنو اور ستارے"(۱۹۹۵ء)میں "نغمے کا سفر" (۱۹۷۷ء)میں شائع ہوئے۔ جیلانی بانو نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے بھی تعلق جوڑے رکھا۔ وہ ترقی پسند تحریک سے متاثر نظر آتی ہیں۔ مگر اس میں شامل نہیں ہوئیں۔ جس ماحول میں پرورش پائی انھی مسائل کو بخوبی اپنی کہانیوں میں شامل کیا۔ تقسیم کے وقت جو حالات پیش پیش رہے انھی سے فائدہ اٹھایا اور انھی پر قلم اٹھایا۔ پروفیسر قمر رئیس کے الفاظ میں:

> ملک کی تقسیم اور اُس کے نتیجے میں رونما ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات، قتل و غارت گری کے علاوہ مزدوروں اور کسانوں کی انقلابی تحریک کا وہ نقشہ بھی تھا جس نے جاگیرداروں اور نوابوں کی نیند حرام کر دیں تھیں۔۔۔ ان تمام واقعات و حالات نے جیلانی بانو کے فکری میلانات کی تشکیل میں اہم رول ادا کیا۔ اور جب انہوں نے قلم اٹھایا تو اپنی اخلاقانہ صلاحیتوں سے انسانی زندگی کے نشیب و فراز اور گوناگو حالات و مسائل کو کہانیوں کی شکل میں ڈھال دیا۔ ۸

غلام الثقلین نقوی کی تحریروں میں کبھی حقیقت نگاری، کبھی رومان کی چاشنی اور کبھی وطن سے محبت ابھرتی ہے۔ یہی فن انہیں دوسرے ہم عصروں سے ممتاز کرتا ہے۔ جس طرح ناولٹ میں دیہی مناظر کی تصویر کشی، عشقیہ موضوعات اور کشمیر کے موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ وہ ہمیں کسی دوسرے ادیب کے ہاں دکھائی نہیں دیتا۔ انھوں نے ناولٹ میں کشمیر کے موضوع کو سمویا ہے۔ یہ ان کا خاصا ہے۔ ایسی داستانیں بیان کرتے ہیں کہ قارئین ان کی کہانیوں کی طرف مائل ہوتے چلے جاتے ہیں اور خواب وخیال کی گرفت میں آجاتے ہیں جس سے واپسی مشکل ہو جاتی ہے۔ الفاظ سے ایسی شرینی اور شاعرانہ انداز پیدا کرتے ہیں کہ نثر میں بھی شعریت بھر جاتی ہے۔ کردار نگاری کے حوالے سے بھی ان کی تحریریں اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کے کردار سچائی اور حقیقت نگاری سے جڑے ہیں جو زندگی کی جیتی جاگتی تصویریں بن کر ہمارے سامنے پیش ہوئے ہیں۔

ب) ناولٹ نگاری میں غلام الثقلین نقوی کے مقام کا تعین:

غلام الثقلین نقوی کے فن کا جائزہ لیا جائے تو سب سے زیادہ شہرت انھیں افسانہ نگاری کی بدولت حاصل ہوئی۔ ان کا تعلق دیہات سے تھا اس لیے ان کی زیادہ تر کہانیوں میں دیہاتی رنگ دکھائی دیتا ہے۔ ان کا مزاج دوسرے افسانے نگاروں سے قدرے مختلف نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں مسائل کا بیان اور جذبات نگاری ایک منفرد طرزِ بیان کے ساتھ ابھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ان کا اسلوب شستہ اور لبھانے والا ہے۔ ان کے ہاں شاعرانہ طرزِ اظہار نظر آتا ہے جو قاری کو اپنے سحر میں قید کرلیتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی تقسیم یعنی قیام پاکستان کے بعد کے جو افسانہ نگار اس ادبی دنیا میں نمودار ہوئے اس نئی نسل میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ادبی دنیا میں جو مقام انھیں ملا ہے وہ ان کے بہترین افسانوں کی بدولت حاصل ہوا۔

اِن کا ناول "میرا گاؤں" اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ غلام الثقلین نقوی کو دیہات سے کتنا لگاؤ تھا اور اس چیز کو انھوں نے اس میں بھی دیکھا ہے۔ ان کے یہاں دیہات نچلے طبقات کے حوالے سے یعنی "کسان" کی زندگی اور اس کی اہمیت کے حوالے سے ابھرتا ہے۔

نقوی صاحب نے شہرت اپنے فن کو بیان کرنے کے لمبے سفر کو طے کر کے حاصل کی جو انھیں بعد میں ان کی فنی پختگی کی بدولت وصول ہوئی بقول ڈاکٹر انور سدید:

> نقوی صاحب کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے شہرت کے بلند زینوں تک پہنچنے کا طویل سفر اپنے اپنے فن کی توانائی کے بل بوتے پر کیا ہے اور نام نہاد نقاد نے ان کے فن کو اردو دان طبقے سے متعارف کرانے۔۔۔ میں ان کی کوئی معاونت نہیں کی۔۹

غلام الثقلین نقوی نے جس طرح ناول، افسانہ اور مضامین نگاری میں اسلوب کو اپنایا اس طرح ناولٹ نگاری میں بھی تینوں کہانیوں میں منفرد طرزِ بیان اختیار کیا۔ "شمیرا" کے حوالے سے ڈاکٹر آغا میر حسین کاظمی لکھتے ہیں:

> غلام الثقلین نقوی نے کسی منہ زور آندھی محبت کی داستان سنانے کی بجائے، انسانی جذبوں، ضرورتوں، محرومیوں اور ان کے قد کی داستان سنائی ہے۔ اس داستان گوئی میں انھوں نے داخلی اور خارجی دنیا کے تضادات، معاشرتی ناہمواریوں اور جاگیر داری نظام کی شیطنت کی طرف بڑی دل سوزی سے اشارے کیے ہیں۔۱۰

الغرض ان کی ناولٹ کی طرف وابستگی اور توجہ کے بارے میں بات کریں کہ کس طرح انھوں نے ناول اور افسانے کی طرح اس میں بھی اپنی پہچان کرائی تو یہ رویہ سامنے آتا ہے ناولٹ میں انسانی جذبات کی عکاسی اور ان کے مسائل کو بیان کرنے میں داستانوی انداز کو سامنے لایا۔ جاگیر دارانہ نظام کی پیش کش کی۔ غلام الثقلین نقوی کا جھکاؤ ناولٹ نگاری کی طرف دوسری اصناف کی طرح ہوا تو ڈاکٹر انور سدید اس بارے میں لکھتے ہیں:

> غلام الثقلین نقوی اردو کے منفرد افسانہ نویس اور انوکھے ناولٹ نگار تھے۔ کچھ عرصہ پہلے ہم نے دیکھا کہ ان کی رونمائی ناولٹ میں ہو رہی تھی جو ناول کی تفصیل اور افسانے کے اختصار کی درمیانی کڑی ہے۔۱۱

لہذا انھوں نے اختصار ہونے کے باوجود کہانی میں واضح لطف پیدا کیا۔ کم الفاظ اور محدود کینوس کی بدولت بھی انہوں نے کہانی میں وضع داری قائم کی۔ ایک نئی طرح قائم کی اپنے معاصرین کی طرح ترقی پسند ادب سے فیض اٹھایا۔ عام انسانیت کی ترجمانی کی۔ غربت اور استحصال کے خلاف بات کی اس کے ساتھ ساتھ گاؤں کے نچلے اور متوسط طبقے کے مسائل کو ظاہر کیا اور رومانیت اور حقیقت کے امتزاج کو سامنے لایا اور اس حوالے سے عمدہ کرداروں کو پیش کیا۔ اپنی کہانیوں میں شاعرانہ لطافت پیدا کی اور دیہات کی مثال ہو یا گاؤں کے خوبصورت اور قدرتی مناظر کی دلکشی غلام الثقلین نقوی کی کہانیوں میں خوب ابھرتی ہے۔ اپنے رنگ اور رونق خوب سامنے لاتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی کی ادبی دنیا کا جائزہ لیا جائے تو انھوں نے اپنا ایک منفرد طرزِ بیان اپنایا۔ حقیقت سے وابستہ رہتے ہوئے حقیقی دنیا کی تصویر کشی کی ایک سچائی کو سامنے لانے کی تگ ودو میں آگے بڑھتے رہے۔ ان کی اکثر کہانیوں میں گاؤں کے مناظر اور قدرتی مناظر کا پیغام نظر آتا ہے۔ اپنی کہانیوں میں ایسا سحر پیدا کرتے ہیں کہ قاری کافی دیر تک اس میں کھو جاتا ہے۔ اور کہانی کے ختم ہو جانے کے کچھ دیر بعد وہ حقیقی دنیا میں واپس آتا ہے۔ ناولٹ ہو یا افسانہ کسی بھی صنفِ ادب کا سوال ہو تخلیق کار کا اصل مقصد ہوتا ہے کہ وہ کہانی کو ایسا بنا کر سامنے لائے کہ قاری کے دل ودماغ میں تمام باتیں نقش ہوں اور ایسا خوبصورتی کا احساس قائم ہو کہ کہانی میں جان پیدا ہو۔

غلام الثقلین نقوی کا یہ منفرد اسلوب ہی ہے کہ انھیں اپنے معاصرین میں منفرد افسانہ نگار کی طرح جانا جاتا ہے۔ زندگی کو جس طرح دیکھا، اس کا مشاہدہ کیا اسی طرح اپنی کہانیوں میں زندگی کی حقیقتوں کو بیان کیا ہے۔ ترقی پسند روایات میں حقیقت نگاری کو ترجیح دی۔ ان کی کہانیوں میں داستانوی انداز موجود ہے۔ اپنے وطن سے محبت کے جذبات ابھرتے ہیں خصوصاً کشمیر سے گہری وابستگی ان کے ہاں ابھرتی ہے۔ اپنے ناولٹ "شیر زمان" میں اس کی واضح مثال موجود ہے۔ کشمیر کے موضوع پر ان کا تخلیق کیا ہوا یہ ناولٹ ان کی کشمیر سے دلی وابستگی کی کڑی بنیاد ہے۔ ایسی کہانی کی بنیاد رکھتے ہیں کہ کہانی اس دور کی خوبصورت تصویر بن جاتی

ہے۔ جسے الفاظ کے ذریعے قاری پڑھ کر پورا نظارہ دیکھ لیتے ہیں اور پورا منظر ان کی نگاہوں کے آگے گھومنے لگتا ہے جیسے کوئی واقعہ انھیں بطور تصویر کے دکھائی دے رہا ہو۔ بقول پروفیسر غلام جیلانی اصغر:

> غلام الثقلین نقوی بنیادی طور پر کہانی کار ہے۔۔۔اس کے اندر داستان گو چھپا ہو اہے۔ اس لیے جب کبھی وہ کہانی سنانے بیٹھتا ہے تو قاری سامع بن جاتا ہے اور اس وقت تک حیرت و استعجاب اس کی آنکھوں اور چہرے کا احاطہ کیے رہتے ہیں جب تک کہانی اپنے اختتام کو نہیں پہنچتی۔ ۱۲

غلام الثقلین نقوی کے ہاں انسانیت کی ہمدردی اور انسانی برادری میں ہر رشتے کا دکھ درد دکھائی دیتا ہے کسی میں تفریق نہیں کرتے ہر کسی کا ان کے ہاں ایک خاص مقام ملتا ہے۔ ان کے دل میں لوگوں کے لیے محبت، متوسط طبقے سے فطری لگاؤ دکھائی دیتا ہے۔ یہ اپنی کہانیوں کا بناؤ انھی سے بنتے ہیں جس سے ان کی ذہنیت میں ان سے اپناؤ اور بڑا پن ابھرتا اور پھیلتا ہے۔ بقول ڈاکٹر سہیل بخاری:

> غلام الثقلین نقوی اپنے پہلو میں ایک درد بھرا دل رکھتے ہیں۔ ان کے درد میں وہ گہرائی اور پھیلاؤ ہے جس سے انسانی برادری وجود میں آئی ہے۔۔۔انھیں بلا امتیاز ہر انسان سے پیار ہے وہ ہر ایک کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔ ۱۳

غلام الثقلین نقوی کے ہاں الفاظ کا چناؤ بڑی عمدگی سے ملتا ہے ان کے ہاں نثر میں بھی شعریت بھری ہوئی ہے ان کے ناولٹ میں بھی شعری اسلوب اپنایا گیا ہے۔ جس سے الفاظ کا چناؤ ایسا ہے کہ کہانی میں شعریت کا تاثر پیدا ہو جاتا ہے۔ ان تاثرات کو دیکھتے ہوئے قاری ان کی طرف مائل ہوتا ہے اور ان کے اس سحر میں خود بخود گرفتار ہو جاتا ہے۔ وہ الفاظ کو الفاظ کی طرح نہیں بلکہ کسی چیز کی مانند درجہ دیتے ہیں۔ جس کی بدولت الفاظ کی نئی صورت قائم ہوتی ہے اور کہانی محض کہانی نہیں بلکہ دلچسپ لفظوں کی کھیپ بن جاتی ہے۔ اس کھیپ سے کھیلنا اور نیا انداز عطا کرنا غلام الثقلین نقوی کے ہی فن کا کمال ہے۔ ان کی کہانیوں میں شعریت سے جو اتار چڑھاؤ پیدا کیا ہے اپنی نثر میں اس اسلوب سے جو رنگ دکھائے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری پر جو آراء پیش کی گئی ہیں ان میں سجاد نقوی اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> مجھے امید ہے کہ اردو ادب کے قارئین "تین ناولٹ" کے مطالعے سے نہ صرف اردو کہانی کے تین ذائقے بلکہ اس اسلوب سے بھی، جو نقوی صاحب کی تحریر کو حسن اور سادگی عطا کرتا ہے، ادبی اہتزاز حاصل کریں گے۔ ۱۴

ان کے تینوں ناولٹ میں منفرد اسلوب اپنایا گیا ہے جس سے تین مختلف انداز کی کہانیاں عیاں ہوئی ہیں۔ جو غلام الثقلین نقوی کو دوسرے ادباء سے ممتاز کرتی ہیں گو کہ وہ نئے لکھنے والوں میں شمار ہوتے ہیں مگر ان کے ہاں بھی حقیقت پسندی، سچ کی پرکھ دکھائی جاتی ہے۔ ان کے تینوں ناولٹ کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں کہ:

> غلام الثقلین نقوی کی جوانی "چاند پور کی نینا" سے عیاں ہوتی ہے تو ناولٹ "شیر زمان" میں ان کے بڑھاپے نے ایک پاکستانی معرکے کے "سیز فائر" سے تاب وتوانائی حاصل کی۔۔۔ "شمیرا" اس دور کی کہانی ہے جب پاکستان میں جاگیر داری کے خلاف بغاوت زیریں سطح پر شروع ہو چکی تھی۔۔۔ ان تینوں ناولٹوں میں راوی "واحد متکلم" ہے جسے غلام الثقلین نقوی کی پروٹوٹائپ شخصیت بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ ۱۵

باالفاظِ دیگر ان کے حوالے سے جس طرح کے سوالات اٹھائے گئے اور جس طرح سے ان کے فن کی ترجمانی کی گئی اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک نمایاں قلم کار ہیں جنھوں نے اپنے قلم کی بدولت اور ذہنی پختگی کی بدولت الفاظ کا چناؤ ہر صنف میں نہایت خوبصورتی سے کیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام بھی ان کے معاصرین تخلیق کاروں میں ہوتا ہے اور زیادہ تر دیہاتی اسلوب کی پہچان سے پہچانے جاتے ہیں جس طرح انھوں نے آہستگی سے اپنا کامیاب تخلیقی سفر طے کیا۔

الغرض ناولٹ نگاری میں بھی غلام الثقلین کا مقام منفرد دکھائی دیتا ہے جس طرح انھوں نے تینوں ناولٹ میں تین مختلف موضوعات کا چناؤ کیا اور کشمیر کے وسیع موضوع کو ناولٹ میں جگہ دی۔ اس سے ان کی شہرت میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے۔ ان کا مقام منفرد اور کام منفرد ہے۔ ان کی فکر اور گہرائی قدرے مختلف ہے وہ اپنی راہ خود بناتے رہے اور خود ایک روشن ستارے کی طرح ادبی سفر میں اپنی چمک دکھاتے رہے۔ اپنے فن میں روایت کے ساتھ نئے موضوعات کو جگہ دی۔ وہ آہستہ آہستہ ادبی سفر کو طے کرتے ہوئے ادبی منزلوں کو چھوتے رہے۔ اپنے معاصرین سے اپنا مقام علیحدہ منوانے کی جدوجہد میں کوشاں رہے۔ افسانہ، ناول، سفر نامہ کو چھوڑ کر ناولٹ میں منفرد اسلوب کو ہی اپنایا اور اپنا الگ مقام سامنے لایا اسی لیے ناولٹ نگاروں میں بھی ان کا مقام ان کے منفرد موضوعات کی بدولت ہی اچھا اور قارئین کی توجہ حاصل کرنے والا ہے۔

ناولٹ میں بھی ان کی دیہات پرستی اور وطن پرستی کے جذبات کا عالم دکھائی دیتا ہے اور یہ عالم یہاں تک پہنچتا ہے کہ کشمیر کے موضوع کو اٹھا کر ناولٹ میں پناہ دے دی جو کہ دوسرے ناولٹ نگاروں کے ہاں نہیں ملتا ان کے ہاں روایتی سماجی موضوعات اور حقیقت نگاری کے موضوعات ہی پروان چڑھتے ہیں۔ یہ کشمیر سے لگاؤ ہی تھا کہ انھوں نے اپنے ادب میں کشمیر کے حوالے سے بحث کی اور اس پر اظہار خیال پیش کیا۔

حوالہ جات

۱۔ قمر رئیس، پروفیسر، سید عاشور کاظمی، ارتضیٰ کریم، ترقی پسند ادب کے پچاس سالہ سفر، مکتبہ عالیہ، لاہور ۱۹۹۴ء، ص ۴۰۸

۲۔ ایضاً، ص ۴۰۸

۳۔ سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر، جدید اردو افسانے کے رجحانات، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۰۰ء، ص ۲۸۰

۴۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، عزیز بک ڈپو، اردو بازار، لاہور ۲۰۰۶ء، ص ۵۷۶۔۵۷۵

۵۔ اعجاز راہی، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب کا آہنگ، ریز پبلی کیشنز، راولپنڈی ۲۰۰۳ء، ۱۲۹

۶۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو افسانے میں دیہات کی پیش کش، اردو رائٹرس گلڈ، اسلام آباد، ۱۹۸۳، ص ۱۱۳

۷۔ تحقیق نامہ، شمارہ ۲۰۱۰، ۷ء، جی سی یونیورسٹی، لاہور، ص ۹۱

۸۔ قمر رئیس، ڈاکٹر، ترقی پسند ادب کے معمار، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۲۰۹

۹۔ وزیر آغا، عارف عبدالمتین، اوراق، شمارہ ۳، ۱۹۶۶ء، ص ۳۱۹

۱۰۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص فلیپ

۱۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص ۱۲۴

۱۲۔ ماہنامہ، "چہار سو"، ستمبر اکتوبر، ۱۹۹۶، ص ۵۶

۱۳۔ غلام الثقلین نقوی، بند گلی، بک ورلڈ لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۷

۱۴۔ غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۴ء، ص ۶

۱۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان ۲۰۱۰ء، ص ۲۳۶۔۲۳۵

باب پنجم

ماحصل

مجموعی جائزہ

ناولٹ نگاری اردو ادب کی صنف نثر میں ایک صنف کے طور پر رونما ہوئی ناول اور ناولٹ یا افسانہ میں ہوتی تو کہانی ہی بیان ہے مگر ناولٹ میں افسانے کے مقابلے میں کہانی ذرا طویل ہوتی ہے مگر ناول کے لحاظ سے کم۔ ناول کی کہانی ناولٹ کے مقابلے میں زیادہ طویل ہوتی ہے۔ ناولٹ کو پہلے ناول ہی تسلیم کیا جاتا تھا پھر آہستہ آہستہ اس بات کی طرف بھی راہنمائی ہونا شروع ہوئی کہ اس کی کہانی چونکہ ناول سے مختصر کم ہے اس لیے اسے الگ صنف کا درجہ دیا جانے لگا۔ اس لیے ناولٹ نگار بڑی احتیاط کے ساتھ ناولٹ کو ترتیب دیتا ہے اس میں فنی ترکیب و تشکیل کے لیے بڑی چابکدستی سے کام کرتا ہے۔ الفاظ کے ایسے پیرائے اختیار کرتا ہے کہ اس سے کہانی میں دلچسپی بڑھ سکے۔ منفرد الفاظ کا چناؤ اور اختصار کے ساتھ جامعیت پیدا کرنے کا ڈھنگ جس میں ہوتا ہے وہی قلم کار ناولٹ کو تخلیق کی منزل تک لے کر جاتا ہے۔ ناولٹ کو ایک لحاظ سے طویل مختصر افسانے کا درجہ بھی دیا جاتا ہے۔ اب اس میں یہ بھی آسان عمل نہیں ہے کہ کوئی سمجھے کہ ناولٹ مختصر ہوتا ہے تو ہم ناول کی کہانی کو ہی مختصر کر کے ناولٹ کے سانچے میں ڈھال لیں ایسا نہیں ہے بلکہ اس کو بھی الگ تخلیق کے پیرائے سے گزرانا ہوتا ہے کہ اس میں بھی ایک دلچسپی اور لگاؤ پیدا ہو سکے۔ اس میں بھی پلاٹ، کردار، ماحول، مکالمہ، کہانی، اور دیگر مناظر ترکیبی عناصر ترکیبی استعمال ہوتے ہیں جن سے ناولٹ میں کہانی کو ترتیب دینے کا عمل کیا جاتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ محض الفاظ کی کمی کی بدولت ناولٹ کو تشکیل دیا جاتا ہے یا کم وقت صرف کرنے کے لیے ناولٹ کا عمل وجود میں لایا گیا۔ بلکہ یہ تو قارئین کی دلچسپی کو بڑھانے کے لیے عمل کیا گیا۔ تاکہ قاری کی توجہ اس طرف مائل ہو سکے۔ وہ کم وقت میں ایک کہانی کو پڑھ سکے۔ بعض اوقات ادب

سے دلچسپی رکھنے والے وقت کی وابستگی کو بھی مدِ نظر رکھتے ہوئے بھی ناولٹ نگاری کا رجحان زیادہ ابھرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ناولٹ میں بھی خوبصورت الفاظ کا چناؤ، منظر کشی، کردار نگاری اور واقعات کا بیان اہمیت کا حامل ہے جس کے ذریعے ناولٹ میں کہانی کو پرویا جاتا ہے۔ ناولٹ کا موضوع بھی ناول کی طرح عام زندگی سے اور تخیلاتی دنیا سے حاصل کردہ ہوتا ہے جس میں زندگی کے حقائق کی رنگ و بو موجود ہوتی ہے۔ تفصیل سے بات کو بڑھا کر بیان کرنے کی بجائے اختصار کا سہارا لیا جاتا ہے جس سے کم وقت میں اور محدود کینوس میں مصنف اپنی تخلیقی بصیرت سے کہانی کو تحریر کرنے کی سعی کرتا ہے۔

مختصراً ناولٹ اور ناول کا فرق محض یہی ہے کہ تو ناولٹ ناول اور افسانے کی درمیانی کڑی ہے۔ جس میں نہ ناول سے بڑھ کر بات ملتی ہے اور نہ افسانے سے کم یہ دونوں کی حدود کے درمیان سے تجاوز نہیں کرتا۔ صنفِ ادب میں الگ مقام کی حیثیت سے ناولٹ نے بھی ادب میں اپنے چرچے سامنے لائے ہیں۔ محض کم الفاظ کا چناؤ کرنے سے یا محدود وقت کی خاطر ہی ناولٹ کو تحریر کے مقام پر فائز نہیں کیا گیا بلکہ اس میں خوبصورت کہانی اور الفاظ کی مکمل گرفت کے ساتھ کہانی کو رنگین بنانے کی کوشش ملتی ہے۔ جس سے قاری کی توجہ زیادہ سے زیادہ ناولٹ کی طرف مبذول ہو۔ قاری ان خواب و خیال کی دنیا میں کھو جائے اور ناولٹ کی محدود کہانی کے باوجود اس کے موضوع میں اس قدر گرفت اور چاشنی موجود ہو کہ قاری اس کہانی کو پڑھ کر اپنے آپ کو اس کا حصہ محسوس کرنے لگے اور اس کہانی کے مکمل ہونے کے بعد تک اس کے سحر میں کھویا رہے۔ تب ہی کہانی کی اصل تکنیک کا اندازہ ہوتا ہے کہ کہانی میں کتنی لگن اور کتنی گرفت موجود ہے جو اس کے کہانی پن کو زائل ہونے سے بچاتی ہے اور ایک مختصر کینوس کے ہونے کے باوجود اس میں خیال کی رنگینی اور سچائی موجود ہوتی ہے اور کہانی ایک مکمل قلم کار کی کہانی کا درجہ رکھنے کی گرفت میں سمٹ جاتی ہے۔

ناولٹ نگاری کے مختصراً تعارف کے بعد اگر ناولٹ نگاری کی روایت کی جانب نظر دوڑائی جائے تو اردو ناولٹ نگاری میں اس کا آغاز مغربی ادب میں اس کے آغاز کے بعد ہوا۔ ناولٹ کی سب سے پہلے جو صورت ملتی ہے۔

ناولٹ نگاری کی روایت اردو ادب میں مغربی ادب سے آئی۔ سب سے پہلے مغرب میں ناولٹ کا آغاز ناویلہ کی صورت میں ہوا۔ ناویلا کی صورت میں اٹلی میں بھی ادب تحریر ہوتا رہا۔ اٹلی میں ادب کا آغاز ہونے کے بعد فرانس میں بھی اس کا فروغ سامنے آتا ہے اس کے علاوہ پھر اطالوی ادب میں بھی اس کے چرچے دکھائی دینے لگے۔ امریکی ادب میں بھی اس کا فروغ ہوا۔ اس طرح اس کی روایت آگے بڑھتے بڑھتے اردو ادب تک بھی پہنچی اور یہاں پر بھی ادیبوں نے اس کے اثرات قبول کیے۔ اس طرح مختصر کینوس کی کہانی ترتیب دینے کی کوشش کی جانے لگی۔

اس طرح جدید ادب میں افسانہ، ناول یا ڈرامے کو جو ایک اور روپ ملا وہ ناولٹ کا روپ ملا۔ جس سے مختصر کینوس میں کہانی کو ترتیب دیا جانے لگا۔ جس میں طوالت کی بجائے اختصار پسندی کو فروغ ملا۔ اردو ادب میں ۱۸۵۷ء کا واقعہ اہم مقام رکھتا ہے اس سے پہلے اردو ادب میں تخیلائی اور ماورائی تخلیقات کا ذکر ملتا تھا اس کے بعد سیاسی و سماجی حالات و واقعات کو بھی ادب میں ترتیب دیا جانے لگا۔ انیسویں صدی میں ناولٹ نگاری کا باقاعدہ آغاز ملتا ہے۔

آغاز میں جن تخلیق کاروں کا ناولٹ نگاری کے حوالے سے نام ملتا ہے ان میں مولوی نذیر احمد کا بھی نام شامل ہے۔ عبدالحلیم شرر، نیاز فتح پوری، سرشار ایسے بڑے نام ہیں جنھوں نے اردو ادب میں اپنا لوہا منوایا۔ دوسری اصناف میں محنت سے اپنا نام بنانے کے ساتھ ساتھ جب ادب میں ناولٹ کی صنف سامنے آئی تو پھر انھوں نے اپنی تمام تر توجہ ناولٹ نگاری کی طرف بھی مرکوز کر دی۔ جس میں مختصر کینوس کے باوجود کہانی کو اس انداز سے پیش کیا کہ کہانی میں ربط بھی قائم رہا اور قاری کو بھی دقت نہیں پیش آئی۔

انیسویں صدی کے آخر میں ناولٹ نگاری کا آغاز ملتا ہے پھر اس کے چرچے بیسویں صدی کے آغاز میں بھی ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔ جن تخلیق کاروں نے آغاز سے ہی ناولٹ نگاری کو آگے بڑھانے کی کوشش کی اس میں وہ ناویلا کی صورت میں موجود ہے سب سے پہلے سولہویں صدی میں اٹلی میں ناویلا لکھے جاتے تھے، اس کے بعد فرانس میں ناولٹ نگاری کا شعور پیدا ہوا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ ناولٹ نگاری کا یہ سفر چل نکلا تو اس کی جڑیں ہمیں اطالوی ادب میں بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن اس کے مختلف نام موجود تھے۔ کبھی اسے NOVELاور کبھیNOVELETTE کا نام سونپا گیا۔

مغربی ادب سے ناولٹ نگاری کا جو دور چلتا آرہا تھا اس کا رواج اردو ادب میں بھی عام ہونے لگا۔ پھر اردو ادب میں بھی اپنی جگہ بنانے لگا۔ اردو ادب میں بھی ناولٹ نگاری کا آغاز جب ہوا اس وقت ان اہم تخلیق کاروں میں شمار ہونے والے چند مایاناز ناولٹ نگار سامنے آتے ہیں جن میں ڈپٹی نذیر احمد، نیاز فتح پوری، صدیق محی الدین، سرشار شامل ہیں۔ جنھوں نے اپنی فنی بصیرت کو دوسری اصناف میں دکھانے کے ساتھ ساتھ ناولٹ میں بھی اپنی گرفت کو قائم و دائم رکھنے کی کوشش کی۔ ناولٹ نگاری کے اصول وضوابط پر پورا اتر کر اور ان کی پابندی کرتے ہوئے ناولٹ نگاری کرنے میں پوری پوری دلچسپی دکھائی۔ ناولٹ نگاری کو عروج کمال بخشنے میں جن بہترین مصنفین کا نام شامل ہے ان میں سجاد ظہیر، قراۃالعین حیدر، عزیز احمد، ڈاکٹر احسن فاروقی، عصمت چغتائی، عبدالستار، شوکت صدیقی، اے حمید، انور سجاد، شرون کمار ورما، امراؤ طارق، بلراج ورما، سعید شیخ، سائرہ ہاشمی، پروین سرور، فاطمہ ثریا، ڈاکٹر انور نسیم، ضمیر الدین احمد، نجم الحسن رضوی، قدرت اللہ شہاب، انتظار حسین اور غلام الثقلین نقوی شامل ہیں ان تمام ناول نگاروں کے ہاں ہمیں ناول نگاری کے ساتھ ساتھ ناولٹ نگاری کا بھی جوش و جذبہ اور لگاؤ دکھائی دیتا ہے۔ ہر کسی کے ہاں منفرد موضوعات اور منفرد مسائل کی عکاسی ملتی ہے۔ موضوعات کا خوبصورت چناؤ ملتا ہے۔ ہر موضوع دوسرے سے مختلف اور صاف دکھائی دیتا ہے۔

اگر مجموعی طور پر ان کے ہاں ناولٹ نگاری کے موضوعات کا چناؤ دیکھا جائے سب سے پہلے جن موضوعات کو ان سب مصنفین کے ہاں تقویت ملی ان میں رومانوی موضوع کے حوالے سے ناولٹ نگاری کا چناؤ کیا گیا ہے۔ رومان پسندی کے ساتھ جس چیز کو زیادہ جوڑا گیا ہے اس میں حقیقت نگاری بھی جھلکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ حقیقت اور رومان کا امتزاج بعض مصنفین کے ہاں جھلکتا ہے جس طرح غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں حقیقت بھی ملتی ہے اور رومانی موضوعات بھی خوب سامنے آتے ہیں۔

اس کے علاوہ جن موضوعات پر بحث ملتی ہے ان میں بڑا موضوع جو زیادہ تر کے ہاں ملتا ہے وہ دیہات نگاری کا موضوع ہے دیہی زندگی کی عکاسی کی گئی ہے۔ دیہی موضوعات کا جب ذکر ملتا ہے اس میں زیادہ اہم پنجاب کے دیہات کو شاملِ بحث لایا جاتا ہے۔ جس سے حقائق کا بیان ملتا ہے یعنی حقیقت نگاری کا پرتو قدرتی مناظر کی عکاسی خوبصورت اور دلکش نظارے جھلکتے ہوئے قارئین کی توجہ کو اپنی طرف مدعو کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ معاشی اور معاشرتی مسائل کا اظہارِ بیان ملتا ہے جس سے معاشرتی ناانصافیوں کا علم ہوتا ہے۔ ہر دور کا ادب اس دور کا بہترین عکاس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ عورت کو موضوعِ بحث بنایا گیا۔ عورت کے ساتھ ہونے والے ظلم و استدلال کی کہانیوں کو از سرِ نو تحریر کیا جاتا رہا۔ عورت اور محبت کے رنگین موضوعات کو ناولٹ میں بھی درجہ بہ درجہ شامل کیا جاتا رہا۔ معاشرے میں استحصال کے نظام اور جاگیر دارنہ، طبقاتی کشمکش کو بھی زیرِ بحث لایا جاتا رہا۔ جس سے معاشرتی حالات وواقعات کا علم ادب کے ذریعے دوسروں تک پہنچ جاتا ہے۔

اس طرح ادب بہترین عکاس بنتا ہے۔ کسی بھی دور کی عکاسی کے لیے اس دور کا ادب ان تمام حالات و مسائل کا ترجمان بن جاتا ہے۔ معاشرتی اور معاشی الجھنوں پر بحث کے ساتھ ساتھ نفسیاتی مسائل اور نفسیاتی الجھنوں کو بھی سمویا گیا ہے۔ اس کے علاوہ علامت نگاری اور تجریدی انداز کے بھی مسائل کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ ناولٹ نگاری میں بھی جدت نگاری اور جدیدیت کا انداز بھی اپنایا گیا ہے۔ اس طرح ان تمام ناولٹ نگاروں کے ہاں ان موضوعات و مسائل کو زیادہ تر بیان کرنے کا سلیقہ ملتا ہے۔ جس سے ادب میں مزید رنگینی اور دلکشی دکھائی دیتی ہے۔

گزرتے ہوئے حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ ادب میں بھی ان معاملات کو درجہ بدرجہ بیان کرنا اس دور کی کیفیات کو بہتر انداز سے اور پوری سچائی کے ساتھ سامنے لانے سے تمام حقائق ادب میں محفوظ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ جن سے ادب اس دور کے حالات و واقعات کا عکاس بن کر قارئین کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ قاری ادب کے ذریعے ان مسائل سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انھیں دیکھتے ہیں اور ان کے اثرات ان کی زندگی میں جس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس سے بچاؤ کے راستے تلاش کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ ان سبق آموز داستانوں کو پڑھ کر نتائج اخذ کر کے بعض اوقات وہ ان مسائل سے بچنے کی بھی بھرپور کوشش کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مصنف عام قاری کی حدِ نگاہ سے آگے بڑھ کر سوچتا ہے۔ جس مقام تک عام قاری کی رسائی ممکن نہیں ہوتی تب ہی تو ادب میں دلکشی، دلچسپی اور جدت آمیزی پائی جاتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری میں جب موضوعات کا جائزہ لیا گیا تو اس میں رومانی موضوع، دیہات نگاری یعنی دیہی زندگی کا موضوع اور جدوجہد کشمیر کا موضوع اہم روپ میں سامنے آتے ہیں۔ اگر اردو ادب میں موضوعات کا چناؤ کریں تو ادب میں تو بیشتر ایسے موضوعات سامنے آتے ہیں جن میں مختلف معاملات و مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔ رومانوی موضوع ادب کا اہم موضوع رہا ہے۔ جس کے ذریعے محبت کے خیالات و اظہار کا بیان ملتا ہے۔ عورت اور محبت کو لازم و ملزوم کے طور پر شاملِ بحث کیا گیا ہے۔ محبت کی وارفتگی اور عشق و جنون کی کیفیات کا بیان ملتا ہے۔ محبت کے والہانہ جذبات کو مصنفین نے اپنی کہانیوں میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ عشقیہ جذبات کی عکاسی تو ادب میں شروع سے ہی چلی آ رہی ہے۔ داستانوں کے انداز میں بھی محبت کے قصے سنائے جاتے تھے۔ جن سے زندگی کی رنگینی کو سمیٹا جاتا رہا۔ رومانی موضوع ایک اہم موضوع کی حیثیت سے صرف اردو ادب میں ہی نہیں بلکہ انگریزی ادب میں بھی اور دوسری زبانوں کے ادب میں بھی اہم مقام کا حامل رہا ہے۔ جب رومان پسندی کا جذبہ اردو ادب میں پنپنے لگا تو کم و بیش ہر کسی ادیب کے ہاں ہی اس موضوع میں گہرائی نظر آنا شروع ہو گئی۔ رومانیت کی تحریک جب شروع ہوئی تو اس میں مصنفین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی تحریروں میں رومان پسندی کا شعور و فکر پیش کیا ان میں غلام الثقلین نقوی کی تحریروں میں بھی رومانیت کے جذبات دکھائی دیتے ہیں۔ محبت میں جو خواب ٹوٹتے ہیں اور جن خوابوں کی تعمیر کا جذبہ

سامنے آنے کا شعور ذہن میں نقش ہوتا ہے جن کیفیات کا بیان اور اتار چڑھاؤ ہوتا ہے انھیں غلام الثقلین نقوی نے اپنے ناولٹ میں بخوبی دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ زندگی کی حقیقتوں کا بیان اور محض امیرانہ طرزِ زندگی کو ہی طرزِ تحریر میں جگہ نہیں بخشتے بلکہ زندگی کے مسائل و معاملات اور غریب اور عام طبقے کے لوگوں کے مسائل کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے توسط سے جن مسائل کی عکاسی ملتی ہے انھیں حقیقت کے ساتھ بھرپور انداز میں بیان کرتے چلے جاتے ہیں چند بڑے نام جنھوں نے رومانیت کو فطری حوالے سے اور عورت کے حوالے سے بیان کیا ہے ان میں کرشن چندر، احمد ندیم قاسمی، عصمت چغتائی، اشفاق احمد، قراۃالعین حیدر، قدرت اللہ شہاب، حجاب امتیاز علی، خدیجہ مستور، قابل ذکر ہیں۔ بانو قدسیہ کے ہاں بھی محبت کی وارفتگی اور بلند پروازی کے جذبات ملتے ہیں۔ ہر کسی نے اپنی ذہنی فکر و شعور کے مطابق اس موضوع کو بیان کیا ہے۔ جس میں رنگین بیانی اور خوبصورت الفاظ اوتراکیب کے چناؤ سے لفظوں کا رودوبدل کر کے تحریر میں حسن و لطافت کو بیان کیا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے تینوں ناولٹ "چاند پور کی نینا"، شمیرا اور شیر زمان میں بخوبی رومانی موضوع کو بیان کیا گیا ہے۔ چاند پور کی نینا میں ایک پسماندہ علاقے سے تعلق رکھنے والے کردار کی رومانی داستان بیان کی گئی ہے۔ جبکہ شمیرا میں ایک شریف مدرس کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ جس میں کہیں کہیں اس کا تعلق رومانی فکر کی عکاسی میں شامل دکھائی دیتا ہے۔ تیسرا ناولٹ شیر زمان جس میں رومانی کہانی شیر زمان پر ہی مبنی ہے جس میں کہیں نہ کہیں محبت کی وارفتگی اور کیفیات کو بیان کرنے کی کوشش سامنے لائی گئی ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ "چاند پور کی نینا" میں جس طرح ایک متوسط طبقے کی کہانی کو بیان کیا گیا ہے۔ اس میں ایک کسان کے بیٹے خورشید کی محبت کی کہانی ملتی ہے جس میں خورشید اور نینا کی محبت کی داستان بیان ملتی ہے۔ خورشید ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتا تھا جس کا باپ یہ چاہتا تھا کہ وہ کسی پٹواری یا پولیس کے محکمے میں لگ کر دولت کمانے کی لگن میں آگے بڑھے جبکہ خورشید کو یہ نامنظور تھا وہ تو دولت کی پروا کیے بغیر تعلیم حاصل کر کے محنت سے کسی اعلیٰ منصب پر فائز ہونا چاہتا تھا۔ نینا ایک اونچے خاندان کی لڑکی تھی جس کے

خوابوں کو پورا کرنے کے لیے خورشید بھی کسی اعلیٰ مقام پر پہنچ کر نینا کو پانے کا خواہش مند دکھایا گیا ہے۔ اس لیے وہ نینا کو گاؤں میں چھوڑ کر تعلیم حاصل کرنے کے لیے جب جاتا ہے تب بھی ان دونوں کے درمیان جدائی کا غم نظر آتا ہے۔ نینا کو یہ برداشت نہ تھا کہ خورشید گاؤں چھوڑ کر جائے مگر خورشید کی خوشی کی خاطر نینا خاموش ہو گئی۔ نینا کو خوبصورتی کا نغمہ بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ ان کی محبت ایسی دکھائی گئی ہے جو چھوٹی عمر سے لے کر جوانی تک پروان چڑھتی ہے۔ خورشید کے گاؤں واپس آنے پر بھی نینا کے اندر جو خوشی کی لہر دوڑتی ہے وہ ایک سچی لگن میں جدائی کے بعد دوبارہ ملاقات میں ہی دکھائی دیتی ہے۔

ان دونوں کی محبت میں رکاوٹ تب آتی ہے جب لال محل میں رہنے والا پرویز نینا کو لال محل لے جاتا ہے اور خورشید کی غیر موجودگی میں نینا کے ساتھ ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ خورشید جب واپس آتا ہے تو نینا کو تنہا اور بے یارو مددگار پاتا ہے گاؤں والے نینا کو گاؤں میں نہ رہنے کے لیے کہتے ہیں۔ نینا کو اپنے گاؤں میں وہ برداشت نہ کرنے کو تیار کھڑے ہیں۔ خورشید اپنی محبت کی شدت کے باوجود نینا کو آگے بڑھ کر تھام لینے کی بجائے نظریں زمین پر گاڑھے کھڑا رہتا ہے اور آگے بڑھ کر نینا کا ہاتھ نہیں تھامتا۔ اس لمحے نینا تنِ تنہا اپنی جنگ خود لڑتی ہے اور بلآخر اپنے باپ کا ہاتھ تھام کر چاند پور کو چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ یہاں پر ان دونوں کے بچھڑ جانے اور جدائی کے غم کو دکھایا گیا ہے۔ دونوں محبت کرنے کے باوجود ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی نے اپنے اس ناولٹ میں یہی باور کرانے کی کوشش کی ہے جس عاشق و محبوب کے درمیان کوئی نہ کوئی ایسی رکاوٹ حائل ہو جاتی ہے جس سے دونوں کی محبت کا پروان چڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کوئی نہ کوئی ایسی خلا آتی ہے جسے پُر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کہانی میں بھی محبت کے والہانہ جذبات کے باوجود ایسی منزل آجاتی ہے جہاں پر جدائی کے سوا اور کوئی راستہ نہیں بچتا بلآخر دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ منزل عشق کو پالینا دونوں کے لیے ناممکن ہو گیا۔ محبت میں سچی لگن اور جوش و جذبہ ہو تب ہی عشق کی منزل کو پا سکتا ہے انسان ورنہ محبت میں پھر جدائی کی منزل بھی پیش آتی ہے۔ جب انسان اس قدر آگے بڑھ چکا ہوتا ہے کہ واپسی کی منزل پھر کانٹوں بھری معلوم ہوتی ہے۔ جس طرح خورشید اور نینا کی محبت میں بھی جدائی کا دکھ شامل دکھایا گیا ہے۔ دونوں نے جو خواب اپنے دل میں سجائے تھے وہ ٹوٹ کر اور بکھر کر

رہ گئے۔ دونوں کی عشقیہ داستان میں جدائی ان کا مقدر بھی ہے اور دونوں ایک دوسرے کو حاصل کرنے کی حب اپنے دل میں ہی بسائے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اس طرح غلام الثقلین نقوی نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس رومانی کہانی کو محبت اور جدائی کے غم دونوں حوالے سے تحریر کیا۔

غلام الثقلین نقوی کے دوسرے ناولٹ میں جس طرح رومانی حوالے سے ایک کہانی کو شامل کیا گیا ہے۔ اس میں ایک مدرس کے حوالے سے کہانی کو ترتیب دیا گیا ہے۔ غلام الثقلین نقوی یہاں پر کسی نہ کسی حد تک رومانی رومانیت کے پیرائے میں ہی کہانی کو بیان کیا ہے۔ جب ماسٹر فاروقی حیات پور مدرس کے فرائض انجام دینے کے لیے آتا ہے تو اسے ڈیرے پر لے جایا جاتا ہے وہاں پر مدرس سے اس کے تمام اختیارات چھن جاتے ہیں۔ جاگیر داری نظام جو گاؤں میں رائج تھا اس کی لپیٹ میں ماسٹر بھی آجاتا ہے۔ وہاں پر ماسٹر کی خدمت کے لیے ایک جانگلی عورت آتی ہے جو اسے کھانا دیتی ہے جس کا نام بکھاں ہے ماسٹر جب اسے دیکھتا ہے تو شرم سے آنکھیں جھکا لیتا ہے مگر بکھاں کے جانے کے بعد اس کے دل کے اندر خواہش ابھرتی ہے کہ کاش وہ اسے دیکھ لیتا۔ جس ماحول میں ماسٹر کی پرورش ہوئی تھی وہ ایک شریف گھرانہ تھا اسی کا اثر تھا کہ ماسٹر نے اس غیر عورت کی طرف نہیں دیکھا۔ مگر دل ہی دل میں اسے دیکھنے کا خواہش مند دکھایا گیا ہے۔

جب بکھاں دوبارہ کھانا لے کر آئی تو ماسٹر نے اسے دیکھنے کی خواہش کو پورا کیا۔ اس ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے بھرپور عشقیہ کہانی کو ترتیب نہیں دیا بلکہ ایک رومانی حوالے سے کہانی میں تھوڑا سا رومانی عکس دکھایا ہے۔ ماسٹر کی بکھاں سے اُنسیت دکھائی گئی۔ جس طرح وہ اسے کھانا دینے آتی اور بات کا انداز اور مزاق کرنا ماسٹر کے دل و دماغ پر چھانا شروع ہو گیا اور بکھاں سے اپنایت ہونا شروع ہو گئی۔ یہ ایک فطری عمل ہے انسان جب کسی کو دیکھتا ہے تو پھر اس کے اندر خواہش ابھرتی ہے کہ وہ اسے دوبارہ دیکھے۔ یہاں پر بات اب سامنے آتی ہے کہ عورت اور محبت جس طرح لازم و ملزوم ہیں اسی طرح اس ناولٹ میں بھی یہی فطری خواہش دکھائی دیتی ہے کہ جب وہ عورت کو دیکھتا ہے تو پھر اسے دوبارہ دیکھنے کا خواہش مند ہوتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ اندر محبت کے جذبات بکھاں کے لیے رکھتا ہے۔ اس طرح اس ناولٹ میں ایک دھیمی محبت

کی داستان کو بیان کرنے کا انداز ملتا ہے۔ جس میں اظہار کی جرات نہیں ہوتی اور شریف ماحول کے اثر کی بدولت وہ اپنے نفس پر قابو پائے رکھتا ہے اور محبت کو صرف اپنے دل میں بسائے رکھتا ہے اور عورت کا احترام کرتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کا تیسرا ناولٹ "شیر زمان" ویسے تو جدوجہد کشمیر کے موضوع پر لکھا جانے والا ناولٹ ہے جس میں شیر زمان کے حوالے سے تھوڑی رومانی پسِ منظر میں بھی کہانی بیان کی گئی۔ شیر زمان کی زندگی میں تین لڑکیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ریشم جان اس کی بیوی جس سے شیر زمان کی محبت دکھائی گئی ہے۔ ریشم کو نیلے رنگ سے اُنسیت تھی جس کی بنا پر شیر زمان کو جب نیلا رنگ دکھائی دیتا اس کو ریشم جان کی یاد آنے لگتی۔ ریشم جان اس کے حواس پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ وہ اسے اس کے نفس کو قابو میں رکھنے کے لیے کافی تھی۔ جب بھی کوئی خیال آتا تو ریشم جان اس کے ضمیر کی آواز بن کر سامنے آجاتی اور اسے روکتی۔ اس کی زندگی میں نینا جو اٹلی کی لڑکی تھی اس کا بھی آنا اور نیلے لباس میں ملبوس ہونے کی بنا پر ریشم جان کی صورت میں دکھائی دیتی۔

ریشم جان کی وفات کے بعد جب وہ حوالدار کے ہاں ٹھہرتا ہے تو وہاں ریشم جان پھر ایک اور لڑکی نیلم کے روپ میں دکھائی دیتی ہے اس طرح اس ناولٹ میں ریشم جان سے محبت اور وابستگی اس قدر دکھائی گئی ہے جس کی بدولت اسے ہر معاملے میں ریشم جان ہی نظر آتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور محبت کے جذبات دکھائی دیتے ہیں۔ نیلم اور نینا کا اس کی زندگی میں آنا جس طرح دکھایا گیا اس میں کوئی لمحہ ایسا نہیں جس میں ریشم جان کا ذکر شیر زمان کے ساتھ نہ کیا گیا ہو۔ وہ اس کے ساتھ ہر لمحہ شامل رہتی ہے۔ اور اسے گناہ سے روکتی ہے۔ یہی اس کی بیوی سے والہانہ محبت تھی کہ اس کی جدائی کے بعد ریشم جان اس کی زندگی سے الگ نہیں ہوتی اور اسے ہر لمحہ کسی نہ کسی صورت میں اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتی اس کی یاد میں شیر زمان کھویا رہتا ہے۔

دیہات نگاری کا موضوع اردو ادب میں ایک اہم ترین موضوع کے زمرے میں گردانا جاتا ہے۔ بہت سے افسانہ نگار یا ناول نگار ایسے ہیں جنھوں نے وسیع پیمانے پر دیہات نگاری کو اپنا موضوع بنایا جس میں دیہی زندگی کے مسائل و معاملات کو کھول کر الفاظ کے پہناوے پہنا کر بیان کیا۔ عام طبقے کے مسائل کو زیر بحث لایا۔ گاؤں کے مسائل کا جب ذکر کیا جائے تو پھر اس میں جاگیر دارانہ نظام، کسان اور مظلوم طبقے کا ذکر سر فہرست رہتا ہے ان کے معاملات کو بیان کرنا اور ان کے حل کے لیے اقدامات خاص اہمیت کا حامل ہے۔ گاؤں کے فطری حسن کی عکاسی ملتی ہے اور گاؤں کے معاشی اور معاشرتی حالات کی تصویر کشی بڑی خوبصورتی کے ساتھ کی جاتی ہے تاکہ دیہی حالات وواقعات کی پورے طور سے ترجمانی ہو سکے۔ اردو ادب میں جن بڑے دیہات نگاروں کا ذکر ملتا ہے ان میں احمد ندیم قاسمی، سید شبیر حسین، شوکت صدیقی، راجندر سنگھ بیدی، جمیلہ ہاشمی، سہیل عظیم آبادی، اعظم کریوی، بلونت سنگھ کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے قیام پاکستان کے بعد کے مسائل کو دیہی رنگ میں بیان کیا۔ دیہات نگاری کے حوالے سے پریم چند کا ذکر اہمیت کا حامل ہے جن کے ہاں مظلوم افراد کا ذکر اور عام طبقے اور معاشرت کے مسائل کا ذکر بخوبی ملتا ہے۔ الغرض بہت سے ایسے مایاناز افسانہ نگار ہیں جنھوں نے دیہات نگاری کو اپنی تحریروں میں مختلف رنگ و فکر سے بیان کیا اور اپنے ناولٹ میں بھی دیہی فکر کی عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی جنھوں نے قیامِ پاکستان کے بعد ناولٹ نگاروں میں اپنا مقام سامنے لایا ان کی بھی بیشتر کہانیوں میں دیہاتی فکر کو اجاگر کیا گیا ہے جن میں زیادہ عام طبقے اور عوام کی بات کا ذکر ملتا ہے۔ کسانوں کے مسائل اور زندگی کے عام مسائل کا ذکر کرتے ہیں اور اس طرح اس میں کھو کر کہانی کو بیان کرتے ہیں جس طرح کہ غلام الثقلین نقوی خود اس کہانی کا حصہ ہیں اور تمام مسائل و معاملات اس کے ساتھ ہو رہے ہیں جس طرح کہانی ہوتی ہے اسی طرح کا انداز اختیار کر لیتے ہیں۔ دیہات سے غلام الثقلین نقوی کا خاص فطری لگاؤ زیادہ تر دکھائی دیتا ہے کیونکہ غلام الثقلین نقوی کی زندگی کا بیشتر حصہ دیہات میں گزرا بچپن سے جس ماحول میں انھوں نے پرورش پائی وہ دیہی ماحول تھا۔ اس لیے دیہی ماحول کے رنگ و فکر کو انھوں نے خوش اسلوبی کے ساتھ جس طرح اپنی آنکھوں سے دیکھا اسی طرح پوری سچائی اور نفاست کے ساتھ تحریر میں درج کر دیا۔

غلام الثقلین نقوی کے تین "ناولٹ" ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جن میں انھوں نے دیہی فکر کی عکاسی کی ہے۔ جن میں "چاند پوری کی نینا" ، "شمیرا" اور "شیر زمان" قابلِ ذکر ہیں جن کے ذریعے غلام الثقلین نقوی کا دیہات سے خاصا لگاؤ نظر آتا ہے۔ دیہات کے مسائل و معاملات اور ہرے بھرے کھیتوں کا ذکر بڑی خوش اسلوبی سے بیان کرتے ہیں اور اگر پھر غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ "چاند پور کی نینا" کا ذکر کیا جائے تو اس میں بھی انھوں نے "چاند پور" گاؤں کے حالات و واقعات اور وہاں پر غریب اور امیر طبقے کے درمیان فرق اور پھر جاگیر دارانہ نظام کے اثرات کا عوام پر کس طرح اثر ہوتا ہے اسے دکھانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ مظلوم افراد کس طرح دب کر رہتے ہیں۔ گاؤں میں جس طرح مظلوم افراد جاگیر داروں کے حکم کے تلے دبے رہتے ہیں اور خود سے کچھ محنت نہیں کر سکتے اس کی حاکمیت میں رہتے ہوئے ہر کام کرتے ہیں ان کے دکھوں اور ان کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ غلام الثقلین نقوی کے ہاں ملتا ہے۔ ان کے قریب ہو کر ان کے مسائل کو بیان کرنے کا سلیقہ دکھاتے ہیں۔ جن حقائق سے بھی پردہ اُٹھایا انھیں ایسی فنکاری کے ساتھ بیان کیا کہ وہ اسی طبقے کے دکھوں کا ہی پیش خیمہ لگتا ہے اور قاری اس میں ڈوب کر رہ جاتا ہے اور اس سحر سے بڑی مشکل سے باہر نکلتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کی دیہات نگاری کا جائزہ لیا جائے تو ان کے تین ناولٹ "چاند پور کی نینا"، "شمیرا" اور "شیر زمان" ان تینوں میں گاؤں کے مناظر اور حالات و واقعات کو بیان کرنے کا سلیقہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ ملتا ہے۔ "چاند پور کی نینا" میں جس طرح دیہات کے خوبصورت مناظر کو دکھایا گیا۔ اس کے ساتھ گاؤں میں پیش آنے والے مسائل اور جس طرح جاگیر دار طبقے کسی دوسرے گاؤں کے لوگوں کی رہائش کو اپنے گاؤں میں ناپسند کرتے ہیں اسے بھی دکھایا گیا ہے۔ گاؤں میں کچے مکانات اور ٹوٹی پھوٹی ہوئی سڑکوں کا ذکر کر کے دیہات کا حقیقی نقش ذہن میں ابھارتے ہیں۔ تانگے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ سرسبز کھیت اور ہری بھری مکئی، جو کی فصلوں کا ذکر بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مویشیوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جن کے ذریعے گاؤں میں لوگ اپنا گزر بسر کرتے ہیں۔

اس ناولٹ میں جس انداز سے غلام الثقلین نقوی نے ایک غریب گھرانے کو سامنے لایا ہے ایک کسان کا بیٹا خورشید جو اپنے من میں اتنے خواب سجائے ہوئے بیٹھا ہے اس کا باپ چاہتا ہے کہ وہ گاؤں کے دوسرے لوگوں کی طرح پٹوار یا پولیس میں بھرتی ہو جائے مگر خورشید کا خواب تو یہ ہے کہ وہ تعلیم حاصل کر کے کسی اعلیٰ منصب پر فائز ہو مگر اس کا باپ چاہتا ہے کہ وہ دولت کمانے کے لیے پٹواری بن جائے اس کے باپ کے سر پر دولت کا نشہ چھایا ہوا تھا۔ ایک لڑکی نینا کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو چاند پور میں آ کر بستی ہے لیکن بلآخر چاند پور گاؤں میں اس کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ لوگ اسے گاؤں چھوڑنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ گاؤں کا ایک لال محل نامی منزل میں رہنے والا پرویز دولت کی آڑ سے موج مستی میں گم کسی بھی چیز کی پروا کیے بغیر کچھ بھی کر گزرنے کو تیار ہے۔ یہاں پر نینا کے ساتھ جبر اور زیادتی کا پیش خیمہ دکھائی دیتا ہے۔ جہاں پر نینا کے ساتھ جبر اور ظلم کی انتہا ملتی ہے اور نینا کا چاند پور سے تعلق نہ ہونے کے باعث کوئی اسے سہارا دینے کی بجائے اُسے لوٹ جانے پر مجبور کرنے کے لیے ہی کھڑے ہوتے ہیں کہ نینا چاند پور کی عزت نہیں ہے اس لیے ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہاں پر گاؤں والوں کی بے رخی اور امیری کا جو ڈھب اور ظلم کی انتہا ہوتی ہے وہ دکھایا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں پر المیاتی اور ظلم اور جبر کی داستان دکھاتے ہیں وہاں پر غلام الثقلین نقوی نے گاؤں کی خوبصورتی کو بھی مقید کیا ہے اور گاؤں میں عام اور حقیقی زندگی کا نقش بھی کھینچا ہے جہاں پر دل میں اداسی کے ساتھ ساتھ ایک چہل پہل بھی ابھرنا شروع ہو جاتی ہے۔

غلام الثقلین نقوی کا دوسرا ناول "شمیرا" جس میں دیہات نگاری کے حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ناولٹ میں بھی غلام الثقلین نقوی نے گاؤں کے مناظر کو سامنے لایا۔ فطرت کی عکاسی اور گاؤں کے مسائل و معاملات کو بیان کیا ہے اور فیوڈل ازم سسٹم کے تحت ہونے والے مسائل کو پیش نظر رکھا ہے۔ تاکہ قاری اس کو پڑھ کر حقائق سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے ایک سادہ اور غریب گھرانے سے تعلق رکھنے والے شخص کی کہانی کو بیان کیا ہے جو کہ ایک غریب باپ کا بیٹا ہے اور وسائل کی کمی کے باعث وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا شوق گھر میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کر کے پورا کرتا ہے اور پھر محکمہ تدریس سے منسلک ہو کر وہ مدرس کے فرائض

انجام دیتا ہے۔ گاؤں والے اس نظام کی لپیٹ میں مقید نظر آتے ہیں۔ جہاں پر سردار شاہد اور سردار الہ داد کی حکمرانی ملتی ہے۔ مزدور طبقہ انھی کے ہاں کام کرتے ہیں اور ان کی محکومیت میں ہی دبے رہتے ہیں۔

ماسٹر فاروقی جب گاؤں کی طرف جانے کے لیے سفر کا آغاز کرتا ہے تو سٹیشن میں بیٹھ کر وہ گاؤں کے ہرے بھرے کھیتوں کے لیے سفر کا آغاز کرتا ہے تو وہ خوش ہی ہوتا ہے مگر اسے کیا پتہ کہ قسمت اس کو اگلے لمحے کن حقائق سے دوچار کرنے والی تھی۔ جیسے ہی وہ کھیتوں میں سے گزرتا ہوا گاؤں کی کچی اور ٹوٹی پھوٹی سڑکوں میں تانگے میں سوار ہو کر گاؤں پہنچتا ہے تو وہیں سے جبریت کا نشانہ بننا شروع ہو جاتا ہے۔ سردار کے حکم پر اُسے سکول جانے کی بجائے ڈیرے پر لے جانے کا حکم سنایا جاتا ہے۔ جس سے ماسٹر کا دل گھبرا جاتا ہے اور اُس لمحے اُس کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ کسی بھی انسان کے ساتھ اچانک اس قسم کے حالات ہونے سے ہو جاتی ہے۔ اس ناولٹ میں مدرس کو جوانی میں بھی ناچاہتے ہوئے ہمت کے باوجود حاکمیت کا نشانہ بنتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ اور پھر آخیر عمر میں بھی جب وہ دوبارہ گاؤں آتا ہے اور چاہتا ہے کہ گاؤں کے حالات کو تبدیل کر لے مگر قسمت پھر بھی اُس کا ساتھ نہیں دیتی اور وہ پھر ایک بار شکست و ریخت سے دوچار ہو جاتا ہے۔ اس ناولٹ میں بھی وہی بات سامنے آتی ہے کہ کمزور عوام پر کس طرح سرمایہ دار لوگوں کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ اُن کی اپنی خوشیاں اور جذبات مٹ کر رہ جاتے ہیں اور گھٹن میں زندگی بسر کرتے ہیں اور پھر اسی کو اپنا مقدر جان کر تمام عمر ان کی خدمت گزاری میں صرف کر دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سکول کی کچی عمارت کا بھی نقشہ ملتا ہے۔

ناولٹ میں دیہاتی رنگ دکھانے میں جس طرح کے مسائل غریب طبقہ کو پیش نظر آتے ہیں اِن کا انکشاف کیا اور اس کے ساتھ ساتھ کہانی میں اس طرح دلی وابستگی دیکھنے کو ملتی ہے جس طرح یہ خود اس کہانی کا حصہ ہے اور اس کے ساتھ تمام مسائل پیش آرہے ہیں۔ نظام تعلیم کو بہتر بنانے کی کوشش ناولٹ میں دکھائی گئیں۔ مظلوم پر محکومیت کا رعب اور دبدبہ دکھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ گاؤں کے ہرے بھرے کھیت جن کو کاشت کر کے کسان محنت مزدوری سے اپنے اخراجات اُٹھاتے ہیں مگر وہ پھر بھی اپنی زندگی میں خوش دکھائی دیتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی نے ناولٹ "شیر زمان" میں بھی دیہاتی فکر کی عکاسی کی ہے۔ اس میں کشمیر کے حوالے سے موضوع کو تحریر میں شامل کیا ہے اس کے علاوہ ناولٹ کے آغاز میں اٹلی اور جرمنی کی جنگ کے حالات کو مقید کیا ہے اور وہاں پر بھی دیہی زندگی کی خوبصورتی کو دکھانے کی سعی کی ہے۔

ناولٹ میں سنبل گاہ کی خوبصورتی کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ اور ہری پتن میں بھی سرسبز و شاداب نظارے کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ دکھانے کی کوشش کی ہے۔

سنبل گاہ کی سرسبز وادیوں اور کھیتوں کے حسین نظاروں کو دکھاتے ہیں۔ پکڈنڈی اور پھر پیدل سفر کے مناظر کو بھی بیان کرتے ہیں۔ پتھریلی راستے اور چٹانوں سے بھرے وادیوں کے نظارے اس کے علاوہ جہلم کے گاؤں کے خوبصورت مناظر، پہاڑیاں، وادیاں اور درخت وغیرہ سے گاؤں کی شادابی کو مقید کرنے کی کوشش کی ہے۔

گاؤں کی دلکشی جب بیان کرتے ہیں تو پھر وہ مکمل دیہاتی بن جاتے ہیں۔ وہ دیہات کے نظاروں میں کھو جاتے ہیں۔ دھوپ کی حدت اور تیزی فصلوں پر جس طرح چمک بکھیرتی ہے اور پھر آسمان کی نیلاہٹ ہر طرف ہریالی کے سب منظر دیہی حسن کو پُر رونق بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جب دیہی معاشرت کو بیان کرتے ہیں۔ تو ان کے اندر کا دیہاتی عکس ابھر آتا ہے وہ جس طرح بچپن سے لے کر جوانی تک دیہی ماحول میں ہی پروان چڑھے۔ اسی طرح انھوں نے ناولٹ میں بھی اسی ماحول کو مقید کیا ہے۔

الغرض دیہات غلام الثقلین نقوی کے ہاں پورے طور پر اپنے جوبن دکھاتا ہے۔ خوبصورت الفاظ کے چناؤ، گاؤں کی خوبصورت وادیوں اور نظاروں کا تذکرہ بہت عمدگی کے ساتھ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ گاؤں کا ذکر ہو تو پھر وہاں پر سرسبز وادیاں اور ہرے بھرے کھیت کا ذکر نہ ہو تو دیہات کا حُسن اور بیان نامکمل ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسانوں کا ذکر بھی لازم و ملزوم ہے۔ اس لیے غلام الثقلین نقوی بڑی عمدگی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے نقطوں کو بھی غور سے دیکھتے ہیں۔ اور دیہات کے حسن کو بیان کرنے کے لیے بڑی دلجوئی کے ساتھ فطرتی اور قدرتی مناظر جس طرح وہ حقائق سے بھرے ہیں اسی روپ میں سامنے لاتے ہیں۔

اور ان سے متعارف کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کوشش میں ان کا دیہات ایک خوبصورت دیہاتی رنگ میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے جو قاری کو اپنے حسن کے جال میں قید کر لیتا ہے اور قاری اس خوبصورتی میں کھو جاتا ہے جو ایک دیہاتی فکر کی عکاسی کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ کا جو موضوع سامنے آتا ہے وہ جدوجہد کشمیر کا موضوع ہے۔ جس میں ایک ناولٹ میں کشمیر کی محبت کے حوالے سے شامل کیا ہے۔ غلام الثقین نقوی کی کشمیر سے محبت بھی اسی وجہ سے انہی کی دلی تمنا تھی کشمیر کے حوالے سے بھی کسی افسانے یا ناول میں تحریر لکھی جائے۔ چنانچہ اس آرزو کو انھوں نے ناولٹ میں پورا کیا۔ ناولٹ کے ابتدا میں اٹلی اور جرمن کی جنگی صورت حال سے آگاہ کیا اور پھر اس ناولٹ کے کردار شیر زمان کو کشمیر کے محاذ پر جانے کے لیے پر عزم دکھایا گیا ہے اس ناولٹ میں سیز فائز پر منعقد کہانی کو ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں صوبیدار وکرم سنگھ کے مورچہ کو فتح کرنے کے لیے تگ و دو دکھائی گئی ہے وہ ہر وقت گولہ باری کرتا اور خوف و حراس پھیلاتا تھا۔ اور اُس کے مورچے کی ریکی کر کے کچھ سپاہی وہاں تک پہنچے مگر واپس نہ آئے۔ شیر زمان نے پھر ہمت اور حوصلے کے ساتھ پہلے نقشے سے پہاڑ کی چوٹی پر موجود وکرم سنگھ کے مورچے کو تلاش کیا اور سمتوں کا اندازہ لگایا اور پھر اس کو فتح کرنے کے لیے تیاری شروع کی گئی۔ شیر زمان پتھریلی راستوں سے گزرتا ہوا پہاڑ تک پہنچا اور وکرم سنگھ نے پھر گولہ باری کی اور ادھر سے شیر زمان نے بھی گرنیڈ پھینکے اور جس وجہ سے وکرم سنگھ کا مورچہ تباہ ہو گیا اور جس سے شیر زمان بھی گولیوں کی آڑ میں پھنس گیا اور اپنی قربانی مورچہ کو تباہ کرنے کے لیے پیش کی۔ اس نے اپنی جان کی بازی اور قربانی کو رائیگاں نہیں ہونے دیا اور فل وقت سیز فائر تو بند ہو گیا لیکن جدوجہد کشمیر کے لیے جنگ ختم نہ ہوئی اور جنگ اب بھی نئے عزم و حوصلہ کے ساتھ جاری رکھی گئی۔

اس طرح غلام الثقلین نقوی نے اپنے موضوعات میں متفرق جذبات کی عکاسی کی۔ جس میں دیہی موضوع کو اگر لیا جائے تو اس میں عام طبقے کی بھی بات کی اور خاص طبقے کی بھی جس میں سرمایہ دارانہ نظام کی لپیٹ میں معصوم لوگ گرفتار ہو جاتے ہیں اُسے بھی سامنے لایا اور رومانی موضوع کو بھی ترجیح دی۔ جس میں رومانی انداز ایسا اپنایا گیا جو مختلف جذبات کی ترجمانی کرتا ہے جس سے کہانی میں چبھن کے ساتھ ساتھ نرمی کا

احساس اور محبت کا احساس بھی ہوتا ہے۔ رومانی موضوع کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ جو چیز اور دکھائی دیتی ہے وہ کشمیر کے لیے ان کا والہانہ لگاؤ اور جذبہ ہے جس سے ان کی شدت اور ان کی توجہ زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ ان کا تعلق بھی اسی جگہ سے تھا اس لیے اس کی کشمیر کے لیے وابستگی اور جذبہ زیادہ ابھرتا ہے جو کہ ان کے ناولٹ "شیر زمان میں بھی صاف دکھائی دیتا ہے۔

اسلوب سے مراد لکھنے کا طریقہ، انداز ہے کسی بھی تحریر کی خوبی کو بیان کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ہر کسی کے ہاں مختلف طرزِ کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ اسلوب کو ہی پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کسی فن پارے میں کس طرح کے الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ سادہ یا پیچیدہ الفاظ کا چناؤ اختیار کیا گیا ہے۔ اسی کے ذریعے ہی ادیب کی فکر کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح کے خیالات کا اظہار کہانی میں کیا ہے۔ اسلوب سے ہی فن پارے کی سچائی اور پہچان سامنے آتی ہے۔ کہ کوئی فن پارہ کس قدر خوبصورت اور سادہ یا آسان کسی دوسرے سے منفرد بناتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ "چاندپور کی نینا"، "شمیرا" اور "شیر زمان" میں اسلوب کا جائزہ لیا جائے تو ان کے ناولٹ چاندپور کی نینا میں جس انداز کو اختیار کیا گیا ہے اس میں سادگی کے ساتھ حقائق کو بیان کیا گیا ہے۔ رومانی کہانی کو بیان کیا گیا ہے جس میں غلام الثقلین نقوی نے تشبیہات کا بھی خوبصورتی کے ساتھ اور بر محل استعمال کیا ہے جو تحریر کی خوبصورتی کو بھی بڑھا دیتی ہے۔ منفرد اسلوب کا انتخاب کر کے انھوں نے اپنے ناولٹ مین ایسا فن سامنے لایا جس سے قاری کے دل و دماغ میں ایک پُر کیف کیفیت طاری ہوتی ہے۔ قاری اس سحر میں کھو جاتا ہے اور کہانی کے مکمل ہونے کے بعد تک اس کی واپسی ناممکن ہو جاتی ہے۔ رومانی موضوع پر مبنی ہونے کے باعث غلام الثقلین نقوی نے اپنے اس ناولٹ میں شعریت کو اپنایا۔ شعری اسلوب کو بیان کیا ہے۔ لفظوں سے ایسی کشش اور ٹھہراؤ پیدا کیا ہے کہ قاری اس میں کھو جاتا ہے۔ قاری کو اپنی اس کہانی میں محو کرنے کے لیے شاعرانہ لطافتی انداز کہانی کو بارونق اور دیرپا اثر رکھنے والی داستان بنا دیتا ہے۔ "چاند پور کی نینا میں سادگی کے ساتھ ایسی پر کاری سامنے لائی ہے کہ سادہ بیانی سے ایک عام قاری بھی لفظوں کی تازگی اور حسن کو سمجھ سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ غلام الثقلین نقوی کے ہاں جو چیز ابھرتی ہے وہ مکالماتی

انداز بھی بیان کرتے ہیں۔اس کے علاوہ چھوٹے اور بڑے جملوں کا اس طرح بر محل انتخاب اور استعمال کرتے ہیں جس سے کہانی میں لطف اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ ناولٹ میں وہ تمثیل نگاری سے بھی کام لیتے ہیں اور اپنے کردار خورشید کے جذبات کو بیان جس انداز میں کرتے ہیں۔اس میں تخیلاتی انداز کو بیان کرنے کا سلیقہ ملتا ہے۔علامتی انداز کا بھی اظہار ملتا ہے۔کہانی میں شمع کو علامت کے طور پر پیش کرنے کے حسن کا بیان اپنایا گیا ہے۔ بعض اوقات کہانی میں محاوروں کا بھی استعمال ملتا ہے جس سے کہانی میں دلچسپی اور لطافت کا اظہار ملتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ "شمیرا" میں جس خوبصورتی کے ساتھ اس اسلوب کا اظہار ملتا ہے اس میں بھی ہمیں ان کا سادہ لب و لہجہ دکھائی دیتا ہے۔ چونکہ اس ناولٹ کی کہانی ایک عام دیہاتی زندگی پر محیط ہے۔ اس لیے اس میں ایک شریف مدرس کی داستان کو شامل کیا گیا ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے اس ناولٹ میں سوالیہ انداز کے جملوں کا بھی استعمال کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ حیرت اور استعجاب کا لب و لہجہ بھی اختیار کیا ہے۔ سوال و جواب کا یہ انداز اُن کے مکالموں میں خوبصورتی اور حسن پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حیرت کا انداز بھی ناولٹ میں کہانی کو دلکش اور خوبصورت بنا دیتا ہے۔ گفتگو کا عام اور سادہ انداز دیہاتی زندگی پر محیط ہونے کے باعث اختیار کیا گیا ہے۔ جس سے دیہی معاشرت اور ماحول کی خوبصورتی کے ساتھ عکاسی ملتی ہے۔

مکالماتی انداز اختیار کرتے ہیں تو پھر اس میں چھوٹے اور بڑے جملوں کا بر محل استعمال اس خوبصورتی اور دلکشی میں کرتے ہیں کہ قاری اس میں محو ہو کر رہ جاتا ہے۔ ناولٹ کی اصل خوبی یہی ہے کہ اختصار کے ساتھ کہانی میں لطف کو قائم و دائم رکھا جائے۔ اس طرح غلام الثقلین نقوی نے بھی اختصار کے ساتھ جملوں کی ترکیب کا خیال رکھا ہے۔ تحریر میں اصل حسن اور کارکردگی کا تب ہی اندازہ ہوتا ہے جب لکھنے والا اپنی فنی چابکدستی کے ساتھ کہانی میں مختلف طرح کا انداز اختیار کر کے رنگینی اور تازگی بخشتا ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی الفاظ کا بھی استعمال کیا گیا ہے اس کے علاوہ کچھ نہ کچھ پنجابی کے الفاظ کا بھی چناؤ کیا گیا ہے۔ جس

سے دیہی معاشرت کی عکاسی کرنے میں وہ الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں تا کہ حقیقی حسن اور لب و لہجہ کا انداز مل سکے۔

شیر زمان ناولٹ میں بھی غلام الثقلین نے یہی انداز اپنایا ہے۔ جس طرح دوسرے دو ناولٹ میں غلام الثقلین نقوی نے سادگی اور سلاست کا اظہار کیا ہے اسی طرح انگریزی الفاظ کا چناؤ ملتا ہے۔ دیہی معاشرت اور سادہ معاشرت کو بیان کرنے کے لیے اسی طرح لب و لہجہ اور انداز اختیار کرتے ہیں تا کہ حقیقت کو جوں کا توں بیان کیا جا سکے۔

الغرض غلام الثقلین نقوی کے تینوں ناولٹ میں مختصر الفاظ کی ترکیب استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ سوالیہ انداز بھی اختیار کیا گیا ہے۔ استفہامیہ لب و لہجہ اور سوالیہ انداز قاری کی دلچسپی کہانی کی ساری توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہیں۔

کردار کسی بھی کہانی کا اہم جزو ہوتے ہیں۔ کسی بھی کہانی کو بیان کرنے میں اسے بیان کی منزل اور لطافتوں تک پہنچانے کا اہم ذریعہ ہیں اور اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کردار کسی بھی کہانی میں مختلف روپ صحیح طور پر اظہار کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ غلام الثقلین نقوی نے ایسے کرداروں کو سامنے لایا ہے جو معاشرے میں ہونے والے اصل مسائل کو صحیح طرح بیان کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ کرداروں کی مختلف اقسام ہیں جو کرداروں کو سمجھنے اور بیان کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جس میں ضمنی کردار، ثانوی کردار اور مرکزی شامل ہیں۔ غلام الثقلین نقوی کے تینوں ناولٹ میں کرداروں کا جائزہ لیا جائے تو غلام الثقلین نقوی بھی ایک تماشائی کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔

"چاند پور کی نینا" میں نینا کا کردار ایک معصوم کردار ہے جو حالات کا مقابلہ کرنے میں پیش پیش دکھائی دیتی ہے۔ نینا کے باپ کا کردار ایک ثانوی کردار ہے جب کہ نینا اس ناولٹ کا مرکزی کردار ہے۔

خورشید کی سوتیلی ماں کا کردار سامنے آتا ہے جو اس پر ظلم و ستم کرتی ہے جو ایک ضمنی کردار ہے۔ اس ناولٹ میں دو کردار مثبت اور منفی کردار ابھرتے ہیں۔ جگت اور سیدو چاچا کا کردار مثبت کردار ہیں جو سب کی

مدد کرتے ہیں اور یہ راؤنڈ کردار کی صورت میں سامنے لایا گیا ہے۔ پرویز کا کردار منفی کردار ہے جو لال محل سے تعلق رکھتا ہے اور جاگیر دارانہ سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کا دوسرا ناولٹ "شمیرا" میں ماسٹر فاروقی کا کردار مرکزی کردار ہے جو گاؤں کی سرمایہ داری نظام کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ شمیرا کردار کے روپ میں سامنے آیا ہے۔ جانگلی عورت بکھاں کا کردار سامنے لاتے ہیں۔ سرمایہ دار کا کردار جاگیر داری نظام کی صورت پیش کرتا ہے۔ جس کے پاس دولت کی ریل پیل ہے اور گاؤں کے لوگ اس کے ہاں ملازمت کرتے ہیں اور اس کے حکم کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

اس کے علاوہ چند کردار ایسے سامنے لاتے ہیں جو صرف ایک منزل کے لیے سامنے آتے ہیں۔ پھر ان کا ذکر نہیں ہوتا۔ ان میں عربی ماسٹر فضل احمد کردار سامنے لاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تین بیویوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جن کو ثانوی کردار کے طور پر سامنے لایا گیا ہے۔ غلام الثقلین نقوی نے اپنے ناولٹ میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ کرداروں کے ذریعے اتار چڑھاؤ دکھاتے اور کرداروں کے ذریعے معاشرے میں ہونے والی ناانصافیوں کے حقائق کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

غلام الثقلین نقوی کا تیسرا ناولٹ "شیر زمان" جدوجہد کشمیر کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔ شر زمان کے کردار کو مرکزی کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ شیر زمان پہلے اٹلی اور جرمنی کی جنگ میں ایک فوجی کا کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جب وہ پاکستان واپس آتا ہے تو اپنے دوست دلاور خان کے کہنے پر کشمیر کی جنگ میں بھی حصہ لینے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور وہاں پر صوبیدار وکرم سنگھ کے مورچے کو فتح کرتا ہے۔ اس طرح اس کی بہادری اور شجاعت کے جذبات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ دکھایا گیا ہے۔

صوبیدار وکرم سنگھ کا کردرا منفی کردار کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک کردار ریشم جان کا کردار سامنے آتا ہے جو شیر زمان کے ساتھ اہم کردار ادا کرتی ہے جو اس کی بیوی کا کردار ہے جو ہر معاملے میں اُس کا ساتھ دیتی ہے۔ اس کے علاوہ نیلم اور اینا کے بھی فرضی کردار سامنے لائے گئے ہیں۔ جو

ناولٹ میں کہانی کو آگے بڑھانے میں اور شیر زمان جو کہ مرکزی کردار ہے اس کی زندگی میں ان کا تعلق دکھایا گیا ہے۔ کیپٹن دلاور خان شیر زمان سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ جو کہ شیر زمان کو جوش اور جذبہ دلاتا ہے۔ اور اُس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اس شیر زمان کے کردار میں محبت کے جذبات جس حوالے سے ابھارے گئے ہیں اس میں غلام الثقلین نقوی کی وطن سے محبت کے جذبات سامنے آتے ہیں۔ اسی طرح غلام الثقلین نقوی نے تینوں ناولٹ میں معاشرت کی عکاسی مختلف کرداروں کے ذریعے کی ہے۔ کردار جس خوبصورتی کے ساتھ شامل کیے جاتے ہیں اس فن کے ذریعے کہانی میں خوبصورتی اور نکھار پیدا ہوتا ہے۔ کردار کسی بھی کہانی کو مکمل اور واضح طور پر عکاسی کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی کے ناولٹ میں جس طرح منظر نگاری کی گئی ہے۔ اس میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ فطرت نگاری کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ انہوں نے زیادہ تر دیہاتی رنگ دکھایا ہے۔ دیہی معاشرے کی عکاسی بڑی خوبصورتی کے ساتھ کی گئی ہے۔ جس طرح الفاظ و تراکیب استعمال کرتے ہیں ان سے تمام مناظر کا حسن خود ہی کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ جس سے قاری اس فکر کی گہرائی میں ڈوب جاتا ہے اور مناظر فطرت کے حسن سے ان کا نظارہ کرتا ہے۔ جس طرح خوبصورت مناظر کو بیان کیا ہے۔ ان میں گاؤں کی منظر کشی کی گئی ہے۔ جہاں پر دھوپ کی چمک اور پانی میں سورج کی روشنی سے پیدا ہونے والے رنگوں کی چمک کی تازگی کو الفاظ و تراکیب کی مدد سے کہانی میں مقید کیا ہے۔ اس کے علاوہ تخیلاتی مناظر کو بھی ناولٹ میں دلکشی پیدا کرنے کے لیے شامل کیا گیا ہے۔ رومانی خیالات و واقعات کو بڑی کارفرمائی کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ آسمان کی خوبصورتی، کرن، محبت اور عشق کے خیالات کی رنگینی کے ساتھ ساتھ شام کے حسین مناظر کو بھی اپنے ناولٹ میں شامل کیا ہے۔ پہاڑی پر برف کے نظارے اور آسمان کی نیلاہٹ کو بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ دیہات کے لوگوں کے رہن سہن کے واقعات کو اسی حُسن اور سچائی کے ساتھ سامنے لاتے ہیں کہ گاؤں کی اصل تصویر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ فصلوں کی خوبصورتی اور حسن کی تصویر کشی کی ہے۔ ثقافتی رنگ اور حسن کی بھی منظر کشی کی ہے جس سے ماحول کی اصل خوبصورتی اور راعنائی دکھائی دینے لگتی ہے۔ زندگی کے عام مسائل اور معاملات کے بھی پیچ و خم دکھائے گئے ہیں۔

غلام الثقلین نقوی کا دوسرا ناولٹ "شمیرا" میں فنی حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے اُس میں منظر کشی کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔ جس میں غلام الثقلین نقوی کی منظر کشی کی جو فکر سامنے آتی ہے۔ وہ بھی دیہی معاشرت کی منظر کشی کے حوالے سے زیادہ تر کی ہے۔ اس میں کسانوں کا فصل کی کاشت کے لیے تیار رہنا دکھایا گیا ہے۔ تانگے کی سواری اور گاؤں کی کچی سڑکیں، درختوں کے سائے اور ٹھنڈے آبشاروں کو بڑے احسن انداز سے سامنے لایا گیا ہے۔

غلام الثقلین نقوی کا تیسرا ناولٹ "شیر زمان" بھی منظر نگاری کا ایک اہم نمونہ ہے۔ جس میں جنگی حالات کے حوالے سے منظر کشی کی گئی ہے۔ سفر کے حالات و واقعات اور جنگ میں جانے کی تیاری کو راستے میں پتھریلے راستوں کے مناظر کو دکھایا گیا ہے۔ صحرا کی ریت پر سورج کی چمک اور فضا میں گرم ہوا کو الفاظ کے ذریعے دکھایا ہے۔

غلام الثقلین نقوی نے سیز فائر اور گولہ باری کے حالات و واقعات اور اس کی گونج سے خوف و حراس پھیلنے کی کیفیت کی بھی منظر کشی کی گئی ہے۔ شیر زمان کے مکان کی خستہ حالی اور پھر اس مکان کی نئی تعمیر کی بھی منظر کشی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ سنبل گاہ اور جہلم جانے میں پہاڑی راستے اور کھنڈرات سے سفر کو بڑی تازگی کے ساتھ الفاظ و تراکیب کی گرفت سے قلم بند کرتے ہیں۔ اس طرح غلام الثقلین نقوی نے اپنے تینوں ناولٹ میں بڑی دل گرفتی کے ساتھ مناظر کی رنگینی کو بیان کرنے کا سلیقہ سامنے لایا ہے۔ جس میں بڑے خوبصورت نظارے دکھائے ہیں۔ جن میں قدرتی حسن کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ غلام الثقلین نقوی کے عہد کا جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ ترقی پسند ادب سے تعلق رکھتے تھے۔ تقسیم کے بعد انھوں نے لکھنا شروع کیا۔

غلام الثقلین نقوی کے عہد کے افسانہ نگار، ناول نگار اور ناولٹ نگاروں میں بہت سے مایہ ناز نام شامل ہیں۔ جنھوں نے اپنے فن کو مختلف جذبات کی ترجمانی کے لیے سامنے لایا اور مختلف موضوعات کو بیان کیا۔

اشفاق احمد، قراۃ العین حیدر، بلراج ورما، انتظار حسین، جمیلہ ہاشمی، جیلانی بانو وغیرہ اور بھی بہت سے نام شامل ہیں۔

غلام الثقلین نقوی کے معاصرین ناولٹ نگاروں کے ہاں ہجرت کے مسائل، دیہی عکاسی اور زندگی کے عمومی مسائل ملتے ہیں۔ ان کے معاصرین ناول نگاروں میں ان کا بھی ذکر ملتا ہے۔ غلام الثقلین نقوی کے ہاں جس طرح حقیقت اور رومان کا حسین امتزاج ملتا ہے اس طرح ان کے عہد کے ادب میں بھی حقیقت نگاری کا خوبصورت بیان ملتا ہے۔ بانو قدسیہ، قراۃ العین حیدر، اشفاق احمد اور انتظار حسین اور بہت سے نامور لکھنے والے شامل ہیں۔ جنھوں نے ادب میں مختلف موضوعات کا چناؤ خوبصورتی کے ساتھ کیا۔

غلام الثقلین نقوی کی ادبی زندگی کے آغاز سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات بخوبی کھل کر سامنے آتی ہے۔ کہ یہ ادب میں ایک بہترین افسانہ نگار اور ناولٹ نگار ہیں۔ ابتدا میں ان کی پہچان افسانہ نگاری بنی اور بعد ازاں ناول اور ناولٹ کے میدان میں بھی نام پیدا کیا۔ افسانوں کی نسبت ناول اور ناولٹ میں وسیع کینوس ہے۔ انہوں نے ناولٹ کے ذریعے معاشرے کے مسائل، انسانوں کے رویے اور بالخصوص دیہی زندگی کو سامنے لایا ہے۔ ناقدین کے مطابق غلام الثقلین نقوی افسانہ نگار کی نسبت ناولٹ نگاری میں بہتر ہیں یعنی ان کا مقام ناولٹ نگاری میں زیادہ ہے۔ ان کے صرف تین ناولٹ ہیں مگر تینوں میں کہانی، پلاٹ، کردار اور موضوعات میں تنوع ملتا ہے۔

ان کی نثر نگاری میں شعریت بھرا اسلوب اپنانے والا منفرد ناولٹ نگار قرار دیا ہے۔ ان کے فن میں خوبصورتی اور پہچان کے حوالے سے ان کو اس طرح متعارف کرایا گیا ہے یہ ادب میں کچھ اس طرح اپنی پہچان کراتے ہیں کہ وہ بہت تیزی سے ادب میں اپنا مقام سامنے نہیں لائے بلکہ آہستہ آہستہ چراغ کی طرح اپنی روشنی ادب میں بکھیرتے رہے۔ کشمیر کے موضوع پر مبنی ناولٹ کی بدولت بھی ان کی دلچسپی اور لگاؤ کو ظاہر کرتی ہے اور انھیں دوسرے معاصرین ناولٹ نگاروں سے منفرد بیان کی پیروی کرنے میں اہمیت بخشتا ہے۔

نتائج:

غلام الثقلین نقوی کی ناولٹ نگاری کے جائزہ سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ ناولٹ نگاری اردو ادب میں دیگر اصناف کی طرح متعارف ہوئی۔ جس کی اہمیت ناول اور افسانے کے بیچ کی کڑی ہونے کی بدولت سامنے آتی ہے۔

۲۔ غلام الثقلین نقوی نے متفرق موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔ مثلاً رومانوی، دیہی زندگی کے موضوعات اور خاص طور پر جدوجہد کشمیر کے موضوع پر دلیرانہ انداز سے اجاگر کیا ہے۔

۳۔ غلام الثقلین نقوی نے اپنے تینوں ناولٹ میں منفرد اسلوب اور رنگ کو اپنایا۔ ان کے ہاں شاعرانہ لب ولہجہ ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انگریزی اور پنجابی الفاظ کا استعمال بھی ان کے اسلوب کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

سفارشات:

درج ذیل نتائج کو مد نظر رکھتے ہوئے آئندہ تحقیقی کام کے لیے چند سفارشات بھی پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ غلام الثقلین نقوی کی طنز و مزاح نگاری اور سفر نامے پر بھی کام کروانا چاہیے۔

۲۔ غلام الثقلین نقوی نے اپنی نثر میں جدوجہد کشمیر کو موضوع بنایا ہے اس پر الگ سے تحقیقی کام کیا جا سکتا ہے۔

کتابیات

بنیادی ماخذ:

غلام الثقلین نقوی، تین ناولٹ (چاند پور کی نینا، شمیرا، شیر زمان)، کاغذی پیرہن، لاہور، دوسری ایڈیشن، ۲۰۰۴ء

ثانوی ماخذ:

کتب:

ابوالکلام قاسمی، ناول کا فن، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۲ء

ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، ناول فنی نقطہ نظر سے، مضمون مشمولہ اردو نثر کا فنی ارتقا، ایجوکیشنل پبلشنگ دہلی، ۱۹۹۴ء

اسلم عزیز درانی، ڈاکٹر، علی عباس حسینی، ناول اور ناول نگار، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۹۰ء

اشفاق احمد خان، ناول کے اوصاف، علم و عرفان پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء

اعجاز راہی، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب کا آہنگ، ریز پبلی کیشنز راولپنڈی، ۲۰۰۳ء

انور سدید، ڈاکٹر، اردو افسانے میں دیہات کی پیش کش، اردو رائٹرس گلڈ الہٰ آباد، ۱۹۹۲ء

انور سدید، ڈاکٹر، غلام الثقلین نقوی شخصیت و فن، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء

حمید شاہد، محمد، اردو افسانہ صورت و معنی، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۲۰۰۶ء

سلیم آغا قزلباش، ڈاکٹر، افسانہ حقیقت سے علامت تک، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۷۶ء

عبادت بریلوی، ڈاکٹر، افسانہ اور افسانے کی تنقید، ادارہ ادب و تنقید لاہور س۔ن

عبدالحق حسرت کاسگنجوی، ڈاکٹر، بیسویں صدی میں اردو ادب، اردو اکیڈمی سندھ کراچی، بارِ اول، ۱۹۸۸ء

غلام الثقلین نقوی، اِک طرف تماشا ہے، مکتبہ فکر و خیال لاہور، ۱۹۸۵ء

فاروق عثمان، ڈاکٹر، اردو ناول میں مسلم ثقافت، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۲ء

فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، پورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۱۰ء

قمر رئیس، پروفیسر، سید عاشور کاظمی، معاون ارتضیٰ کریم، ترقی پسند ادب پچاس سالہ سفر، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۹۴ء

قمر رئیس، پروفیسر، ترقی پسند ادب کے معمار، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۳ء

قمر رئیس، ڈاکٹر، پریم چند کا تنقیدی مطالعہ، بحیثیت ناول نگار، ایجوکیشنل پبلشنگ دہلی، ۲۰۰۴ء

محمد عالم خان، ڈاکٹر، اردو افسانے میں رومانی رجحانات، علم و عرفان پبلیشرز، س۔ن

محمد یسیٰن، ڈاکٹر، ناول کا فن اور نظریہ، فضلی بک سپر مارکیٹ کراچی، ۲۰۱۳ء

ممتاز احمد، خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے بدلتے تناظر، ویلکم بک پورٹ، کراچی، ۱۹۹۳ء

ملک حسن اختر، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، ابلاغ پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء

نجم الہدیٰ، ڈاکٹر، کردار اور کردار نگاری، مظفر پور، ۱۹۸۰ء

نعیم مظہر، ڈاکٹر، فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اردو ناول تفہیم و تنقید، ادارہ فروغ قومی زبان پاکستان، طبع اول، ۲۰۱۲ء

رسائل و جرائد:

تحقیق نامہ شمارہ ۷، جی سی یونیورسٹی لاہور، ۲۰۱۰ء

سہ ماہی، روشنائی، کراچی، شمارہ ۹، اپریل تا جون ۲۰۰۲ء

ماہنامہ، "چہار سو"، راولپنڈی، شمارہ ۴۷۔۴۶ ستمبر اکتوبر ۱۹۹۶ء

ماہنامہ، "چہار سو" راولپنڈی، ستمبر اکتوبر ۱۹۹۶ء

ماہنامہ "محفل" لاہور، دسمبر ۱۹۹۵ء

لغات:

علمی اردو لغت، وارث سرہندی، محمد احسن خان، ۱۹۹۶ء

فیروز اللغات، اردو جدید، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، س۔ن

فیروز الغات اردو، الحاج فیروز الدین مولوی، فیروز سنز لمیٹڈ کراچی، تیسرا ایڈیشن، ۱۹۸۳ء

قومی انگریزی اردو لغت، مرتبہ جمیل جالبی، ڈاکٹر، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، طبع اول، ۱۹۹۲ء

انٹرنیٹ کا حوالہ:

www.wikipedia.org

www.lib.bazmeurdu.com

www.jahan-e-urdu.com

www.urdu.web.org